www.facebook.com/darahlesunnat

واعظ الجمعہ

تحسینِ خطابت

جلد اوّل

(جنوری تا جولائی ۲۰۲۰ء)

تالیف

ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی حفظہ اللہ تعالیٰ

موضوع: وعظ و نصیحت

نام کتاب: تحسینِ خطابت (جلد اوّل - جنوری تا جولائی ۲۰۲۰ء)

تالیف: ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی حفظہ اللہ تعالیٰ

معاونین: مفتی عبد الرشید ہمایوں المدنی، مفتی عبد الرزاق ہنگورو قادری، مفتی محمد کاشف محمود ہاشمی حفظہم اللہ تعالیٰ

مجموعی تعدادِ صفحات: ۹۹۲

عددِ صفحات جلدِ اوّل: ۵۱۲

سائز: 23×36

ناشر: ادارۂ اہلِ سنّت کراچی

: idarakutub@gmail.com

: 00971559421541

: 00923458090612

www.facebook.com/darahlesunnat

آن لائن

۱۴۴۳ھ / ۲۰۲۲ء

شرفِ انتساب

اپنے مُشفِق و مہربان والدین کے نام، جن کی کریمانہ شفقت و محبت، حُسنِ سُلوک، تعلیم و تربیت، اور حوصلہ افزائی کی بدَولت، راقم الحروف اس قابل ہوا کہ آپ احباب کے سامنے اس مجموعہ "تحسینِ خطابت" کو پیش کر سکے۔

اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں دعا ہے، کہ ان کا سایہ تا دیر ہمارے سروں پر قائم رکھے، انہیں صحت و تندرستی سے نوازے، انہیں سلامتی وعافیت کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے، اور ہمیں ان کے طفیل ملنے والی برکتوں، رحمتوں اور نعمتوں سے خوب خوب مستفید ہونے کی توفیق مَرحمت فرمائے!۔

اور

میرے اَجدادِ کرام کے نام، جن کے وسیلے سے نسل دَر نسل ہمارے سینوں میں، دینِ اسلام کا جذبہ پروان چڑھا۔ اللہ کریم ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، اُن پر اپنی بے شمار رحمتوں کا نزول فرمائے، اور اُن سب کی بخشش و مغفرت فرماکر، ان کے درجات بلند فرمائے، آمین بجاہِ سیّد المرسلین ﷺ!۔

وصلّى الله تعالى على خيرِ خَلقه ونورِ عرشِه، سيِّدنا ومولانا محمدٍ وعلى آله وصحبه أجمعين، والحمد لله ربّ العالمين!.

دعاگو و دعاجو

محمد اسلم رضا میمن تحسینی

۱۲ ربیع الانور ۱۴۴۳ھ/ ۱۹ اکتوبر ۲۰۲۱ء

فہرستِ مضامین

فہرستِ مضامین

پیش لفظ

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آله وصحبه أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسم الله الرّحمنِ الرّحيم.

نیکی کرنا اور برائی سے بچنے کی تلقین، فرض اور حسبِ استطاعت ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾[1] "تم بہتر ہو اُن سب اُمّتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو، اور برائی سے منع کرتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

حدیثِ پاک میں اس فریضۂ تبلیغ کو ادا کرنے پر بڑی تاکید فرمائی ہے، حضرت سیّدنا حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، تاجدارِ رسالت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «وَالَّذي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتَأْمُرُنَّ بِالمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ المُنْكَرِ، أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَاباً مِنْهُ، ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يَسْتَجِيْبُ لَكُمْ!»[2] "اُس ذاتِ پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! ضرور بالضرور نیکی کا حکم کرو اور برائی سے منع کرتے رہو! ورنہ اللہ تعالی تمہیں ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا، کہ تم دعا کرو گے تو وہ تمہاری دعا قبول نہیں فرمائے گا"۔

---

(١) پ ٤، آل عمران: ١١٠.

(٢) "سنن الترمذي" أبواب الفِتن، ر: ٢١٦٩، صـ٤٩٨.

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: «بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً»[۳] "میری طرف سے لوگوں کو پہنچادو، چاہے ایک ہی آیت ہو"۔

حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیثِ پاک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "یہاں آیت سے لُغوی معنی مُراد ہیں، یعنی جسے کوئی مسئلہ یا حدیث یا قرآن شریف کی آیت یاد ہو، وہ دوسرے کو پہنچادے"[۴]۔

خطباتِ جمعہ تحریر کرنے کا پسِ منظر

قرآن وحدیث میں وارِد ایسے ہی فرامینِ مبارکہ، اور جذبہ اَمر بالمعروف ونَہی عنِ المنکَر سے سرشار ہوکر، رقم الحروف نے آج سے دس سال قبل ۲۰۱۱ء میں محکمۂ اوقاف متحدہ عرب امارات کے سرکاری فتوی سینٹر سے، "واعظ الجمعہ" (خطباتِ جمعہ) لکھنے کا باقاعدہ آغاز کیا، جو کم وبیش آٹھ سال (یعنی ۲۰۱۸ء) تک جاری رہا، یہاں کے لیے سرکاری سطح پر خطباتِ جمعہ عربی زبان میں تیار کیے جاتے ہیں، اس سلسلے میں ہر جمعۃ المبارک کو جو بھی عنوان ہوتا، اُسی عنوان کے تحت ایک خطبہ، ضروری کمی بیشی اور وضاحت وتشریح کے ساتھ، پاک وہند اور دنیا بھر میں پھیلے مسلمانوں کے لیے اردو زبان میں بھی مرتّب کرتا رہا۔

اب ۲۰۱۹ء سے تادمِ تحریر، اہلِ سنّت کے ایک چھوٹے سے تحقیقی واِشاعتی مرکز، ادارۂ اہلِ سنّت کراچی (پاکستان) نے، اس اہم کام کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔ زیرِ نظر مجموعہ "تحسینِ خطابت ۲۰۲۰ء" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، ۲۰۲۰ء میں جو بھی

---

(۳) "سنن الترمذي" أبواب العلم، ر: ۲٦٦٩، صـ٦٠٥.

(۴) "مرآۃ المناجیح" علم کی کتاب، پہلی فصل، ۱/۱۶۹۔

"واعظ الجمعہ" (جمعہ کا خطبہ) یا مضمون جاری کیا گیا، ان سب کو یکجا کر کے کتابی صورت میں آپ حضرات کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے، امید ہے ہمارا یہ اِقدام عوام و خوّاص کے لیے علم و عمل اور خوشی کا باعث ہو گا!۔

خطباتِ جمعہ کی تیاری اور ادارۂ اہلِ سنّت

ادارۂ اہلِ سنّت سال بھر کے مختلف مذہبی تہواروں، بزرگانِ دِین کے اعراس، اَقوامِ متحدہ کے عالمی ایّام، دَورِ حاضر کے تقاضوں، اور مختلف مُناسبتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، سب سے پہلے ایک سالانہ جَدْول (Annual table) مرتَب کرتا ہے، جس کی تیاری کے لیے ملک بھر میں علماء، خطباء اور بزرگانِ دین سے بذریعہ واٹس اپ (WhatsApp) مُشاوَرت کی جاتی ہے، اور خطباتِ جمعہ کے موضوعات کے سلسلہ میں مختلف عناوِین پیش کرنے کی گزارش کی جاتی ہے۔ بعد اَزاں ادارۂ اہلِ سنّت کے علماء و محققین پر مشتمل ایک خصوصی کمیٹی (Special committee) ملک بھر سے آئے تمام مشوروں اور موضوعات کا جائزہ لیتی ہے، اور عصرِ حاضر کے تقاضوں اور ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، ان میں سے اہم عناوین کا انتخاب کر کے سالانہ جَدْول (Annual table) مرتَّب کرتی ہے۔

مزید برآں یہ کہ ہر ہفتے خطبۂ جمعہ کی تیاری کے لیے ادارۂ اہلِ سنّت کے محققین، شب وروز انتہائی محنت اور جانفشانی سے کام کرتے ہیں، خوب تحقیق اور چھان بین کے بعد مستند مواد، مکمل ذمّہ داری کے ساتھ صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا جاتا ہے۔ قرآنی آیات، احادیثِ مبارکہ اور علمائے امّت کے اَقوال کو مکمل اور مستند حوالہ جات کے ساتھ پیش کرنے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ کوشش ہوتی ہے کہ

کوئی غیر مستند یا سنی سنائی بات یا واقعہ ہرگز ذکر نہ کیا جائے۔ اندازِ تحریر انتہائی آسان، معتدِل، شائستہ اور شُستہ رکھنے کی کوشش ہوتی ہے، فرقہ واریت، تعصُب، غیر اَخلاقی اور غیر مستند مواد ذکر کرنے سے قصداً گریز کیا جاتا ہے؛ کیونکہ درست عقائد و مسائل سے آگاہی، اور اَخلاقی و مُعاشرتی برائیوں کی بیخ کنی ہماری اوّلین ترجیح ہے، نیز لبرل ازم (Liberalism) اور سیکولر ازم (secularism) جیسے فتنوں کی سرکوبی بھی ہمارے مشن (Mission) کا ایک اہم حصہ ہے۔

اسلام مخالف سازشوں کی بیخ کنی میں ادارۂ اہلِ سنّت کا کردار

ادارۂ اہلِ سنّت ملکی و عالمی سطح پر، یہود و نصاریٰ کی اسلام مخالف سازشوں اور ہتھ کھنڈوں پر بھی نگاہ رکھتا ہے، اور ان کی بَروقت بیخ کنی کے لیے امّتِ مسلمہ کو، بروقت شُعور و آگاہی دینے کی بھی کوشش کرتا ہے، اس سلسلے میں ادارہ موقع و محل کی مُناسبت، ضرورت اور تقاضۂ وقت کے مطابق ہنگامی صورتحال میں، سالانہ جدوَل سے ہٹ کر خصوصی مضامین بھی جاری کرتا ہے۔

تعلیماتِ رضا کے فروغ میں ادارۂ اہلِ سنّت کی چند خدمات

ادارۂ اہلِ سنّت فکر و تعلیماتِ رضا کے فروغ کے سلسلے میں بھی اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لہذا اَب تک امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی پچاسیوں چھوٹی بڑی، اردو اور عربی تصانیف، مکمل تحقیق و تنقیح کے ساتھ شائع کر کے، دنیا بھر میں عام کر چکے ہیں، جسے ان کتب کی تفصیل جاننی ہو، وہ ہماری کتب کے اخیر میں موجود فہرست ملاحظہ فرمائیں۔

عرب دنیا میں امامِ اہل سنّت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی دینی خدمات کو متعارف کرانے میں ادارۂ اہلِ سنّت کا کردار کسی سے مخفی نہیں۔ امامِ اہلِ سنّت کا فتاوی شامی پر بہترین عربی حاشیہ "جد الممتار علیٰ رد المحتار" کی، ادارۂ اہلِ سنّت اور "دار الفقیہ" (ابو ظبی) کے باہمی تعاون سے اِشاعت، اس کی ایک بہترین مثال ہے۔

اسی طرح اردو زبان میں دنیا کے بہترین فقہی شاہکار "فتاوی رضویہ" کی مکمل تحقیق وتنقیح، اور خوبصورت طباعت واِشاعت بھی ادارے کے کارہائے نمایاں میں سے ایک ہے۔

علاوہ ازیں دیگر علمائے اہلِ سنّت کی اہم تصانیف بھی وقتاً فوقتاً شائع کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، مجموعی طور پر اِدارۂ اہلِ سنّت ۱۵ سال کے قلیل عرصہ میں تقریبًا ۴۰ ہزار صفحات پر مشتمل تحقیقی کتب شائع کرنے کی سعادت حاصل کر چکا ہے، اور یہ تمام کتب وہ ہیں جن کی مکمل تحقیق وتخریج اور کمپوزنگ واِشاعت کے، تمام مراحل ادارۂ اہلِ سنّت کے ماہر علماء ومحققین کی زیرِ نگرانی انجام پائے ہیں۔

ادارۂ اہلِ سنّت کا مشن

میرے محترم بھائیو اور عزیز دوستو! ادارۂ اہلِ سنّت کی ان تمام تر کاوشوں کے پیچھے صرف یہی سوچ کار فرما ہے، کہ کسی طرح امّتِ مسلمہ کی اصلاح ہو جائے، ہم اچھے سچے اور باعمل مسلمان بن جائیں، اَخلاقی ومُعاشرتی برائیوں سے ہمیں نَجات مل جائے، ہمیں عقائدِ اہلِ سنّت اور صحیح مسائلِ شریعت سے آگاہی حاصل ہو، اَفکار ونظریاتِ رضا عام ہوں، ہماری صفوں میں ظاہری وپوشیدہ ناصبیوں، رافضیوں،

بدعتیوں، اور جعلی پیروں فقیروں کا خاتمہ ہو، نیز عوامِ اہلِ سنّت میں حق وباطل کی پہچان، اور باہمی فرق کا شُعور پیدا ہو!۔

اللہ تعالی ہمیں ہمارے اس نیک مقصد میں کامیابی عطا فرمائے، اِخلاص کی دولت سے مالامال فرمائے، اور شُہرت ورِیاکاری کے فتنہ وفساد سے محفوظ رکھے، آمین بجاہ سیّد المرسلین ﷺ!۔

وصلّى اللهُ تعالى على خيرِ خَلقه ونورِ عرشِه سيِّدنا محمدٍ، وعلى آله وصحبه أجمعين، والحمد لله ربّ العالمين!.

دعاگوودعاجو

محمد اسلم رضا میمن تحسینی

۱۲ ربیع الانور ۱۴۴۳ھ/ ۱۹ اکتوبر ۲۰۲۱ء

خُطباء وواعظین کے لیے چند ضروری آداب

الحمدُ لله وحدَه، والصّلاةُ والسّلامُ على مَن لَا نبيَّ بعدَه، وعلى آله وصحبه المكرَّمِينَ عندَه، أمّا بعد:

دینِ اسلام میں نمازِ جمعہ اور اس کا خطبہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیے، کہ نمازِ جمعہ ادا کرنے اور اس کا خطبہ سننے کے لیے تمام کام کاج چھوڑنے، اور تجارت کو ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[1] "اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کی اذان ہو جائے، تو اللہ کے ذِکر کی طرف دَوڑو! اور خرید وفروخت چھوڑ دو! یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو!"۔

مفسّرِ قرآن حضرت علّامہ سیّد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "(یہاں) دَوڑنے سے مراد بھاگنا نہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ نماز کے لیے تیاری شروع کر دو، اور ﴿ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ سے جُمہور کے نزدیک خطبہ مراد ہے"[2]۔

خطبۂ جمعہ اَمر بالمعروف ونہی عن المنکر (نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے بچنے کی تلقین کرنے) کا ایک بہترین ذریعہ ہے، اس کے ذریعے لوگوں کی دینی تربیت کرکے

(۱) پ۲۸، الجمعة: ۹.

(۲) "تفسیر خزائن العرفان" پ۲۸، الجمعہ، زیرِ آیت: ۹، صـ۱۰۲۵۔

اصلاح مُعاشرہ میں اہم کردار ادا کیا جا سکتا ہے، جو لوگ ہفتہ بھر مساجد کے قریب نہیں پھَٹکتے، نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے عموماً وہ بھی خاص اہتمام کے ساتھ مسجد میں حاضر ہوتے ہیں، لہٰذا ہمارے ائمہ وخُطباء حضرات کو چاہیے، کہ اس موقع سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں، اور اپنی جمعہ کی تقریروں کو اس قدر مؤثِر بنائیں، جس سے مُعاشرے کی دِین سے دُوری کا خاتمہ کیا جاسکے!۔

تقریرِ جمعہ اور وعظ ونصیحت کو مؤثِر بنانے کے لیے خُطباء اور واعظین کو چاہیے، کہ حسبِ ذَیل ضروری آداب کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں، اور ان پر عمل کرنے کی بھرپور کوشش کریں، اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ سے امیدِ واثق ہے، کہ ان آداب کو اپنانے سے مثبت فوائد وثمرات دیکھنے میں آئیں گے:

(۱) خطیب حضرات کو چاہیے کہ وعظ ونصیحت کرنے سے قبل نہا دھو کر اچھی طرح طہارت حاصل کریں، اپنے آپ کو سنواریں، بہترین اور صاف ستھرا لباس پہنیں، اور خوشبو لگائیں۔

(۲) مسجد میں داخل ہوتے وقت جلدی نہ کریں، بلکہ اللہ کی یاد کرتے ہوئے نہایت سکون، اطمینان اور وقار کے ساتھ داخل ہوں، اور عاجزی وانکساری کے ساتھ سنجیدہ حالت میں منبر کی طرف بڑھیں۔

(۳) ایک عالمِ دین اور مُبلّغ یا خطیب ہونے کے سبب، ہرگز اپنے دل میں اس چیز کی خواہش نہ رکھیں، کہ لوگ آپ کی آمد پر اَدب واحترام سے کھڑے ہو جائیں یا زندہ باد کے نعرے لگائیں[1]۔

---

(۱) "مبلّغ کا حقیقی کردار اور ذِمّہ داری" واعظ الجمعہ ۲۹ جنوری ۲۰۲۱ء۔

(۴) جن لوگوں کو باتوں میں مشغول دیکھیں، اپنا وعظ شروع کرنے سے قبل انہیں نرمی اور شفقت کے ساتھ گفتگو سے منع کریں، اور انہیں اپنی طرف متوجّہ کیجیے۔

(۵) تقریر اور بیان کرتے وقت بے دلی کا مُظاہرہ نہ کریں، اللہ ربّ العالمین کی بارگاہ سے اس بات کی قوّی اُمید واِعتقاد رکھیں، کہ آپ جس موضوع پر بیان کر رہے ہیں، اس سے لوگوں کو ضرور نفع ہوگا، اور وہ بیان ان کی اِصلاح کا باعث بنے گا۔

(۶) واعظین کو چاہیے کہ وعظ وخطبہ سے قبل بیان کی بھرپور تیّاری کریں، قرآن وسنّت سے ہٹ کر بات نہ کریں، ادھر اُدھر کے قصّے کہانیاں سنانے میں وقت ضائع نہ کریں، اپنے مُطالعہ میں وُسعت پیدا کریں، عوام النّاس کو مستند فقہی مسائل اور مستند واقعات سنائیں؛ تاکہ لوگوں کی معرفت وبصیرت اور دینی معلومات میں اضافہ ہو۔

(۷) اپنے بیان میں ایسی بات ہرگز نہ کریں، جس سے فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو۔

(۸) خطیب کو چاہیے کہ اپنے بیان میں حکیمانہ اُسلوب اختیار کرے، لوگوں کو اچھی اور نرم باتوں کے ذریعے دِین کے قریب کرنے کی کوشش کرے، اللہ ربّ العالمین نے قرآنِ پاک میں نرمی اور حکمت کے ساتھ تبلیغ کا حکم دیا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾[۱] "اپنے رب کی طرف بلاؤ پکّی تدبیر اور اچھی نصیحت سے، اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو!"[۲]۔

(۱) پ ۱٤، النحل: ۱۲۵.

(۲) "مبلّغ کا حقیقی کردار اور ذِمّہ داری" واعظ الجمعہ ۲۹ جنوری ۲۰۲۱ء۔

(۹) ہمیشہ سچ کہیں اور حق بات بیان کریں؛ کہ مَرنے کے بعد ہر خطیب کا بیان اس کے عمل پر پیش کیا جائے گا، اگر وہ سچا ہوا تو اس کی تصدیق کی جائے گی، اور اگر جھوٹا ہوا تو آگ کی قینچی سے اس کے ہونٹ کاٹے جائیں گے، اور یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہتا ہے[1]۔

(۱۰) خُطباء اور واعظین پر لازم ہے کہ جن اَحکام کی تبلیغ کریں، پہلے خود اس پر عمل پیرا ہوں، اس کے بعد لوگوں کو تلقین کریں۔ جو شخص اپنے علم پر خود عمل نہیں کرتا، صرف دوسروں کو اس کی تلقین کرتا ہے، اللہ تعالی اس کی زبان میں تاثیر پیدا نہیں فرماتا۔ اور اس کا ایک بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ لوگوں پر اس کی دعوت وتبلیغ کا اثر نہیں ہو پاتا، قرآنِ پاک میں اللہ ربّ العزّت نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے، اِرشاد فرماتا ہے: ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾[2] "کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو، اور اپنے آپ کو بھولتے ہو؟! حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو! تو کیا تمہیں عقل نہیں؟"۔

اسی طرح ایک اَور مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾[3] "اے

---

(١) انظر: "ذَمّ الكِذب" لابن أبي الدنيا، ذَمّ الكِذب وأهله، ر: ٣٣، صـ٢٦.

و"شرح السُنّة" للبَغَوي، كتاب الرقاق، باب وعيد من يأمر بالمعروف ولا يأتيه، ر: ٤٠٥٩، ١٤/ ٣٥٣.

(٢) پ١، البقرة: ٤٤.

(٣) پ٢٨، الصف: ٢، ٣.

ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ (بات) جو تم (خود) نہیں کرتے؟! کتنی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ (دوسروں کو) وہ کہو، جو (خود) نہ کرو!"[1]۔

(۱۱) خطیب کو چاہیے کہ صرف فضائل یا عذاب کی وعیدیں بیان نہ کرے، بلکہ امّتِ مسلمہ کی علمی وفکری بیداری، حالاتِ حاضرہ، اسلام کو درپیش مسائل (Challenges)، اسلام کی خارجہ پالیسی اور یہود ونصاریٰ سے مُعاملات کی نَوعیت، اور مذہبی سیاست کی اہمیت وضرورت پر بھی لوگوں کی رہنمائی کریں؛ تاکہ مسلمانوں کے سیاسی شُعور میں پختگی پیدا کی جاسکے!۔

(۱۲) بیان کو غیر ضروری طَور پر طویل کرنا، اور نماز کو بہت مختصر کرنا مناسب اَمر نہیں، حضرت سیّدنا عمّار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: «إِنَّ طُولَ صَلَاةِ الرَّجُلِ، وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ، مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ!»[2] "لمبی نماز اور مختصر خطبہ، انسان کی فقاہت ودانائی پر دلیل ہے"۔ البتہ نماز کو زیادہ طول دینا بھی مناسب نہیں، کہ مقتدیوں میں بچے، بوڑھے، کمزور اور مصروف لوگ بھی شامل ہوتے ہیں، لہٰذا ان کی بھی رعایت کی جائے، اور میانہ رَوِی سے کام لیا جائے۔

(۱۳) بعض واعظین خطبہ وتقریرِ جمعہ کی تیاری نہیں کرتے، اور کسی مناسبت کے بغیر تقریر کرتے ہیں، یہ انتہائی نا مناسب بات ہے، موضوع کی مناسبت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بیان کی تیاری کیجیے، اور بھرپور انداز سے بیان کیجیے، اپنے

---

(۱) "مبلّغ کا حقیقی کردار اور ذِمّہ داری" واعظ الجمعہ ۲۹ جنوری ۲۰۲۱ء۔

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الصلاة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ر: ۲۰۰۹، صـ۳٤۹.

چہرے کے تاثرات اور ہاتھ کے اشاروں سے بھی اپنی بات سمجھانے کی کوشش کیجیے؛ تاکہ سامعین کی توجّہ مکمل طَور پر آپ کی طرف رہے۔

(۱۴) واعظین کو یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رکھنی چاہیے، کہ انتہائی آسان، سہل اور سادہ الفاظ میں بیان کریں، دقیق اور مشکل الفاظ کا استعمال ہرگز نہ کریں؛ کہ اس سے سامعین پر آپ کی علمیت کا رُعب ودَبدَبہ تو بیٹھ جائے گا، لیکن لوگ آپ کا پیغام سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔

(۱۵) بعض خطیب حضرات چیخ چیخ کر، اور گلا پھاڑ کر بڑی بلند آواز میں بیان کرتے ہیں، ان کے چیخنے گرجنے کے علاوہ سامعین کچھ بھی نہیں سمجھ پاتے، یہ اندازِ بیان بھی انتہائی نامناسب ہے، شائستہ اور معتدل انداز اختیار کیجیے، البتہ حسبِ ضرورت تھوڑا بہت جلالی وجمالی انداز اپنانے میں بھی حرج نہیں۔

عربی خطبے کے چند آداب

(۱۶) نمازِ جمعہ کی اِمامت وخطابت کا فریضہ اَنجام دینے والے واعظ وخطیب کو، یہ بات خوب اچھی طرح معلوم ہونی چاہیے، کہ نمازِ جمعہ میں خطبہ شرط ہے، اگر اس نے خطبہ نہ پڑھا تو جمعہ نہیں ہوگا[۱]۔

(۱۷) خطبہ پڑھتے وقت خطیب کا چہرہ سامعین کی طرف، اور پیٹھ قبلہ کی طرف ہونی چاہیے[۲]۔

---

(۱) "بہارِ شریعت" عیدَین کا بیان، مسائلِ فقہیّہ، حصّہ چہارُم، ۱/۷۷۹۔

(۲) ایضاً، جمعہ کا بیان، خطبہ، حصّہ چہارُم، ۱/۷۶۷۔

(۱۸) خطبۂ جمعہ میں شرط یہ ہے کہ **(۱)** وقت میں ہو، **(۲)** اور نماز سے پہلے ہو، **(۳)** اور ایسی جماعت کے سامنے ہو جو جمعہ کے لیے شرط ہے، یعنی کم سے کم خطیب کے علاوہ تین ۳ مرد (موجود ہوں)، **(۴)** اور اتنی (بلند) آواز سے خطبہ ہو کہ اگر کوئی اَمر مانع نہ ہو تو پاس والے سُن سکیں۔ اگر خطیب نے زوال سے پیشتر خطبہ پڑھ لیا، یا نماز کے بعد پڑھا، یا تنہا پڑھا، یا عورتوں، بچوں کے سامنے پڑھا، تو ان سب صورتوں میں جمعہ نہیں ہوا، اور اگر بہروں یا سونے والوں کے سامنے پڑھا، یا حاضرین دُور ہیں کہ سنتے نہیں، یا مسافر، یا بیماروں کے سامنے پڑھا جو عاقل بالغ مَرد ہیں تو ہو جائے گا[۱]۔

(۱۹) خطبہ ذکرِ الٰہی کا نام ہے، اگرچہ خطیب نے صرف ایک بار "الحمد للہ" یا "سبحان اللہ" یا "لا الہ الّا اللہ" کہا، اسی قدر سے فرض ادا ہو گیا، مگر اتنے ہی پر اِکتفاء کرنا مکروہ ہے۔ اگر خطیب کو چھینک آئی اور اُس نے اِس پر "الحمد للہ" کہا، یا تعجّب کے طور پر "سبحان اللہ"، یا "لا الہ الّا اللہ" کہا، تو فرض ادا نہ ہوا[۲]۔

(۲۰) خطیب کے لیے سنّت یہ ہے کہ دو ۲ خطبے پڑھے، جو زیادہ طویل نہ ہوں[۳]۔

(۲۱) خطبہ میں آیت نہ پڑھنا، یا دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ نہ کرنا (یعنی تھوڑی دیر نہ بیٹھنا)، یا اَثنائے خطبہ میں کلام کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر خطیب نے نیک بات کا حکم کیا، یا بُری بات سے منع کیا، تو اُسے اس کی ممانعت نہیں[۴]۔

---

(۱) ایضاً، ۱/۷٦٦۔
(۲) ایضاً، ۱/۷٦۷۔
(۳) ایضاً، ۱/۷٦۸۔
(۴) ایضاً، ۱/۷٦۹۔

(۲۲) کسی خطیب کا غیرِ عربی میں خطبہ پڑھنا، یا عربی کے ساتھ دوسری زبان خطبہ میں خلط (شامل) کرنا خلافِ سنّتِ متوارِثہ ہے۔ یونہی خطبہ میں اَشعار بھی نہ پڑھنا چاہیے، اگرچہ عربی ہی کے ہوں، ہاں خطیب دو۲ ایک شعر پند ونصائح کے اگر کبھی پڑھ لے تو حرج نہیں[۱]۔

(۲۳) جو چیزیں نماز میں حرام ہیں، مثلاً کھانا پینا، سلام وجوابِ سلام وغیرہ، یہ سب خطبہ کی حالت میں بھی حرام ہیں، یہاں تک کہ امر بالمعروف بھی، ہاں خطیب امر بالمعروف (یعنی نیکی کا حکم) کر سکتا ہے[۲]۔

(۲۴) خطیب نے (دَورانِ خطبہ) مسلمانوں کے لیے دعا کی، تو سامعین کو ہاتھ اُٹھانا یا زبان سے "آمین" کہنا منع ہے، (اگر وہ ایسا) کریں گے گنہگار ہوں گے[۳]۔

---

(۱) ایضًا۔

(۲) ایضًا، اذنِ عام، حصّہ چہارُم، ۱/۷۷۴۔

(۳) ایضًا، ۱/۷۷۵۔

تحسینِ خطابت

جلدِ اوّل

(جنوری تا جولائی ۲۰۲۰ء)

ریاستِ مدینہ کا حقیقی تصوّر

(جمعۃ المبارک ۷ جُمادی الأولی ۱۴۴۱ھ-۰۳/۰۱/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

ریاستِ مدینہ

برادرانِ اسلام! ریاستِ مدینہ سے مراد ریاست کا وہ تصوّر ہے، جس میں ایک مملکت اپنے تمام شہریوں کی جان، مال، عزّت وآبرُو کی حفاظت اور فلاح وبہبود کے لیے، نا صرف عملی اِقدام کرتی ہے، بلکہ اس کی مکمل ذمّہ داری بھی اٹھاتی ہے۔ ایک ریاست اپنے تمام شہریوں کے مابین کسی قسم کا لسانی، مذہبی یا اقتصادی ومُعاشرتی امتیاز نہیں کرتی، بلکہ سب کے حقوق کا یکساں خیال رکھتی ہے، اللہ رب العالمین نے مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے ذریعے، اسلام کی صورت میں ہمیں ایک مکمل اور باعزّت ضابطۂ حیات عطا فرمایا، رسولِ کریم ﷺ نے اس ضابطۂ حیات کے ذریعے ذِلّت کی پستیوں میں گری ہوئی انسانیت کو، جس عُروجِ ثُریا تک پہنچایا، کائنات اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے! عدل، انصاف ومُساوات پر مبنی، سرورِ کونین ﷺ

کے اِقدامات، اور مثالی طرزِ حکمرانی نے، بکھرے ہوئے عربوں کو وَحدت کی لڑی میں پرُویا، جس کے نتیجے میں "ریاستِ مدینہ" کا قیام عمل میں آیا۔ اس عظیم اسلامی وفلاحی ریاست کے قیام کے لیے، رحمتِ عالمیان ﷺ کے فرامین واِقدامات، روحانی ومادّی اعتبار سے، آج بھی ساری دنیا کی رَہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، مگر ضرورت ہے عملی اِقدام کی!! : ؏

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

راہ دِکھلائیں کسے؟ رہرِو منزل ہی نہیں![1]

ریاستی سیکرٹریٹ (Secretariat) کا قیام

عزیزانِ گرامی قدر! نبیٔ کریم ﷺ نے مدینہ منوّرہ تشریف آوری کے فوری بعد، مسجدِ نبوی شریف کی بنیاد رکھی، اور اس کی تعمیر میں خود بنفسِ نفیس حصہ لیا، یہ مسجد جہاں ایک طرف مسلمانوں کے لیے عبادت گاہ ٹھہری، وہیں ریاستی سیکرٹریٹ کے طور پر، مختلف مُعاملات میں مُشاورت کے لیے مرکز بھی قرار پائی، گورنرز (Governors) اور عمائدینِ حکومت کو، یہیں سے ہدایات جاری کی جاتیں، وقت گزرتا رہا، اور صدائے حق روز بروز بلند ہوتے ہوئے، جب گھر گھر پہنچ گئی، تب کفّار ومشرکین پر ہَیبت طاری ہونے لگی، اور دنیا کے کونے کونے سے مختلف علاقوں اور قبیلوں کے نمائندے، اور وُفود صلح ومُعاہدۂ امن کی غرض سے، جُوق در جُوق بارگاہِ رسالت پناہ ﷺ میں حاضر ہونے لگے، مصطفیٰ کریم ﷺ ان سب سے اکثر مسجدِ نبوی شریف ہی میں ملاقات فرمایا کرتے۔

(۱) "کلیاتِ اقبال" جواب شکوہ، حصہ سوم، ص۲۲۵۔

شدید مُعاشی مسائل کا ہنگامی حل

حضراتِ محترم! مصطفٰی جانِ رحمت ﷺ جب مدینہ منوّرہ تشریف لائے، تب ہجرت کے باعث مکہ مکرّمہ سے مدینہ منوّرہ تشریف لانے والے مسلمان، شدید مُعاشی مسائل کا شکار تھے، صورتحال انتہائی گھمبیر تھی، مہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس رہنے سہنے اور کھانے پینے کو کچھ نہیں تھا، سرورِ کونین ﷺ نے ان ہنگامی حالات کے پیشِ نظر، انصار ومہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مابین، مُؤاخات (بھائی چارا) قائم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: «تَآخَوْا فِيْ الله أَخَوَيْنِ أَخَوَيْنِ!»[1] "اللہ کی خاطر دودو آپس میں بھائی بھائی ہوجاؤ!"۔

مصطفٰی جانِ رحمت ﷺ کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے، اور اسلام کے فلاحی نظام پر پختہ یقین رکھتے ہوئے، ہر انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ایک مہاجر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، نا صرف اپنا بھائی تسلیم کیا، بلکہ بخوشی اپنا آدھا آدھا مال بھی انہیں عطا کیا۔

حضرت سیّدُنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ جب حضرت سیّدُنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیّبہ تشریف لائے، تو حضورِ اکرم ﷺ نے اُن کے اور حضرت سیّدُنا سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان بھائی چارا قائم فرمایا، حضرت سیّدُنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «هَلُمَّ أُقَاسِمُكَ مَالِيْ نِصفَيْنِ»[2] "آؤ میں اپنا مال تقسیم کرکے آدھا تمہیں دے دُوں!" لیکن حضرت عبد الرحمن نے لینے سے انکار کیا، اور انہیں برکت کی دعا دیتے ہوئے فرمایا: «دُلُّونِيْ عَلَى السُّوْقِ»[3] "مجھے بازار کا راستہ

---

(١) "السيرة النبوية" رسول الله يؤاخي بين ...إلخ، الجزء٢، صـ٢٦٩.

(٢) "سنن الترمذي" باب ما جاء في مواساة الأخ، ر: ١٩٣٣، صـ٤٥٠.

(٣) "صحيح البخاري" كتابُ البيوع، ر: ٢٠٤٩، صـ٣٢٩.

دکھاؤ!"؛ تاکہ میں وہاں جاکر تجارت کروں، اور خود اپنی کمائی سے گزر اَوقات کر سکوں، حضرت سیّدنا سعد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ کو بازار کا راستہ بتا دیا، آپ ہر روز وہاں جاتے، اپنا رزقِ حلال کماتے اور اَہل وعِیال کو بھی کِھلاتے۔ لہٰذا ہمیں بھی صحابۂ کرام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دوسروں پر بوجھ بننے کے بجائے، خود رزقِ حلال کمانے اور اَہل وعِیال وغیرہ کی کفالت کے لیے کوشش کرتے رہنا چاہیے!۔

میرے عزیز بھائیو! نبئ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مُؤاخات (بھائی چارے) پر مبنی اس حکمتِ عملی کا، جہاں ایک فائدہ یہ ہوا کہ مہاجرین کو ضروریاتِ زندگی کا سامان میسر آیا، وہیں اس کا دوسرا فائدہ یہ بھی ہوا، کہ اس مُعاشرے میں پائے جانے والے طبقاتی فرق کا خاتمہ ہوگیا۔ رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے درسِ مُؤاخات کے ذریعے رہتی دنیا تک کے حکمرانوں کے لیے مثال قائم کردی، کہ مُعاشرے سے غربت وتنگدستی کا خاتمہ کس طرح ممکن ہے!۔

خود انحصاری پر مبنی مُعاشی پالیسی اور سُودی نظام کا خاتمہ

جانِ برادر! جس دَور میں سرورِ کونین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مُؤاخات یعنی باہم بھائی چارا قائم فرمایا، اس وقت کے زمینی حقائق یہ تھے، کہ مدینہ منوّرہ کی تمام تر معیشت کا انحصار، یہود کے سُودی کاروبار پر تھا، اس کے باوُجود مصطفیٰ جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مہاجرین کو یہ حکم نہیں فرمایا کہ تم یہود سے سُودی قرض لے کر اپنا کاروبار شروع کردو! بلکہ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انصارِ مدینہ کو حکم دیا، کہ اپنے مہاجر بھائیوں کی مدد کرو! اور ساتھ ہی ساتھ قرضِ حسنہ کا نظام رائج فرمایا، جب مُعاشرے کے اَفراد بلا سُود قرض پر معیشت قائم کرنے میں لگ گئے، تب رحمتِ عالمیان صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سُود کو مکمل طور پر حرام قرار دے کر، اس لعنت کا خاتمہ فرمایا، نیز اسے انتہائی سنگین جرم قرار دیا، بلکہ اس کے خاتمہ کے لیے اپنے خاندان کے اَفراد سے ابتداء فرمائی۔

سُود کی مذمّت بیان کرتے ہوئے نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «دِرْهَمُ رِبا يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ، أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ زِنْيَةً»[1] "سُود کا ایک درہم جسے آدمی جان بوجھ کر کھائے، چھتیس ۳۶ بار زِنا سے بدتر سنگین جُرم ہے"۔

اسی طرح حضرت سیِّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «الرِّبَا سَبْعُونَ حُوباً، أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ»[2] "سُود خوری کے ستر ۷۰ حصے ہیں، ان میں سب سے کم تر یہ ہے، کہ کوئی اپنی ماں سے بدکاری کرے"۔

میثاقِ مدینہ

(سب سے پہلا تحریری مُعاہدہ)

حضراتِ ذی وقار! دوجہاں کے سردار ﷺ نے مُؤاخات (بھائی چارہ) پالیسی کی شکل میں، اہلِ مدینہ کے مُعاشی مسائل کا قابلِ عمل حل نکالنے کے بعد، اسے داخلی وخارجی خطرات اور حملوں سے بچانے کے لیے، غیر مسلموں کے ساتھ دفاعی مُعاہدے کیے، اور مدینہ منوّرہ میں موجود تمام گروہوں سے بلا امتیازِ مذہب، باہم گفت وشنید سے ریاستِ مدینہ کا آئین مرتَّب فرمایا، اور اسے باقاعدہ تحریر بھی کیا، یہ دنیا کا وہ پہلا آئین تھا جو کسی ریاست کے حکمران کی طرف سے مرتَّب کیا گیا، اس تاریخی دستاویز کی صورت میں شہرِ مدینہ کو پہلی بار ایک ریاست تسلیم کیا گیا، اس آئین کی رُو سے ہر شخص کو اپنے اپنے عقیدے کے مطابق مذہبی آزادی حاصل تھی، غیر مسلم قبائل نے بھی مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کو اپنا حاکم تسلیم کیا، اور یہ وعدہ کیا کہ وہ اس دُستور کی پاسداری کرتے ہوئے، مسلمانوں کے

---

(١) "سنن الدارقُطني" كتاب البيوع، ر: ٢٨١٩، ٣/ ١٩.

(٢) "سنن ابن ماجه" باب التغليظ في الربا، ر: ٢٢٧٤، صـ٣٨١.

مقابلے میں کسی غیر مسلم کا ساتھ نہیں دیں گے، بلکہ غیر جانبدار رہیں گے۔

بلاشک وشبہ یہ دُستور ریاستِ مدینہ کے لیے بنیادی حیثیت کا حامل تھا، اگر اس آئین کی تمام شقّوں کا بغور مطالعہ کیا جائے، تو ہمیں سرورِ کونین ﷺ کی مبارک زندگی کا ایک منفرد رُخ دیکھنے کو ملتا ہے، اور رحمتِ عالم ﷺ ایک بہترین حاکم اور منتظمِ ریاست کے طور پر نظر آتے ہیں۔

عدل ومُساوات کا قانون

عزیزانِ محترم! ریاستِ مدینہ دنیا کی وہ واحد اور اوّلین ریاست تھی، جس میں قانون کا اِطلاق سب کے لیے یکساں تھا، قانون کی نظر میں سب برابر تھے۔ آج دنیا کے تمام ممالک میں ہر چیز کے متعلق قانون تو موجود ہے، لیکن ہر شہری چاہے وہ امیر ہو یا غریب، صدر ہو یا وزیرِ اعظم، اُن پر اِس قانون کا یکساں اِطلاق عملاً کہیں بھی رائج نہیں، آج مسندِ اِقتدار پر براجمان کرپٹ عناصر نے، قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے، منتخب اسمبلیوں سے "استثناء" کا قانون منظور کروا رکھا ہے، وہ جس قدر چاہیں قانون شکنی کریں، پولیس انہیں اُس وقت تک گرفتار نہیں کر سکتی، جب تک وہ اقتدار کی کرسی سے علیحدہ نہیں ہو جاتے، دوسری طرف کوئی عام شہری غربت واِفلاس کے سبب، بامرِ مجبوری کوئی غلطی کر بیٹھے، تو اس کے لیے قانون ایسا حرکت میں آتا ہے، کہ جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے، محلّے بھر کے شُرفاء ومعزّزین اور چیئرمین وکونسلرز کی سفارشیں کروانا پڑتی ہیں، اس کے باوُجود اس وقت تک غریب کی گلو خلاصی نہیں ہوتی، جب تک عام سپاہی سے لے کر بڑے صاحب.جی تک، سب کی مٹھیاں گرم نہ کر دی جائیں۔ جبکہ دوسری طرف ریاستِ مدینہ ایک ایسی ریاست

تھی، جہاں بلا تفریقِ مذہب، عدل وانصاف کے تمام تقاضے پورے کیے جاتے تھے!۔

حضراتِ ذی وقار! اللہ ربّ العزّت نے قرآنِ پاک میں، عدل وانصاف پر قائم رہنے کی بہت تاکید فرمائی ہے، ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ﴾[1] "اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ"۔

ایک بار قبیلۂ بنی مخزوم کی ایک عورت فاطمہ بنتِ اَسوَد نے چوری کی، یہ خاندانِ قریش میں عزّت ووَجاہت کا حامل خاندان تھا، لہذا لوگ چاہتے تھے کہ وہ عورت سزا سے بچ جائے، اور مُعاملہ کسی طرح ختم ہو جائے، حضور نبئ کریم ﷺ سے مُعافی کی درخواست کی گئی، سرورِ کونین ﷺ نے ناراض ہو کر فرمایا: «إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»[2] "یقیناً تم سے پہلے والے اسی لیے تباہ وبرباد ہوئے، کہ وہ غریبوں پر فوراً حد قائم کرتے، جبکہ اُمراء سے درگزر کیا کرتے، اللہ کی قسم ہے! اس کی جگہ میری بیٹی فاطمہ بنتِ محمد بھی چوری کرتی، تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا"۔

ریاستِ مدینہ میں خلفائے راشدین کا طرزِ عمل اور سادگی

محترم بھائیو! مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد، حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہمی مُشاورت اور اتفاقِ رائے سے ریاستِ مدینہ کے حاکم چُنے گئے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے دوسرے روز ہی کچھ چادریں لے کر بازار

---

(١) پ٥، النساء: ١٣٥.

(٢) "صحيح البخاري" باب حديث الغار، ر: ٣٤٧٥، صـ٥٨٦.

جا رہے تھے، کہ حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے دریافت کیا: «أينَ تريدُ؟» "آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟" فرمایا: «إلى السُّوق» "(بغرضِ تجارت) بازار جا رہا ہوں"، حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی: «تصنعُ ماذا وقد وُلّيتَ أمْرَ المسلمين؟!» "آپ یہ کیا کررہے ہیں؟ اب آپ مسلمانوں کے امیر ہیں!"۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب دیا: «فمِنْ أينَ أُطعِم عِيالي؟» "(اگر میں یہ کام چھوڑ دُوں) تو پھر میرے اَہل وعِیال کہاں سے کھائیں گے؟" حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی: «انطلقْ، يفرضُ لكَ أبو عبَيدةَ» "آپ واپس چلیے، آپ کے اِخراجات حضرت ابو عبَیدہ طے کریں گے"۔ پھر یہ دونوں حضرات سیّدنا ابو عبَیدہ بن جرّاح رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس تشریف لائے، حضرت سیّدنا ابو عبیدہ نے فرمایا: «أفرضُ لك قُوتَ رجلٍ من المهاجرين، ليس بأفضلِهم ولا أوكَسِهم، وكسوةَ الشِّتاءِ والصَيفِ، إذا أخلقتَ شيئاً رَددتَه وأخذتَ غيرَه» "میں آپ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق اور آپ کے اَہل وعِیال کے لیے، ایک اَوسط درجے کے مہاجر کی خوراک کا اندازہ کرکے روزینہ، اور موسمِ سرما وگرما کا لباس مقرّر کرتا ہوں، اس طور پر کہ جب وہ قابلِ استعمال نہ رہے، تو واپس دے کر دوسرا لے لیا کریں"۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ بن جرّاح رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے لیے آدھی بکری کا گوشت، لباس اور روٹی مقرّر کر دی[1]۔

اسی طرح حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ دوسرے خلیفۂ راشد سیّدُنا عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی سادگی کا عالم بیان کرتے ہیں: «رأيتُ بين كتفَي عمَرَ أربعَ رِقاعٍ

---

(١) "تاريخ الخلفاء" الخلفاء الراشدون، صـ٦٣ ملخّصاً.

في قميصِه»(1) "میں نے دیکھا کہ حضرت سیّدنا فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی قمیص مبارک میں، شانوں کے درمیان، چار ۴ پیوند لگے ہوئے تھے"۔

حضرت سیّدنا عامر بن ربیعہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: «خرجَ عمرُ حاجّاً من المدينةِ إلى مكّةَ إلى أن رجعَ، فما ضربَ فسطاطاً ولا خباءً إلّا كان يُلقي الكساءَ والنطعَ على الشجرةِ، ويستظلّ تحتَها»(2) "سیّدنا عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ حج کی ادائیگی کے لیے مدینۂ طیّبہ سے مکہ مکرّمہ کی طرف روانہ ہوئے، آمد ورفت میں آپ کے لیے کوئی سائبان یا خیمہ نہیں لگایا گیا، جہاں قیام فرماتے، اپنے کپڑے اور بستر کسی درخت پر ڈال کر خود ہی سایہ کر لیا کرتے تھے"۔

برادرانِ اسلام! ان واقعات میں ہمارے حکمراں طبقے کے لیے بہت سی نصیحتیں ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ سادگی اپنائیں، بیت المال میں سے اتنی تنخواہ لیں، جتنی ایک اَوسط درجہ کے مُلازم کی اُجرت ہوتی ہے، یعنی شاہ خرچی سے بچ کر ملک وقَوم کی حقیقی خدمت انجام دیں، تب ان کی رِعایا انہیں خیر وبرکت کی دعاؤں کے ساتھ یاد کرے گی، اس سے ان کی دنیا وآخرت سنوَر جائے گی، اور تب ان کا وطنِ عزیز حقیقی معنی میں ریاستِ مدینہ کی شاہراہ پر گامزن ہوکر، ترقی کی منازِل طے کرنے لگے گا!۔

فلاحی ریاست کی تکمیل اور دَورِ فاروقی

برادرانِ ملّتِ اسلامیہ! مصطفٰی جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ریاستِ مدینہ کی تشکیل وتاسیس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے، میرٹ اور کردار کو مدِ نظر رکھتے

---

(۱) "تاريخ الخلفاء" الخليفة الثاني: عمر بن الخطاب رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، صـ۱۰٤.

(۲) "الرياض النضرة" الفصل ۹، الجزء ۲، صـ۳٦۸.

ہوئے، شُوریٰ کی صورت میں ایک بہترین ٹیم کا انتخاب فرمایا، اور انہیں مختلف ذمّہ داریاں سونپ کر اپنی حیاتِ ظاہری ہی میں ان حضرات کی تربیت بھی فرمائی، یہی وجہ ہے کہ ریاستِ مدینہ کی تاسیس کی صورت میں، جو مشن سرورِ کونین ﷺ کے دَور میں شروع ہوا تھا، اسے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جاری وساری رکھا، جو بالآخر حضرت سیّدُنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَورِ خلافت میں پایۂ تکمیل تک پہنچا، اور ایک مکمل فلاحی ریاست وُجود میں آسکی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَورِ خلافت میں ریاستِ مدینہ کا حُدودِ اَربعہ، وسیع ہوکر تقریبًا بائیس ۲۲ لاکھ، اکاون ۵۱ ہزار، تیس ۳۰ مربع میل تک پھیل چکا تھا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مہارت، شجاعت اور عسکری صلاحیت سے، صرف دو ۲ سال کے قلیل عرصہ میں، ساسانی (ایرانی) سلطنت کی شہنشاہیت کو نا صرف زیر کیا، بلکہ اپنی حُدودِ سلطنت کا انتظام، رِعایا کی جملہ ضروریات کی نگہداشت، اور دیگر اُمورِ سلطنت کو بھی خوش اُسلوبی اور مہارت سے نبھایا۔

امیر المؤمنین حضرت سیّدُنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَورِ خلافت میں، ایک محتاط اندازے کے مطابق ۳۶۰۰ علاقے فتح ہوئے، تقریبًا ۵۰۰۰ مساجد تعمیر ہوئیں، یتامیٰ ومساکین، بیوہ عورتوں اور بزرگ شہریوں کی مالی مدد کے لیے بَیت المال قائم کیا گیا، عدالتیں بنائی گئی، ان میں میرٹ (Merit) پر قاضِی (ججز) تعینات کیے گئے۔ دُور دراز علاقوں میں پانی کی فراہمی کے لیے نہریں کھدوائی گئیں، نئے شہر آباد کروائے گئے، گھوڑوں کی زکات وُصولی کا سسٹم رائج کیا گیا، قیدیوں کے لیے جیل خانے بنوائے گئے۔

مسافروں کی سہولت کے لیے مسافر خانے، اور لاوارِث بچوں کی پرورش کے لیے وظائف مقرّر کیے گئے۔ دینی تعلیم کے فروغ کے لیے مدارس کا قیام عمل میں

لایا گیا، ان میں تعلیم دینے والے علماء کے مُشاہرے مقرّر کیے گئے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے فلاحی واِصلاحی اُمور انجام دیے گئے[1]۔

ریاستِ مدینہ کے تقاضے

عزیزانِ محترم! آج ہم وطنِ عزیز پاکستان میں، ریاستِ مدینہ طرز کی حکومت قائم کرنے کے خواہاں ہیں، یقیناً یہ بہت اچھا اور لائقِ صد ستائش امر ہے، لیکن افسوس کہ بسا اوقات ہمارے قول و فعل میں بہت تضاد پایا جاتا ہے، ایک طرف ہم ریاستِ مدینہ جیسا نظام لانے کی بات کرتے ہیں، تو دوسری طرف غیر مسلموں کے نام پر شراب نوشی اور دیگر منشیات کے پرمٹ (اجازت نامے) جاری کر رہے ہیں۔

ایک طرف اسلامی ثقافت کو فروغ دینے کے لیے مُعاہدے کیے جا رہے ہیں، تو دوسری طرف ہولی، دیوالی کو سرکاری سطح پر منانے کا اعلان کرکے، بُت پرستی کی رسموں کو رَواج دیا جا رہا ہے۔

ایک طرف مصطفٰی جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی ناموس پر پہرہ دینے والوں کو، قید وبند کی صعوبتیں جھیلنے پر مجبور کیا جا رہا ہے، انہیں پھانسی کے پھندوں پر لٹکایا جا رہا ہے، علماءِ دین کے ساتھ توہین آمیز سُلوک روا رکھا جا رہا ہے، عاشقانِ مصطفٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر گولیاں برسا کر انہیں شہید کیا جا رہا ہے، تو دوسری طرف دو جہاں کے سردار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی شان میں گستاخی کرنے والوں کو رات کے اندھیرے میں فرار کروا کر، یہود و نصاریٰ کی خوشیوں کا سامان کیا جا رہا ہے۔

---

(١) "فتوح البلدان" صـ٢٤٩- ٤١٦ ملتقطاً. و"تاريخ الخلفاء" الخليفة الثاني: عمر بن الخطّاب رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، صـ١١٠ ملخّصاً.

ایک طرف کرپشن کے خلاف ایکشن (Action) کی باتیں ہورہی ہیں، تو دوسری طرف کرپٹ عناصر کو سینے سے لگاکر، انہیں مسلسل اپنی ٹیم کا حصہ بنایا جارہا ہے، کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے؟! کیا ایسی صورتحال میں ریاستِ مدینہ میں رائج قوانین کا پاکستان میں نفاذ ممکن ہے؟! ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!۔

لہٰذا اگر ہم واقعی مخلص ہیں، تو ہمیں اپنی سوچ کے زاویوں کو پرکھنا ہوگا، بدلنا ہوگا، نیز نام نہاد اِشرافیہ سمیت تمام اہلِ وطن کو، رسولِ اکرم ﷺ کے اَخلاقی کردار کو اپنا رول ماڈل بناکر، حضور ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنا ہوگا؛ تاکہ ہمارے اندر رحمت، شفقت، برداشت، احسان، اِیثار، عدل، انصاف اور مُساوات جیسی خوبیاں پیدا ہوسکیں؛ کیونکہ انہی خوبیوں کی برکت سے ریاستِ مدینہ امن، محبت اور برداشت کا گہوارہ بنتی ہے، نیز ریاستِ مدینہ کے ہر شہری کو، بلاتفریق انصاف کی فراہمی بھی ممکن ہوتی ہے!!۔

علاوہ ازیں ہمارے حکمرانوں کو صاف ستھرے کردار کی حامل، ایک معیاری ٹیم بھی تشکیل دینا ہوگی، جو اپنی شبانہ روز محنت، خلوص، پُرعزم تعاوُن اور علمائے دین کی مُشاورت سے، وطنِ عزیز پاکستان کو ریاستِ مدینہ کے طرز پر، ایک ماڈل ریاست بنانے کے لیے، ضروری عملی اِقدامات نہایت تندہی اور چستی سے انجام دے!۔

دعا

اے اللہ! ہمیں ایسے پابندِ شریعت حکمران عطا فرما، جو اس ملک میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ رائج کریں، جو اپنے طرزِ حکمرانی میں تیرے حبیب ﷺ اور ان کے خلفائے راشدین کی اِتّباع کریں، آمین یا ربّ العالمین!۔

خاندانی زندگی(فیملی لائف)کیسے بہتر بنائی جائے؟

(جمعۃ المبارک ١٤جُمادی الأُولیٰ ١٤٤١ھ - ١٠/٠١/٢٠٢٠ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبِهِ أجمعين.

دینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات

برادرانِ اسلام! دینِ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں اسلام نے زندگی کے دیگر تمام اُمور کی طرف توجّہ دلائی ہے، وہیں ہماری عائلی زندگی (Family Life) کے لیے بھی بھرپور رَہنمائی فرمائی ہے، اور اتنی صراحت کے ساتھ ہر ہر رُکن کے حقوق اور ذمّہ داریاں بیان کی ہیں، کہ اگر ہم ان پر صحیح معنی میں عمل پیرا ہو جائیں، تو ایک پُرسکون اور خوشگوار خاندان تشکیل پاسکتا ہے، چونکہ مختلف خاندانوں سے مل کر ہی ایک مُعاشرہ تشکیل پاتا ہے، لہذا یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ ایک پُراَمن، پُرسکون اور خوشحال مُعاشرے کی تشکیل، اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک ہم باہمی رشتوں کا لحاظ نہ رکھیں، اُن کے حقوق کی پاسداری نہ کریں، اور اپنی عائلی (یعنی خاندانی) زندگی کو قرآن وسنّت کے مطابق نہ ڈھال لیں۔

اللہ جَلَّ جَلالُہٗ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾(١) "اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان (حضرت سیّدنا آدم) سے پیدا کیا، اور اسی میں سے اس کا جوڑا (حضرت حوّا کو) بنایا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت پھیلائے، اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو، اور رشتوں کا لحاظ رکھو، یقیناً اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے!"۔

فیملی لائف کی اہمیت

عزیزانِ محترم! عائلی زندگی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، کہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآنِ پاک میں اسے اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی، اور زَوجَین میں باہمی پیار، محبت اور رحمت کا ذریعہ قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾(٢) "اس کی نشانیوں میں سے ہے، کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے؛ تاکہ اُن سے آرام پاؤ، اور تمہارے آپس میں محبت اور رحمت رکھی، یقیناً اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کے لیے!"۔

---

(١) پ٤، النّسَاء: ١.

(٢) پ٢١، الرُوم: ٢١.

نبیٔ کریم ﷺ کی خاندانی زندگی پر ایک طائرانہ نظر

عزیزانِ محترم! اگر ہم ایک کامیاب اور خوشحال فیملی لائف گزارنا چاہتے ہیں، تو اس کے لیے ہمیں تاجدارِ رسالت ﷺ کی مبارک عائلی زندگی کے شب وروز کا مطالعہ کرنا ہوگا؛ کیونکہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی مبارک زندگی کے ہمہ جہت پہلوؤں میں سے، ایک انتہائی اہم پہلو حضور کی گھریلو زندگی بھی ہے، جو ہم سب کے لیے بہترین اُسوہ (نمونہ) اور رول ماڈل (Role model) کا درجہ رکھتی ہے۔ سرورِ عالَم ﷺ نے مرد کی خیر وبھلائی کا معیار یہ قرار دیا ہے، کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے اَقوال واَفعال کے ذریعے ہمارے لیے خوشگوار خانگی زندگی کی وہ شاہراہ متعیّن فرمادی، جس کا مسافر کبھی ناکام ونامراد نہیں ہوسکتا!۔

یُوں تو سرورِ کونین ﷺ کی حیاتِ طیّبہ میں ہر ادا ہی نرالی ہے، لیکن بالخصوص آپ کی عائلی زندگی پر نظر دَوڑائی جائے، تو سرورِ کونین ﷺ کا اپنے گھر میں داخل ہونا، اَزواجِ مطہَّرات کو پیار سے مخاطب کرنا، ان سے میٹھی اور نرم گفتگو فرمانا، ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناوُل فرمانا، ان کے ساتھ آرام کے کچھ لمحات گزارنا، ان سے مِزاح فرمانا، ان کی دِلجُوئی کرنا، گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹانا، تعاوُن کرنا وغیرہا ایسے اُمور ہیں، جن پر عمل پیرا ہوکر ہم اپنی فیملی لائف کو یقیناً بہتر بناسکتے ہیں، اور اپنی اَزواج کے خاطر خواہ حقوق بھی ادا کرسکتے ہیں۔

عدل ومُساوات کا برتاؤ

حضراتِ گرامی قدر! عائلی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے ایک اہم بات یہ بھی ہے، کہ اپنی اَزواج کے ساتھ عدل ومُساوات کا برتاؤ رکھا جائے، اُن کے شرعی حقوق اور ضروریات کا خیال رکھا جائے، صد افسوس! آج ہم ایک بیوی کے حقوق پورا کرنے میں بھی کوتاہی برتتے ہیں، اس میں قاصر نظر آتے ہیں، لیکن تاجدارِ رسالت ﷺ متعدّد اَزواج میں سب کے ساتھ یکساں سُلوک فرمایا کرتے، کبھی کسی کی حق تلفی نہ فرماتے، نبوّت جیسے جلیل القدر منصب پر فائز، اور دوجہاں کے سردار ہونے کے باوُجود، سرورِ کونین ﷺ اپنی اَزواجِ مطہّرات کے درمیان عدل ومُساوات کا خوب خیال رکھا کرتے۔

امّ المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، رسول اللہ ﷺ انصاف کے ساتھ اپنی اَزواجِ مطہّرات کے مابین باریاں تقسیم فرماتے اور کہتے: «اللّٰهُمَّ! هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ، فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ!»[1] "اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جس کا مجھے اختیار ہے، اور مجھے اُس پر ملامت نہ فرمانا جو تیرے اختیار میں ہے، اور میں اس (دل) پر اختیار نہیں رکھتا!"۔

نبئ کریم ﷺ کا اَزواجِ مطہّرات سے حُسنِ سُلوک

عزیزانِ مَن! میاں بیوی کے درمیان تعلقات کی خوشگواری، اور خوش اَخلاقی کا برتاؤ، اسلامی تعلیمات کا اہم ترین حصہ ہے، جو باہمی پیار، محبت، اُلفت اور کامیاب گھریلو زندگی کا ایک بڑا سبب ہے، ہمارے آقا و مولا جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرتِ طیّبہ ہمارے سامنے ہے، کہ حضور نے کس طرح اپنی اَزواجِ مطہّرات سے کمال

---

(١) "سنن أبي داود" باب في القسم بين النِّساء، ر: ٢١٣٤، صـ٣٠٨.

درجہ شفقت ومہربانی، اُن سے حسنِ سُلوک اور انتہائی محبت فرما کر، خاندانی زندگی کی ایک بے مثال تاریخ رقم فرمائی! حدیثِ پاک میں ہے: «يَجْلِسُ عِنْدَ بَعِيرِهِ فَيَضَعُ رُكْبَتَهُ، وَتَضعُ صَفِيَّةُ رِجْلَهَا عَلَىٰ رُكْبَتِهِ حَتَّى تَرْكَبَ»(١) "نبئ کریم ﷺ اپنے اونٹ کے پاس تشریف فرما ہو کر اپنا گُھٹنا مبارک رکھتے، اور حضرت سیّدہ صفیّہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نبئ رحمت ﷺ کے گھٹنے مبارک پر اپنا پاؤں رکھ کر اُونٹ پر سوار ہوتیں"۔

مصطفی جانِ رحمت ﷺ اپنی اَزواجِ مطہّرات کے ساتھ حُسنِ سُلوک کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: «خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لأَهْلِي!»(٢) "تم میں سے بہتر وہ ہے، جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہے، اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب سے بہتر ہوں"۔

حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی قُدِّسَ سِرُّہٗ اِس حدیث پاک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "بڑا خلیق (خوش اَخلاق) وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ خلیق ہو؛ کہ ان سے ہر وقت کام رہتا ہے، اجنبی لوگوں سے خلیق ہونا کمال نہیں؛ کہ ان سے ملاقات کبھی کبھی ہوتی ہے"(٣)۔

میرے بھائیو! ہر مسلمان پر شرعاً لازم ہے، کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ نرمی وآسانی کے ساتھ پیش آئے، کہ سرورِ کونین ﷺ نے اس بات کی خصوصی تلقین فرمائی ہے، حدیثِ پاک میں فرمایا: «اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ؛ فَإِنَّ الْمَرْأَةَ

(١) "صحيح البخاري" كتاب المَغازي، باب غَزْوَةُ خَيْبَرَ، ر: ٤٢١١، صـ٧١٥.

(٢) "سنن الترمذي" بابُ فضل أزواج النّبي ﷺ، ر: ٣٨٩٥، صـ٨٧٨.

(٣) "مرآۃ المناجیح" بیویوں سے رَفاقت کا بیان اور ہر ایک کے حقوق کیا ہیں؟ ٥/١٠٨۔

خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُه كَسَرْتَه، وَإِنْ تَرَكْتَه لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ!»[1] "خواتین کے ساتھ اچھا سُلوک کرو؛ کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور پسلی کا اوپری حصّہ زیادہ ٹیڑھا ہوتا ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنے جاؤ گے تو توڑ ڈالو گے، اور اگر چھوڑے رہو گے تو ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی، تو عورتوں کے ساتھ اچھا سُلوک کرتے رہنا!"۔

لہٰذا ہم میں سے ہر ایک شادی شدہ مسلمان مرد کو چاہیے، کہ اپنی شریکِ حیات کے ساتھ خندہ پیشانی اور نرمی وآسانی کا مُعاملہ رکھے، بے جا سختی سے گریز کرے، اور اس کے ساتھ تُرش رَوِی سے پیش نہ آئے۔

نکاح کے لیے بہترین خاتون کا انتخاب

حضراتِ ذی وقار! کامیاب عائلی زندگی کے لیے، اہم ترین بات یہ ہے کہ نکاح سے قبل ایسی عورت کا انتخاب کیا جائے، جو انتہائی نیک، پرہیزگار اور متقی ہو؛ کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر اچھی چیز کوئی نہیں۔ حضرت سیّدُنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، تاجدارِ رسالت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «الدُّنْيَا مَتَاعٌ، وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ»[2] "دنیا مال ومتاع کا نام ہے، اور اس میں بہترین چیز نیک عورت ہے"۔

اسی طرح حضرت سیّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، سرورِ کونین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: (١) لِمَالِهَا، (٢) ولِحَسَبِهَا، (٣) ولِجَمالِهَا، (٤) ولِدِينِهَا، فاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ، تَرِبَتْ يَدَاكَ!»[3]

---

(١) "صحيح البخاري" باب خلق آدم وذرّيّته، ر: ٣٣٣١، صـ٥٥٣.
(٢) "صحيح مسلم" كتاب الرضاع، ر: ٣٦٤٩، صـ٦٢٧.
(٣) المرجع نفسه، باب: استحباب نكاح ذات الدِّين، ر: ٣٦٣٥، صـ٦٢٤.

"عورت سے نکاح چار۴ باتوں کے باعث کیا جاتا ہے (یعنی نکاح میں ان باتوں کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے): (۱) اس کا مال، (۲) خاندان، (۳) خوبصورتی، (۴) اور اس کا دِین، لہٰذا تم دیندار عورت کو اختیار کرو، ورنہ بھلائی سے محروم رہو گے!" یعنی اگر تم ہمارے اس فرمان پر عمل نہ کرو گے، تو پریشان رہو گے۔

ایک اَور روایت میں ہے، کہ مصطفٰی جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: «خَيْرُ نِسَائِكُمْ: الْوَدُوْدُ الْوَلُودُ الْمُوَاتِيَةُ الْمُوَاسِيَةُ إِذَا اتَّقَيْنَ اللهَ»[1] "عورتوں میں بہتر وہ ہے جو پیار کرنے والی، بکثرت بچے جننے والی، (شَوہر کی) ہمنوا، اللہ سے ڈرتے ہوئے (شوہر کے ساتھ) بھلائی کرنے والی ہو"، یعنی جو اپنے شوہر کی مُوافقت اور اس سے بھلائی کرے۔

اَحکامِ شریعت کی پابندی

عزیزانِ محترم! ایک کامیاب فیملی لائف کے لیے یہ بھی انتہائی ضروری ہے، کہ زَوجین باہم حُسنِ اَخلاق اور نرمی کا مُعاملہ رکھیں، نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کریں، اللہ ورسول کی نافرمانی والے کاموں سے ایک دوسرے کو بچاتے رہیں، اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ﴾[2] "اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں"۔

ایک اَور مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾[3]

---

(۱) "السُننُ الكبرى" للبَيهقي، كتابُ النكاح، ٧/ ٨٢.
(٢) پ٢٨، التحريم: ٦.
(٣) پ١٦، طه: ١٣٢.

"اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہو!"۔

شوہر کے حقوق کی پاسداری

عزیزانِ مَن! جہاں شریعتِ مطہَّرہ نے مرد کو عورت کے ساتھ عدل ومُساوات، اور اُس کے ساتھ پیار، محبت، نرمی، شفقت اور حُسنِ سُلوک کے ساتھ پیش آنے کا پابند کیا ہے، وہیں عورت کو بھی حکم دیا گیا ہے، کہ وہ اپنے شوہر کے حقوق کی مکمل پاسداری کرے، اس کی اِطاعت وفرمانبرداری کرے، اور تمام تر اِزدِواجی حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ اس کا شکریہ بھی بجالائے!۔

حضرت سیّدُنا عبد الله بن عَمرو بن عاص رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُمَا سے روایت ہے، رسول الله صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: «لَا يَنْظُرُ اللهُ إِلىٰ امْرَأَةٍ لَا تَشْكُرُ لِزَوْجِهَا، وَهِيَ لَا تَسْتَغْنِي عَنْهُ»[1] "اللہ تعالیٰ اس عورت کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرماتا، جو اپنے شوہر کی ناشکری ہے، حالانکہ وہ اپنے شوہر سے بے پرواہ نہیں ہو سکتی"۔

شوہر کا مقام ومرتبہ کس قدر بلند، اور اس کے حقوق کس قدر زیادہ ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے، کہ نبئ کریم صَلَّى اللهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «لَوْ كُنْتُ آمِراً أَحَداً أَنْ يَسْجُدَ لأَحَدٍ، لأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا»[2] "اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ اللہ کے سِوا کسی کو سجدہ کرے، تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدۂ تعظیم کرے!"۔

حضراتِ گرامی قدر! شوہر کے حقوق میں سے یہ بھی ہے، کہ اُس کی بیوی

(١) "السُننُ الكبرى" للبَيهقي، كتابُ القسم والنشوز، ٧/ ٢٩٤.

(٢) "سنن الترمذي" أبواب الرضاع، ر: ١١٥٩، صـ٢٨١.

اپنے شوہر کی دِلجُوئی کے لیے زیب وزینت اختیار کرے، جب وہ گھر میں داخل ہو تو خوش دلی سے اُس کا استقبال کرے، اُس کی عدم موجودگی میں اُس کے گھر اور بال بچوں کا خیال رکھے، کسی ایسے شخص کو گھر میں داخل نہ ہونے دے، جس کا آنا شوہر کو ناپسند ہو، اُس کے مال واَسباب کو ضائع نہ کرے، اور حسبِ ضرورت نہایت سلیقے اور کفایت شِعاری سے خرچ کرے۔

میرے عزیز دوستو! اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ان حقوق کی پاسداری کرتی ہے، تو اسے حدیثِ پاک میں بہترین عورت کا درجہ دیا گیا ہے، حضرت سیّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عرض کی گئی کہ عورتوں میں بہتر کون ہے؟ مصطفیٰ جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «الَّتِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ، وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ، وَلَا تُخَالِفُهُ فِيمَا يَكْرَهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ»[1] "جسے دیکھ کر شوہر خوش ہو جائے، اور جب وہ کوئی حکم دے تو اِطاعت کرے، اور اپنے (بناؤ سنگھار کے) بارے میں شَوہر کی مخالفت نہ کرے، اور خاوند کا مال سلیقے سے خرچ کرے"۔

کامیاب خاندانی زندگی کے لیے چند سنہری اُصول

میرے بزرگو ودوستو! اگر آپ ایک کامیاب عائلی زندگی چاہتے ہیں، تو بیویوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کے ساتھ ساتھ، حتَّی المقدور اُن کے حقوق کو پورا کرنے کی کوشش کریں؛ کیونکہ جس طرح عورت پر لازم ہے کہ وہ شوہر کی خدمت گزاری کا حق ادا کرے، اسی طرح شوہر پر بھی لازم ہے کہ وہ بیوی کے حقوق کی ادائیگی کرے، یعنی ہر ایک اپنے اپنے حقوق ادا کرے۔ اللہ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی قرآنِ پاک میں ارشاد

(١) "مسند الإمام أحمد" مسند أبي هريرة رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، ر: ٩٦٦٤، ٣/ ٤٣٩.

فرماتا ہے: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾[1] "عورتوں کا بھی حق ایسا ہی ہے جیسا اُن پر ہے، شریعت کے مُوافق "(یعنی اچھائی کے ساتھ)۔

اسی طرح نبئ کریم ﷺ نے خواتین کے حقوق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: «اتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ؛ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ الله، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ الله ...، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ»[2] "خواتین کے بارے میں اللہ سے ڈرو؛ کہ تم نے انہیں اللہ کی امان میں لیا، اُن کی شرمگاہوں کو اللہ کے حکم سے اپنے لیے حلال کیا...، تم پر ان کا کھانا، پینا اور لباس مہیا کرنا لازم ہے"۔ لہٰذا گھریلو مُعاملات میں شوہر کو چاہیے، کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کو مثال (Role Model) بنائے۔

حضرت اَسوَد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا، نبئ اکرم ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا: «كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ -تَعْنِي فِي خِدْمَةِ أَهْلِهِ- فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ»[3] "اپنے اہلِ خانہ کے کام میں رہتے، اور جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے"۔

برادرانِ ملّتِ اسلامیہ! اپنی شریکِ حیات کے لیے زیبائش اختیار کیجیے، خوشبو کا استعمال کیجیے؛ کیونکہ جس طرح عورت شوہر سے محبت کا حق ادا کرتی ہے، اسی

---

(١) پ٢، البقرة: ٢٢٨.

(٢) "صحيح مسلم" كتاب الحجّ، باب حَجَّةِ النَّبِيِّ ﷺ، ر: ٥٩٧١، صـ١٠٤٥.

(٣) "صَحيحُ البخاري" كتابُ الأذان، ر: ٦٧٦، صـ١١٠.

طرح شوہر کو بھی چاہیے کہ وہ محبت کا حق ادا کرتے ہوئے، اپنی بیوی کے لیے مزیّن وآراستہ ہو۔ جلیل القدر صحابی حضرت سیّدُنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں: «إنّي لَأَتَزَيَّنُ لِامْرَأَتِي كما تَتَزَيَّنُ لي؛ لقوله تعالى: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾»[1] "میں اپنی اہلیہ کے لیے اسی طرح بنتا سَنورتا ہوں جیسے وہ میرے لیے بنتی سنورتی ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالی کا فرمانِ عالیشان ہے: "شریعت کے مطابق خواتین کا حق بھی ایسا ہی ہے، جیسا اُن پر مَردوں کا حق ہے"۔

مزید یہ کہ اپنی شریکِ حیات کو ایسے ناموں سے پکاریں، جو اسے بے حد پسند ہوں، اور ایسے نام یا اَلقاب سے ہرگز نہ پکاریں، جس سے اس کے جذبات کو ٹھیس پہنچے۔ مصطفی جانِ عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو انتہائی شفقت ومحبت سے خطاب کرتے ہوئے یُوں فرماتے تھے: «يا عَائِشُ!»[2] اور کبھی فرماتے: «يَا بِنْتَ الصِّدِّيقِ!»[3] "اے صدیق کی بیٹی!"، مصطفیٰ جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ مبارک اندازِ تخاطب، حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور ان کے گھر والوں کی عزّت وتکریم، اور ان سے انتہائی محبت وقُربت کے اظہار کے لیے تھا۔

میرے عزیز دوستو! اپنے گھر والوں کی خوبیوں کی قدر کریں، اُن کے ساتھ حسنِ اَخلاق سے پیش آئیں، ان کے ساتھ گالی گلوچ ہرگز نہ کریں، اُن سے ہونے والی غلطیوں کوتاہیوں کو نظر انداز کیا کریں۔ حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا

---

(۱) "تفسير القُرطبي" البقرة، تحت الآية: ۲۲۸، الجزء الثالث، صـ۱۱۸.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الأدب، ر: ۶۲۰۱، صـ۱۰۷۹.

(۳) "سنن الترمذي" [باب] وَمِنْ سُورَةِ الْمُؤْمِنِينَ، ر: ۳۱۷۵، صـ۷۱۹.

سے، رسول اللہ ﷺ کے اَخلاق کے بارے میں پوچھا گیا، تو ارشاد فرمایا: «لَمْ يَكُنْ فَاحِشاً، وَلَا مُتَفَحِّشاً، وَلَا صَخَّاباً فِي الأَسْوَاقِ، وَلَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلٰكِنْ يَعْفُو وَيَصْفَحُ»[1] "رسول اللہ ﷺ نہ توطبعاً فحش گو تھے، نہ جان بوجھ کر بے حیائی کی بات کرتے، نہ بازاروں میں شور شرابا کرتے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے، بلکہ مُعاف کرتے اور درگزر سے کام لیتے"۔

جانِ برادر! وقتاً فوقتاً اپنی اَزواج سے تحفہ و تحائف کا تبادلہ بھی کرتے رہیں، اور ان کی پسند کا لحاظ رکھتے ہوئے حسبِ توفیق مختلف پھل، کھانے پینے کی اشیاء اور زیورات وغیرہ لاکر بھی ان کی خیر خواہی کرتے رہیں، کہ اپنے اہل وعِیال پر مال خرچ کرنا، ایک بہترین صدقہ اور سب سے زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: «دِينَارٌ أَنْفَقْتَه فِي سَبِيلِ الله، وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَه فِي رَقَبَةٍ، وَدِينَارٌ تَصَدَّقْتَ بِه عَلٰى مِسْكِينٍ، وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَه عَلٰى أَهْلِكَ، أَعْظَمُهَا أَجْراً الَّذِي أَنْفَقْتَه عَلٰى أَهْلِكَ»[2] "اللہ کی راہ میں، یا غلام آزاد کرانے میں، یا کسی مسکین پر خرچ کرنے، یا اپنے اہل وعِیال پر خرچ کرنے والے مال ومتاع میں، سب سے زیادہ اجر وثواب اُس کا ہے، جو تم اپنے اہل وعِیال پر خرچ کرتے ہو"۔

میرے عزیز دوستو، بزرگو اور بھائیو! گھر کے وہ تمام کام کاج جو آپ کی زَوجہ آپ کے لیے کرتی ہے، ان میں بعض تو وہ ہیں جو اُس پر شرعاً لازم ہی نہیں، لیکن اس کے باوُجود وہ آپ سے پیار ومحبت کے باعث روزانہ بلاناغہ انہیں انجام دیتی ہے، ان کاموں پر

---

(۱) "سنن الترمذي" باب ما جاء في خلق النبي ﷺ، ر: ۲۰۱٦، صـ٤٦٥.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الزكاة، ر: ۲۳۱۱، صـ٤٠٣.

اس کا شکریہ ادا کریں، اور اُس کے احسان مند بھی رہیں۔ اُسے ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کریں، اُس کے آرام کا خیال رکھیں، اور ایسے اُمور سے بچیں جن سے اُسے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو، اُس سے ہلکا پھلکا مذاق اور کبھی کبھار خوش طبعی بھی کیا کریں۔

کئی احادیثِ مبارکہ اس بات پر شاہدِ عدل ہیں، کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے اپنی اَزواجِ مطہَّرات سے خوش طبعی کرنے کی عملاً تعلیم ارشاد فرمائی، حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، کہ وہ ایک سفر میں نبئ کریم ﷺ کے ساتھ تھیں، فرمایا کہ میں نے نبئ رحمت ﷺ کے ساتھ دَوڑ لگائی تو میں سبقت لے گئی، کچھ عرصہ بعد جب میرا وزن بڑھ گیا اور ہم دونوں نے دَوڑ لگائی، تو نبئ اکرم ﷺ مجھ پر سبقت لے گئے اور فرمایا: «هٰذِهِ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ»[1] "یہ اُس پہلے والی سبقت کا بدلہ ہوگیا!"۔

میرے دوستو، بزرگو اور بھائیو! ہر مسلمان کو چاہیے، کہ اپنے گھر والوں کے لیے بہتر سے بہتر بننے کی کوشش کرے، اور اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ میں اپنے اہل وعِیال کے لیے دعا گو بھی رہے۔

دعا

اے اللہ! ہماری خاندانی زندگی کو کامیاب بنا، ہمیں اپنے اہل وعِیال کے حقوق ادا کرنے کی توفیق وسعادت عطا فرما، ہمارے مابین محبت واُلفت کو راسخ فرما، ہمارے گھروں کو محبت ورَحمت کا گہوارہ بنا، خوشحالی عطا فرما، تنگدستی سے بچا، نظرِ بد سے محفوظ رکھ، ہمیں اپنی عبادت ونیک اعمال، اور اپنے اَحکام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما، ہماری دعائیں اپنی بارگاہِ بے کس پناہ میں قبول فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

---

(١) "سُننُ أبي داود" بابُ في السبق على الرجل، ر: ٢٥٧٨، صـ٣٧٣.

حقوق العباد

(جمعۃ المبارک ۲۱ جمادی الأُولی ۱۴۴۱ھ - ۱۷/۰۱/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلِهِ وصحبِهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلِهِ وصَحبِهِ أجمعين.

برادرانِ اسلام! حقوق العباد کا لفظی معنی ہے بندوں کے حقوق۔ ان میں والدَین، اولاد، زَوجہ، رشتہ دار، یتیم، مسکین، مسافر، حاجت مند، ہمسایہ، سائل، قَیدی وغیرہ کے حقوق، اور اجتماعی ومُعاشرتی حقوق کا وسیع تصوّر ہے۔ حقوق العباد ادا کرنا اہلِ ایمان جنّتیوں کی صفت ہے۔ بروزِ قیامت نہ صرف اللہ تعالی کے حقوق: نماز، روزہ، زکات، حج وغیرہ کا حساب ہوگا، بلکہ بندوں کے حقوق کا بھی حساب لیا جائے گا، لیکن آج ہمارا اَلمیہ یہ ہے، کہ حقوق العباد کی شریعت میں جتنی اہمیت ہے، ہم اتنا ہی اس میں غفلت اور سستی برتتے ہیں۔ اچھے خاصے دیندار اور صوم وصلاۃ کے پابند حضرات بھی، حقوق العباد میں کوتاہی برتتے نظر آتے ہیں، لہٰذا ان حقوق کی معرفت اور ادائیگی پر بات کرنا بہت ضروری ہے۔ بندوں کے حقوق کی ادائیگی سے انسان کی محرومیاں دُور، اور باہمی محبت واتحاد کی فضا پیدا ہوتی ہے، اسی طرح بغض وعداوت کا بھی خاتمہ ہوتا ہے۔

والدَین کے حُقوق

عزیزانِ محترم! حقوق العباد میں سب سے مقدَّم، اور سب سے زیادہ حق انسان پر اس کے والدَین کا ہے، اُن سے بھلائی، حُسنِ سُلوک، ان کی شُکرگزاری اور ان کی خدمت کے بارے میں دِینِ اسلام میں بڑی تاکید فرمائی ہے۔ قرآنِ حکیم نے کئی مقامات پر مختلف حیثیتوں سے، بڑے حکیمانہ انداز میں والدَین کے ساتھ نیکی اور حُسنِ سُلوک کی تعلیم فرمائی، بیشتر مقامات پر درسِ توحید واِطاعتِ خداوندی کے ساتھ ہی، والدَین سے حسنِ سُلوک کی تاکید بھی فرمائی ہے، فرمانِ باری تعالی ہے: ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾[1] "اللہ تعالی کی عبادت کرو اور کسی کو اُس کا شریک مت ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ!"۔

ایک اَور مقام پر والدین کے ساتھ حسنِ سُلوک سے پیش آنے کا حکم فرماتے ہوئے، ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾[2] "اے حبیب آپ اِن سے فرمادیجیے! کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں جو تم پر تمہارے رب تعالی نے حرام کیا، وہ یہ کہ کسی کو اللہ کا شریک مَت ٹھہراؤ! اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو"۔

حضراتِ ذی وقار! اللہ تعالی نے والدَین کے ساتھ بھلائی کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا﴾[3] "ہم نے آدمی کو اُس

---

(١) پ٥، النساء: ٣٦.

(٢) پ٨، الأنعام: ١٥١ .

(٣) پ٢٦، الأحقاف: ١٥ .

کے اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کے بارے میں تاکید کی ہے"۔ اس آیتِ مبارکہ میں اَولاد کو بڑے اہتمام کے ساتھ والدَین کی خدمت واِطاعت، ادب واحترام ومحبت اور ان کی شکر گزاری کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں انسانی رشتوں میں والدَین کا مقام ومرتبہ سب سے بلند وبالا ہے۔

مفسّرینِ کِرام فرماتے ہیں کہ "والدَین کے ساتھ بھلائی میں ہر طرح کی جانی ومالی خدمات داخل ہیں، ماں باپ اگرچہ کافر ہوں، تب بھی ان کی خدمت اَولاد پر لازم ہے؛ کیونکہ ربِ کریم نے مطلقاً والدَین فرمایا"[1]۔ یعنی مسلمان ہوں تو نیکی کرنا، اگر کافر ہوں تو مت کرنا، اِس طرح کا کوئی فرق نہیں بیان کیا۔ نیز والدَین سے اِحسان یہ ہے کہ ان کے ساتھ بھلائی کی جائے، اِن کی عزّت وتعظیم کی جائے، اِن کے جائز حکم پر خوشی سے عمل کیا جائے، ان کی خدمت کے لیے ہر دَم کوشاں رہا جائے، انہیں خوشی فراہم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے، انہیں ان کی زندگی اور مَوت کے بعد بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھا جائے، اور ان کی طرف سے صدَقات، خیرات اور انہیں اِیصالِ ثواب بھی کیا جائے۔

حقوقِ زَوجَین

محترم بھائیو! زَوجَین کے حقوق میں سے یہ بھی ہے، کہ وہ اپنے مابین راز کسی پر ظاہر نہ کریں، حضرت سیّدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ الله مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ: الرَّجُلَ يُفْضِي إِلىٰ امْرَأَتِهِ وَتُفْضِيْ إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا»[2] "اللہ تعالی کے نزدیک

(۱) "تفسیر نور العرفان" پ۲۶، الاَحقاف، زیرِ آیت: ۱۵، صـ۸۰۳۔

(۱) "صحيح مسلم" كتاب النكاح، ر: ٣٥٤٢، صـ٦٠٩.

قیامت کے دن بدترین شخص وہ ہوگا: جو اپنی عورت کے قریب جائے اور عورت اُس کے قریب آئے، پھر وہ اس کا راز اِفشاء کردے"۔

اولاد کے حقوق

عزیز دوستو! بچے یا بچی کی ولادت کے بعد کسی نیک اور متقی مسلمان سے، اس کے دائیں کان میں اذان، اور بائیں کان میں اِقامت کہلوانا، اور اسے گھٹی دِلوانا، اس کی صحت کا خیال رکھنا، اسے ہر قسم کی ممکنہ بیماریوں سے بچانے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا، بچوں کو ان کی پیدائش ہی سے اسلامی تعلیمات سے رُوشناس کرانا، اور انہیں اسلامی آداب سکھانا، والدین کا انتہائی اہم فریضہ ہے۔ بچے کی پیدائش کے فوراً بعد کی ذمّہ داری کا ذکر کرتے ہوئے، سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: «مَنْ وُلِدَ لَهُ فَأَذَّنَ فِي أُذُنِهِ اليُمْنَى، وَأَقَامَ فِي أُذُنِهِ اليُسْرَى، لَمْ تَضُرَّهُ أُمُّ الصِّبْيَانِ»[1] "جس کے ہاں بچی یا بچے کی ولادت ہو، وہ اُس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اِقامت کہے، اس کی برکت سے اُسے اُمّ الصبیان کا مرض نہیں ہوگا"۔ اس طرح ایک بچے یا بچی کو پیدائش کے وقت سے ہی دینِ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے رُوشناس کرا دیا جاتا ہے، اس کی برکت سے ایک وہ بیماری جس سے بچے بے ہوش ہو جاتے ہیں، اس سے بھی حفاظت ہو جاتی ہے۔

بچوں کے اچھے نام رکھنا

عزیز دوستو! بچے کا ایک حق یہ بھی ہے، کہ اُس کا پیارا سا بامعنیٰ نام رکھا جائے، اسلام سے قبل لوگ اپنے بچوں کے نام عجیب وغریب رکھا کرتے تھے، حضور نبئ اکرم

---

(۱) "مسند أبي يعلى" مسند الحسين بن علي ...إلخ، ر: ٦٧٧٤، ٥/ ١٧٤.

ﷺ نے ایسے ناموں کو ناپسند فرمایا، اور اچھے نام رکھنے کا حکم دیا، حضرت سیّدنا ابو دَرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ آقائے دوجہاں ﷺ نے فرمایا: «إِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِكُمْ، وَأَسْمَاءِ آبَائِكُمْ، فَأَحْسِنُوا أَسْمَاءَكُمْ»[1] "بروزِ قیامت تم اپنے اور اپنے والد کے ناموں سے پکارے جاؤ گے، تو اپنے نام اچھے رکھا کرو!"۔

اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کے نام ہمیشہ اچھے، محترم اور بامعنی رکھنے چاہییں، اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اولیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم اور بزرگانِ دین کے ناموں پر نام رکھے جائیں؛ کہ نام بھی اچھے ہو جائیں، اور بچوں کو بزرگوں کی برکت بھی حاصل ہو جائے، مثلاً عبد اللہ، عبد الرحمن، عبد القادر، محمد، احمد اور حامد وغیرہ نام رکھیں جائیں۔

پڑوسیوں کے حقوق

جانِ برادر! اسلام میں فضل واچھائی اس شخص کی بیان کی گئی ہے، جو اپنے ہمسائے کے حقوق کی حفاظت کرے، اور اس کے ساتھ بھلائی کا مُعاملہ کرے، مصطفی جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «خَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ»[2] "اللہ تعالی کے نزدیک اچھا پڑوسی وہ ہے، جو اپنے ہمسائے کے لیے اچھا ہو"۔ اور سرورِ عالم ﷺ نے حضرت سیّدنا ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے اس فرمان کے ذریعے وصیت فرمائی: «يَا أَبَا ذَرٍّ! إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً، فَأَكْثِرْ مَاءَهَا، وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ»[3] "اے ابوذر!

---

(١) "سنن أبي داود" كتاب الأدب، ر: ٤٩٤٨، صـ٦٩٧.

(٢) "سنن الترمذي" باب مَا جَاءَ فِي حَقِّ الْجِوَارِ، ر: ١٩٤٤، صـ٤٥٢.

(٣) "صحيح مسلم" كتاب البرّ والصلة والآدب، ر: ٦٦٨٨، صـ١١٤٥.

جب تم سالن پکاؤ، تو اس میں شوربا زیادہ رکھو، اور اپنے پڑوسی کا بھی خیال رکھو!"۔

یہ عظیم الشان کام ہے، کہ آدمی کو اپنے پڑوسی کے اَحوال کی خبر ہو، اور اسے اپنے کھانے میں شریک کر کے اس سے محبت کا اظہار کرے۔ ضروری نہیں کہ وہ پڑوسی اس کھانے کا محتاج ہو، بلکہ اسے یہ پتا چلے کہ میرا پڑوسی اس مُعاملہ میں بھی مجھے نہیں بھولتا، اس سے اسے خوشی اور اپنائیت محسوس ہوگی، اور اس سے باہمی محبت واُلفت کو دَوام حاصل ہوگا، کہ رحمتِ عالمیان ﷺ نے فرمایا: «كُنْ وَرِعاً تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ، وَكُنْ قَنِعاً تَكُنْ أَشْكَرَ النَّاسِ، وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُؤْمِناً، وَأَحسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَكَ تَكُنْ مُسْلِماً»[1] "پرہیزگاری اختیار کرو، تو سب سے بڑے عبادت گزار بن جاؤ گے! قناعت اختیار کرلو تو سب سے زیادہ شاکر بن جاؤ گے! لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو، تو سچے مؤمن بن جاؤ گے! اور اپنے پڑوسی سے حسنِ سُلوک کیا کرو، تو سچے مسلمان بن جاؤ گے!"۔

پڑوسیوں کے ساتھ تعلق ایک ایسا معیار ہے، جس سے آدمی کی بھلائی اس کی برائی سے ممتاز ہوجاتی ہے، ایک شخص نے نبئ کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کی، کہ میں یہ کیسے جانوں کہ میرے کام اچھے ہیں یا بُرے؟ نبئ رحمت ﷺ نے فرمایا: «إِذَا سَمِعْتَ جِيرَانَكَ يَقُولُونَ: قَدْ أَحْسَنْتَ فَقَدْ أَحْسَنْتَ! وَإِذَا سَمِعْتَهُمْ يَقُوْلُوْنَ: قَدْ أَسَأْتَ فَقَدْ أَسَأْتَ!»[2] "جب تم اپنے

---

(١) "سنن ابن ماجه" باب الورعِ وَالتَّقوى، ر: ٤٢١٧، صـ٧٢٠.

(٢) "مسند الإمام أحمد" مسند عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، ر: ٣٨٠٨، ٢/ ٦٣.

پڑوسیوں کو یہ کہتے سنو، کہ تم نے اچھا کیا تو جان لو کہ تم نے اچھا کیا، اور اگر تم انہیں یہ کہتے سنو کہ تم نے بُرا کیا، تو جان لو کہ بلا شبہ تم نے برا کیا"۔

نبئ کریم ﷺ نے شفاعت کے اسباب میں سے ایک سبب پڑوسی کے ساتھ حسنِ سُلوک کو بھی بیان فرمایا؛ کیونکہ اللہ تعالی پڑوسی کی گواہی کو بعض لوگوں کے حق میں قبول فرمائے گا، اور ان کے گناہوں کی بخشش فرما کر ان پر فضل وکرم فرمائے گا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيَشْهَدُ لَهُ أَرْبَعَةُ أَهْلِ أَبْيَاتٍ مِنْ جِيرَانِهِ الأَدْنَيْنَ إِلَّا قَالَ: قَدْ قَبِلْتُ عِلْمَكُمْ فِيْهِ، وَغَفَرْتُ لَهُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ!»[1] "جب کوئی مسلمان اس حال میں مرتا ہے، کہ اس کے چار ۴ قریب کے پڑوسی اس کی اچھائی پر گواہی دیں، تو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میں نے اس کے بارے میں تمہارے علم کو قبول کیا، اور اس کی ان چیزوں کو بھی مُعاف کیا جو تم نہیں جانتے!"۔

دینِ اسلام نے ایمان کے کامل ہونے کو، پڑوسی سے بھلائی کے ساتھ ملا دیا ہے، حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ! وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ! وَاللهِ لَا يُؤْمِنُ!» "اللہ کی قسم وہ کامل مؤمن نہیں! بخدا وہ کامل مسلمان نہیں! اللہ کی قسم وہ کامل مؤمن نہیں!" صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ کون؟ فرمایا: «الْجَارُ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ» "وہ جس کا پڑوسی اس کے فتنہ وفساد سے محفوظ نہیں"، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس کے فتنے کیا ہیں؟ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: «شَرُّهُ»[2] "اس کی شرارت" فتنہ ہے۔

---

(١) المرجع نفسه، أنس بن مالك بن النضر رضي الله تعالى عنه، ر: ١٣٥٤١، ٤/ ٤٨٢.

(٢) المرجع السابق، مسند أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، ر: ٧٨٨٣، ٣/ ١٣٧.

دنیا میں آدمی کی سعادت مندی کے اسباب میں سے ایک سبب، ہمسائے سے بھلائی کرنا بھی ہے، کہ اچھے پڑوسی کے سبب راحت وسکون رہتا ہے، مصطفی جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «أَرْبَعٌ مِنَ السَّعَادَةِ: (١) الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، (٢) وَالْمَسْكَنُ الْوَاسِعُ، (٣) وَالْجَارُ الصَّالِحُ، (٤) وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيْءُ»[1] "چار۴ چیزیں سعادت مندی میں سے ہیں: (۱) نیک بیوی، (۲) کشادہ مکان، (۳) اچھا پڑوسی (۴) اور آرام دہ سواری"۔

اسی لیے پہلے کے لوگ گھر خریدتے وقت، گھر سے پہلے پڑوس دیکھا کرتے تھے۔ "حضرت ابو حمزہ سُکری رحمۃ اللہ تعالی کے پڑوسی نے ارادہ کیا، کہ وہ اپنے گھر کو فروخت کردے، تو اس سے کہا گیا کہ کتنے کا ہے؟ اس نے کہا: دو ہزار گھر کی قیمت، اور دو ہزار ابو حمزہ کے پڑوس کی، جب یہ خبر حضرت ابو حمزہ کو پہنچی تو انہوں نے اسے چار ہزار بھجوائے، اور فرمایا: یہ لو اور اپنے گھر کو مت بیچو"[2]۔

محترم بھائیو! بلا شبہ پڑوسی کے ساتھ حسنِ سُلوک ان نیک اعمال میں سے ہے، جس کا اجر وثواب اور فوائد، اس کے کرنے والے کو آخرت سے پہلے دنیا میں بھی پہنچتے ہیں، یہ عمل زمین کی آبادی اور عمر میں برکت کا بھی سبب ہے۔ نبئ کریم ﷺ نے فرمایا: «صِلَةُ الرَّحِمِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ، وَحُسْنُ الْجِوَارِ، يَعْمُرَانِ الدِّيَارَ، وَيَزِيْدَانِ فِي الأَعْمَارِ»[3] "رشتہ داروں سے اچھا سُلوک، اچھے اَخلاق،

---

(١) "صحيح ابن حِبّان" كتاب النكاح، ر: ٤٠٢١، صـ٦٩٩.

(٢) "تاريخ بغداد" ذكر من اسمه: محمد، ر: ١٦٧٥، ٣/ ١٦٦.

(٣) "مسند الإمام أحمد" مسند السيّدة عائشة رضي الله تعالى عنها، ر: ٢٥٣١٤، ٩/ ٥٠٤.

پڑوسی سے بھلائی، آبادی اور عمر میں برکت کا باعث ہیں"۔

قرض کی ادائیگی

پیارے بھائیو! ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام میں شہادت کا رُتبہ نہایت اعلیٰ وارفع ہے، ہر سچا مسلمان اس رتبے کی خواہش رکھتا ہے؛ کہ شہید کے سارے گناہ مُعاف کر دیے جاتے ہیں، اسے رب تعالی کی رِضا نصیب ہوتی ہے، اور وہ بلاحساب وکتاب جنّت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ اس کے باوُجود قرض شہید کا بھی مُعاف نہیں ہوتا، حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عَمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، سرکارِ اَبد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «يُغْفَرُ لِلشَّهِيْدِ كُلُّ ذَنْبٍ، إِلَّا الدَّيْنَ»(۱) "شہید کے سارے گناہ مُعاف کر دیے جاتے ہیں، سوائے قرض کے"۔ لہٰذا اس وعید کے پیشِ نظر ہم میں سے جو مقروض ہے، اسے قرض کی ادائیگی میں سُستی اور غفلت کے بجائے جلدی کرنی چاہیے۔

مفلِس کون ہے؟

حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا: «أَتَدْرُونَ مَا الْـمُفْلِسُ؟» "کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟" صحابۂ کرام -علیہم الرضوان- نے عرض کی، کہ جس کے پاس دراہم وسامان نہ ہو وہ مفلِس ہے، ارشاد فرمایا: «إِنَّ الْـمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي: يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ، وَصِيَامٍ، وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا، وَقَذَفَ هَذَا، وَأَكَلَ مَالَ هَذَا، وَسَفَكَ دَمَ هَذَا، وَضَرَبَ هَذَا، فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ، أُخِذَ مِنْ

(۱) "صَحيح مُسلم" كتابُ الإمَارة، ر: ٤٨٨٣، صـ٨٤٥.

خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ»[1] "میری امّت میں مفلِس وہ ہے جو بروزِ قیامت، نماز، روزے، زکات لے کر آئے گا، اور یوں آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا، لہٰذا اس کی نیکیوں میں سے کچھ کسی ایک مظلوم کو دے دی جائیں گی، اور کچھ دوسرے مظلوم کو، پھر اس کے ذمّہ جو حقوق تھے اگر اُن کی ادائیگی سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں، تو اُن مظلوموں کی خطائیں لے کر اس ظالم پر ڈال دی جائیں گی، پھر اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا"۔

یہ ہے اس امّتِ مسلمہ کا مفلِس، جو بہت ساری نیکیوں کے باوُجود، حقوق العباد میں کوتاہی کے باعث جہنم میں ڈال دیا جائے گا، والعیاذ باللہ!۔

دعا

اے اللہ! ہم سب کو اپنے حقوق کے ساتھ حقوق العباد میں بھی کوتاہی سے محفوظ فرما، والدین، اولاد اور پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی میں ہماری مدد فرما، ہمیں اچھے پڑوسی عطا فرما، ہمارے مابین محبت واُلفت کو راسخ فرما، ہمیں خوشحالی عطا فرما، تنگدستی سے بچا اور نظرِ بد سے محفوظ رکھ، ہمیں اپنی عبادت، نیک اعمال اور اپنے اَحکام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما، ہماری دعائیں اپنی بارگاہِ بےکس پناہ میں قبول فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

(۱) المرجع نفسه، باب تحريم الظلم، ر: ٦٥٧٩، صـ١١٢٩، ١١٣٠.

بڑوں کا ادب واحترام اور تربیتِ اولاد

(جمعۃ المبارک ۲۸ جُمادی الاُولیٰ ۱۴۴۱ھ- ۲۴/۰۱/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب

حضراتِ ذی وقار! اسلام ایک پاکیزہ اور جامع دِین ہے، یہ ہمیں اپنے بڑوں اور بزرگوں سے ادب واحترام کے ساتھ پیش آنے کی تعلیم دیتا ہے، ان کے کام آنا، ان کے مَصائب وآلام کو دُور کرنا، ان کے دُکھ درد بانٹنا، ان کے ساتھ ہمدردی، غمخواری اور شفقت سے پیش آنا، بہت بڑی نیکی اور باعثِ اجر وثواب ہے۔ عمر رسیدہ لوگوں کا ادب، احترام اور ان سے محبت، اللہ ورسول کی رِضا وخوشنودی کا بہترین ذریعہ ہے، اِن کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے، حضرت سیّدُنا ابو موسیٰ اَشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ الله إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ»[1] "یقیناً عمر رسیدہ مسلمان کی عزّت وتکریم، اللہ تعالی کی تعظیم وتکریم ہے"۔

(١) "سنن أبي داود" كتابُ الأدب، ر: ٤٨٤٣، صـ٦٨٤.

بزرگوں کی عزّت و تکریم

میرے بھائیو! رحمتِ کونَین ﷺ نے اپنی اُمّت کو بزرگوں کی عزّت و تکریم کی خاص تلقین فرمائی، اور انہیں یہ تاکید فرمائی کہ کم عمر اَفراد اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کا ادب واحترام کریں، اور بڑے چھوٹوں سے نرمی و شفقت سے پیش آئیں اور اُن پر رحم کریں۔ حضرت سیِّدُنا عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا!»[1] "وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے!"۔ ایک اَور مقام پر ارشاد فرمایا: «كَبِّرِ الكُبْرَ»[2] "بڑے کے مرتبہ اور عزّت کا خیال رکھو!"۔

حضراتِ گرامی قدر! اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ کوئی ہماری عزّت و تکریم کرے، تو ہمیں بھی اپنے بڑے بزرگوں، اور عمر رسیدہ لوگوں کی عزّت اور ان کا ادب واحترام کرنا ہو گا۔ حضرت سیِّدُنا اَنَس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخاً لِسِنِّهِ، إِلَّا قَيَّضَ اللهُ لَهُ مَنْ يُكْرِمُهُ عِنْدَ سِنِّه»[3] "جو جوان کسی بوڑھے کی بزرگی کے باعث اس کی عزّت کرتا ہے، اللہ تعالی اُس جوان کے لیے بھی کسی کو مقرّر فرما دیتا ہے، جو اِس کے بڑھاپے میں اس کی عزّت کرے گا"۔

جو لوگ اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کا لحاظ نہیں کرتے، ان کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آتے ہیں، ان کے آگے زبان درازی کرتے ہیں، ایسوں کے لیے

---

(١) "سنن الترمذي" باب ما جاء في رحمة الصبيان، ر: ١٩١٩، صـ٤٤٨.

(٢) "صحيح البخاري" كتابُ الأدب، ر: ٦١٤٣، صـ١٠٧١.

(٣) "سنن الترمذي" أبوابُ البرّ والصلة، ر: ٢٠٢٢، صـ٤٦٦.

حدیثِ پاک میں خصوصی طور پر یہ وعید ہے، کہ رحمتِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا، وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا»[1] "وہ ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا، اور بڑوں کا حق نہیں پہچانتا"۔

میرے عزیز دوستو! مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ یتیموں، بیواؤں، کمزوروں اور مسکینوں کی مدد کے ساتھ ساتھ، بڑی عمر کے لوگوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت سے پیش آتے، ان کا ادب واحترام اور عزّت افزائی کرتے ہوئے، اُن کا بوجھ تک اپنے شانۂ نبوّت پر اٹھالیا کرتے۔ اُمّ المؤمنین حضرت سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضورِ اکرم ﷺ سے سب سے زیادہ قریب تھیں، سرورِ کونَین ﷺ کے اَوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: «إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِيْنُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ»[2] "آپ صِلہ رحمی فرماتے ہیں، لوگوں کا بار اُٹھاتے ہیں، ضرور تمندوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اور راہِ حق میں پیش آنے والے مَصائب میں مدد فرماتے ہیں"۔

عزیزانِ محترم! چونکہ اسلامی تعلیمات مکمل طور پر ادب واحترام پر مبنی ہیں، لہٰذا ادب واحترام ہی کی تعلیم وتلقین کرتی ہیں، اس کارخانۂ قدرت میں جس جس کو جو نعمتیں ملیں، ادب واحترام کی بنا پر ملیں، اور جو ادب سے محروم ہے، حقیقۃً ایسا شخص ہر نعمت سے محروم ہے، شاید اسی لیے کسی نے کہا ہے کہ "باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب!"۔

---

(۱) "سنن أبي داود" كتابُ الأدب، بَابُ في الرَّحمة، ر: ٤٩٤٣، صـ٦٩٦.

(۲) "صحيح البخاري" كتابُ بَدْءُ الْوَحْيِ، ر: ٣، صـ١.

والدین کا اَدب واحترام

عزیزانِ مَن! اس دنیا میں سب سے زیادہ حُسنِ سُلوک، عزّت افزائی اور ادب واحترام کے لائق ہمارے اپنے والدین ہیں، والدین سے بھلائی کا مطلب بھی یہی ہے، کہ ان کے ساتھ نیکی کی جائے، ان کی عزّت وتکریم، اور ان کا ادب واحترام کیا جائے، ان کے ہر جائز حکم پر بخوشی عمل کیا جائے، ان کی خدمت کے لیے ہر دَم کوشاں رہا جائے، اور انہیں خوشی فراہم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے۔

یاد رکھیے! جو مسلمان اپنے والدین کے ساتھ عزّت واحترام اور اَدب کا مُعاملہ کرتا ہے، اللہ تعالی دنیا ہی میں اس کی عزّت واحترام کا سامان کر دیتا ہے، اور اس کی اپنی اولاد کے دل میں اس کی عزّت ڈال دی جاتی ہے۔ رَحمتِ عالمیان ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے: «بَرُّوا آباءَكُمْ، تَبَرُّكُمْ أَبْنَاؤُكُم!»[1] "اپنے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، تمہارے بچے بھی تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے!"۔

حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عَمرو بن عاص رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کہتے ہیں، کہ ایک شخص سرکارِ اَبد قرار ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جہاد کی اجازت مانگنے لگا، مصطفی کریم ﷺ نے فرمایا: «أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟» "کیا تمہارے والدین حیات ہیں؟" اُس نے عرض کی: جی ہاں، نبئ پاک ﷺ نے فرمایا: «فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ»[2] "تو اُن کی خدمت کرو، اسی میں تمہارا جہاد ہے!"۔

---

(١) "مستدرَك الحاكم" كتابُ البِرِّ والصِّلة، ر: ٧٢٥٩، ٧/ ٢٥٩٢.

(٢) "صحيح مسلم" باب برّ الوالدَين وأيّهما أحقّ به، ر: ٦٥٠٤، صـ١١١٧.

میرے محترم بھائیو! والدین کے حقوق سے کسی بھی طرح کی رُوگردانی کرنا، یا اُن کے ساتھ بے ادبی، یا اپنے روِیے سے اُن کی عزّت و تکریم میں کمی لانا، جنّت سے محرومی کا سبب بن سکتا ہے، حضرت سیّدُنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «رَغِمَ أَنْفُه، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُه، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُه!» "اُس کی ناک خاک آلود ہو، وہ برباد ہوجائے، اُس کی ناک خاک آلود ہو!" عرض کی گئی: یارسولَ اللہ کس کی؟ فرمایا: «مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَهُ الْكِبَرَ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا، ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ!»[1] "جو اپنے بوڑھے والدین میں سے ایک یا دونوں کو پائے، پھر بھی اُن کی خدمت کرکے جنّت کا حقدار نہ ہوسکے!"۔

حدیثِ پاک میں ہے، نبئ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «وَقِّرِ الْكَبِيْرَ، وَارْحَمِ الصَّغِيْرَ، تُرَافِقْنِيْ فِي الْجَنَّةِ»[2] "بڑوں کی تعظیم وتوقیر کرو، اور چھوٹوں پر شفقت کرو، توتم جنّت میں میری رَفاقت پالوگے"۔

اچھی تعلیم وتربیت کی اہمیت وفوائد

برادرانِ اسلام! والدین کا کردار ان کی اولاد کے لیے مشعلِ راہ ہوتا ہے، کہ بچہ اپنے والدین کے کردار کا آئینہ دار ہوتا ہے، اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے کل کو ہمارے بڑھاپے کا سہارا بنیں، ہماری عزّت، اَدب اور احترام کریں، توانہیں اسلامی تعلیمات سے رُوشناس کرائیے، ہمیشہ اپنے سے بڑوں کی عزّت اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنے کی نصیحت کیجیے، اور اپنے والدین سے حسنِ سُلوک، ان کا

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب البرّ والصلة والأدب، ر: ٦٥١١، صـ١١١٩.

(٢) "شُعَب الإيمان" ٧٥- باب في رحمة ...إلخ، ر: ١٠٩٨١، ٧/ ٣٥١١.

ادب واحترام، ان کی اِطاعت وفرمانبرداری کا درس دیتے رہیے، رشتہ داروں کی پہچان کرائیں، اور اُن کے ساتھ تعلقات قائم رکھنے، اُن سے مَیل جول کے طریقے اور آداب بھی سکھائیے؛ تاکہ وہ ان سے صِلہ رحمی کریں۔ نبئ کریم ﷺ نے فرمایا: «تَعَلَّمُوْا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ؛ فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الأَهْلِ، مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ، مَنْسَأَةٌ فِي الْأَثَرِ»[1] "اپنے رشتہ داروں کو پہچانو؛ تاکہ رشتوں کا لحاظ رکھ سکو؛ کیونکہ رشتہ داروں سے حسنِ سُلوک، خاندان میں محبت اور مال وعمر میں برکت کا باعث ہے"۔

رفیقانِ گرامی قدر! بچوں کی اچھی تعلیم وتربیت، اِن میں عقائدِ اہلِ سنّت کی پختگی، اَخلاق کی درستگی، اور اعمال میں پاکیزگی لانے کا سبب بنتی ہے، جس سے ان کے اندر بلندئ کردار، وسعتِ فکر ونظر اور عزّتِ نفس کا اِحساس پیدا ہوتا ہے۔ اَقوامِ عالم کی تاریخ بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت پر پوری توجہ دی، وہ ہر زمانے میں کامیاب رہے، اور جن لوگوں نے اس بات کی اہمیت کو محسوس نہیں کیا، اولاد کی صحیح پرورش وتربیت سے غافل رہے، مُعاشرے میں انہیں کوئی عزّت نہ مل سکی، اور کل بروزِ قیامت اس کوتاہی پر ان سے باز پُرس بھی ہوگی۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ ...وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِه، وَهُوَ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِه، وَالمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا، وَمَسْؤُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا»[2] "تم سب اپنی اپنی جگہ ذمّہ دار ہو، اور تم سب سے

---

(١) "سنن الترمذي" أبواب البرّ والصلة، ر: ١٩٧٩، صـ٤٥٨.

(٢) "صحيح البخاري" باب الجُمُعَةِ في القُرى والمُدن، ر: ٨٩٣، صـ١٤٤.

تمہارے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا...، مرد اپنے اہل وعِیال کا ذمّہ دار ہے، اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، عورت اپنے شوہر کے گھر میں ذمّہ دار ہے، اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا!"۔

حضرت سیِّدُنا علی -کرّم الله وجہہ- نے فرمایا: «عَلِّمُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمُ الْخَيْرَ»[1] "اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بھلائی کی تعلیم دو"۔

اولاد کی اچھی تربیت ہی اچھے مُعاشرے کی بنیاد ہے، جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَداً مِنْ نَحْلٍ، أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ»[2] "باپ کی طرف سے اولاد کے لیے اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں، کہ وہ ان کی اچھی تربیت کرے"۔

عزیزانِ گرامی! بعض لوگوں کو اپنی اولاد میں بچوں سے زیادہ محبت ودلچسپی ہوتی ہے، جبکہ بچیوں کو وہ بوجھ سمجھتے ہیں، اسی لیے ان کی خبر گیری اور تربیت میں بھی کوتاہی برتتے ہیں، یہ عمل بہت بڑے مُعاشرتی بگاڑ کا سبب ہے، اسلام نے خصوصیت کے ساتھ بچیوں کی اچھی تعلیم وتربیت کی تاکید فرمائی ہے، اور اس کی بڑی فضیلت بیان کی ہے، نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ عَالَ ثَلاثَ بَنَاتٍ، فَأَدَّبَهُنَّ وَزَوَّجَهُنَّ، وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، فَلَهُ الْجَنَّةُ»[3] "جس کی تین ۳ بیٹیاں ہوں، اور وہ ان کی اچھی تربیت کرے، اور مناسب جگہ ان کی شادی کردے، اور ان کے ساتھ

(١) "شعب الإيمان" باب في حقوق الأولاد والأهلين، ر: ٨٧٠٤، ٦/ ٢٩١١.

(٢) "سنن الترمذي" باب ما جاء في أدب الولد، ر: ١٩٥٢، صـ٤٥٣.

(٣) "سنن أبي داود" باب في فَضلِ مَنْ عال يَتَامَى، ر: ٥١٤٧، صـ٧٢٣.

اچھا سُلوک کرے، اس کے لیے جنّت ہے"۔

اولاد سے یکساں حُسنِ سلوک کا حکم

میرے عزیز! اللہ کے حبیب ﷺ نے ہمیں ساری اولاد کے درمیان برابری کا حکم فرمایا ہے، اور یہ بھی کہ ان کے درمیان کوئی فرق نہ کیا جائے، ارشاد فرمایا: «اِتَّقُوا اللهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ!»(۱) "اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان برابری رکھو!"۔

بیٹے کو بوسہ و محبت زیادہ دینے، اور بیٹی کو محبت سے محروم کرنے والوں کو رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی ہے، کہ اس مُعاملہ میں بھی اپنے بچوں میں برابری کی جائے، ایک شخص حضور نبئ کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ اس کا بچہ آیا، اس نے اسے اُٹھایا، چوما اور اپنی گود میں بیٹھا لیا، پھر کچھ دیر بعد اس کی بچی آئی، تو اس نے اسے اُٹھایا اور اپنی ایک جانب بٹھا دیا، رحمتِ عالمیان ﷺ نے فرمایا: «فَمَا عَدَلْتَ بَيْنَهُمَا!»(۲) "تم نے ان دونوں کے درمیان برابری نہیں کی!"۔

اولاد کی اسلامی تعلیم وتربیت کا اہتمام

پیارے بھائیو! والدین کی اوّلین ذمّہ داری ہے، کہ بچوں کی اچھی تعلیم وتربیت کرکے انہیں اچھا، ذمّہ دار اور مثالی مسلمان بنائیں؛ کیونکہ اگر بچے کی صحیح دیکھ بھال کی جائے، تو وہ بڑا ہو کر بے شمار قابلیتوں کے ساتھ، مُعاشرے میں بہترین کردار ادا کر سکتا ہے، خود اپنے آپ کو اور پورے مُعاشرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ بچوں کی تربیت کے ابتدائی مَراحل کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مُرُوا

(۱) "صحيح البخاري" باب الإِشْهادِ فِي الْهِبَة، ر: ۲۵۸۷، صـ۴۱۸.

(۲) "شعب الإيمان" باب في حقوق الأولاد والأهلين، ر: ۸۷۰۰، ۶/ ۲۹۱۰.

أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِين، وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِين، وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»[۱] "بچے جب سات ۷ سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز کا حکم دو، اور جب وہ دس ۱۰ برس کے ہوں تو (نماز نہ پڑھنے پر) اُنہیں مارو، اور ان کے بستر الگ الگ کر دو!"۔

تعلیم وتربیت میں نرمی وشفقت کا پہلو

رفیقانِ ملّتِ اسلامیہ! بچوں کی تعلیم وتربیت میں نرمی وشفقت کا پہلو پیشِ نظر رہے، حتی الاِمکان انہیں پیار ومحبت سے سمجھانے، اور اپنی بات پر قائل کرنے کی کوشش کریں، ان پر بے جا سختی اور تُرش رَوی سے گریز کیا جائے؛ ہمارے پیارے نبی ﷺ بچوں کے ساتھ بہت مہربانی اور نہایت شفقت سے پیش آیا کرتے، حدیث شریف میں ہے کہ حضرت سیّدُنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں فرمایا: «مَا رَأَيْتُ أَحَداً كَانَ أَرْحَمَ بِالْعِيَالِ مِنْ رَسُولِ الله ﷺ»[۲] "میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر، بچوں پر مہربانی فرمانے والا کسی کو نہیں دیکھا"۔

ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اپنی اولاد کے دل میں اللہ تعالی، اس کے رسول ﷺ، دینِ اسلام، علمائے اسلام اور بزرگوں کی محبت، ان کا ادب واحترام اور تعظیم وتوقیر پیدا کرنے کی کوشش کرے، عام مسلمانوں کے ساتھ بھی محبت، خُلوص اور عزّت کے ساتھ پیش آنے کی تربیت دے، اور انہیں مُعاشرے کا اچھا فرد بناکر جینے کا ڈھنگ سکھائے۔

---

(۱) "سنن أبي داود" باب متى يؤمَر الغلام بالصلاة، ر: ٤٩٥، صـ٨٢.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الفضائل، ر: ٦٠٢٦، صـ١٠٢٣.

تربیتِ اولاد سے متعلق چند ضروری آداب

عزیز دوستو! ہم پر یہ بھی لازم وضروری ہے، کہ اپنی اولاد کو مہمان نوازی کے آداب سکھائیں؛ کہ یہ انبیاء ومرسَلین کا طریقہ ہے، ان کی یہ بھی تربیت کریں کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سُلوک کیسے کرنا ہے، ان کے حقوق اور فضائل بتائیں، ان کے ذہنوں میں یہ بھی راسخ کریں، کہ جب کسی محفل میں ہوں تو توجہ سے اچھی باتوں کو سنیں، بڑے جب بات کریں تو چھوٹے خاموش رہیں، جب کوئی کچھ سمجھائے تو اس کی بات پوری توجہ سے سنیں، اور اس پر عمل کی کوشش بھی کریں، جب کہیں گفتگو کا موقع ہو تو انتہائی ادب واحترام کے ساتھ اچھی باتیں کریں، یعنی کچھ بولنے سے پہلے اچھی طرح تول لیں!۔

ان سب آداب کی مختصر وجامع الفاظ میں تعلیم دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ كَانَ يُؤْمِن بِالله وَالْيَوْمِ الآخِرِ، فَلْيَقُلْ خَيْراً أَوْ لِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِن بِالله وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَلْيُكْرِمْ جارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِن بِالله وَالْيَوْمِ الآخِرِ، فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ»[1] "جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ جو اللہ عزّوجلّ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کا احترام کرے۔ اور جو اللہ جَلّ جلالہ اور یومِ آخرت کو مانتا ہے، اسے چاہیے کہ مہمان کا اِکرام (مہمان نوازی) کرے"۔

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے ان آداب اور تربیت کی بنیادی باتوں کو اس لیے کمالِ ایمان قرار دیا، کہ ان کی اَہمیت بہت زیادہ ہے، اور مُعاشرے پر ان کے اچھے اثرات بھی بہت عظیم ہیں۔

---

(۱) "صحیح مسلم" كتاب الإيمان، ر: ۱۷۳، صـ۴۱.

جانِ برادر! اولاد کی اچھی تربیت کے لیے یہ بھی ضروری ہے، کہ والدین اِنہیں وقت دیں، اور ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کریں، صرف مدرسے یا اسکول بھیج کر مطمئن ہو جانا، اور بذاتِ خود اِن کی تربیت کا اہتمام نہ کرنا، والدین کی بہت بڑی بھول ہے، جس کے باعث اکثر اوقات اولاد اچھی تربیت سے محروم رہ جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسان اپنی اولاد کی اچھی تربیت کی خاطر خود اپنے اَخلاق، عادات اور اَطوار بھی بہتر بنائے؛ کیونکہ بچوں کے لیے پہلی تربیت گاہ وہ ماحول ہے جو انہیں گھر میں ملتا ہے، لہذا بچہ اپنے والدین میں جو عادات واَخلاق دیکھتا ہے، انہیں فوراً اپنا لیتا ہے، چنانچہ اگر والدین کی عادات واَخلاق اچھے ہوں، تو بچوں کی عادات واَخلاق بھی خود بخود اچھے ہو جاتے ہیں، بصورتِ دیگر بچوں کے بگڑنے میں دیر نہیں لگتی۔

برادرانِ اسلام! اچھی تربیت کے چند ضروری آداب میں سے یہ بھی ہے، کہ بچوں کے اَحوال پر کڑی نظر رکھی جائے، ان کے طور طریقوں کو پَرکھا جائے، ان کے دوستوں پر بھی نگاہ رکھی جائے، انہیں اچھی صحبت اختیار کرنے کے فوائد بتا کر ترغیب دی جائے، اور بُری صحبت کے نقصانات بتا کر اس سے مکمل اجتناب کی تعلیم دی جائے؛ کہ نبئ کریم رؤف رحیم ﷺ نے فرمایا: «المَرْءُ عَلىٰ دِيْنِ خَلِيْلِه، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ»[1] "آدمی اپنے دوست کے دِین پر ہوتا ہے، تو تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ دیکھ بھال کر دوست بنائے!"۔

لہٰذا والدین پر لازم ہے کہ اپنے بچوں اور بچیوں پر کڑی نگاہ رکھیں، ان کا گھر میں اور باہر کہاں اور کن کن کاموں میں وقت صَرف ہوتا ہے، ذرائعِ اِبلاغ خصوصًا

---

(۱) "مسند الإمام أحمد" مسند أبي هريرة، ر: ٨٤٢٥، ٣/ ٢٣٣.

موبائل فونز اور انٹرنیٹ وغیرہ میں ان کی کیا سرگرمیاں ہیں، اور کس طرح کے لوگوں سے ان کے روابط ہیں، اس کا خاص خیال رکھیں، اور ہر ممکن حد تک انہیں انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے منفی اثرات سے دُور رکھنے کی کوشش کریں!!۔

حرفِ اخیر

عزیزانِ محترم! چونکہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس مبارک دین نے ہر مُعاملے میں اہلِ ایمان کی رَہنمائی کی ہے، اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں دینِ اسلام نے ہماری رَہنمائی نہ فرمائی ہو، لہذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ دینِ اسلام کی روشن ودرخشاں تعلیمات پر عمل پیرا رہے، اسلامی آداب وتعلیمات جو نہایت آسان، سلیس اور دِلنشین ہیں، ان کی بجاآوری کرکے انعاماتِ ربّانی کا مستحق، اور اُسوۂ حَسنہ کا سچا پیروکار بن جائے، اپنی اولاد کو بھی اس کی تعلیم وتربیت دے؛ تاکہ وہ بھی شریعتِ مطہّرہ کے اَحکام کی پابندی کے ساتھ ساتھ، اپنے سے بڑوں اور بزرگوں کا ادب واحترام کرنا سیکھیں، اور چھوٹوں کے ساتھ بھی نرمی اور شفقت سے پیش آئیں۔

دعا

اے اللہ! ہمیں اپنے بڑوں کے ادب واحترام کی توفیق مرحمت فرما، اپنے بچوں کی اچھی تربیت کی سعادت عطا فرما، ان کے لیے ہمیں اچھی اچھی دعائیں کرنے کی توفیق نصیب فرما، انہیں اچھے اَخلاق وآدابِ مُعاشرت سکھانے کی ہمت وطاقت عطا فرما، ہمارے گھروں کو محبت، رَحمت اور شفقت کا گہوارہ بنا، ہمارے مابین محبت واُلفت کو راسخ فرما، ہمیں خوشحالی عطا فرما، تنگدستی سے بچا اور نظرِ بد سے محفوظ رکھ، ہمیں اپنی عبادت، نیک اعمال اور اپنے اَحکام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

مسئلۂ کشمیر اور عالَمِ اسلام کی ذمّہ داری

(جمعۃ المبارک ۵ جُمادی الآخرۃ ۱۴۴۱ھ - ۲۰۲۰/۰۱/۳۱ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُر نور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّٰهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبِهِ أجمعين.

مسئلہ کشمیر کا پسِ منظر

حضراتِ ذی وقار! کشمیر کا ڈوگرہ راجہ ہری سنگھ ابتداء میں چاہتا تھا، کہ کشمیر آزاد حیثیت میں رہے، مگر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے قبائلی جنگجوؤں سے نمٹنے میں مدد فراہم کرنے کے عوض، ڈوگرہ راجہ نے انڈیا سے اِلحاق کا فیصلہ کیا، اس کے بعد جنگ شروع ہوگئی، اور انڈیا نے اَقوامِ متحدہ سے اس مُعاملے پر مُداخلت کی درخواست کی، اَقوامِ متحدہ کی ایک قرارداد میں یہ تجویز دی گئی، کہ انڈیا یا پاکستان کے ساتھ اِلحاق کے سوال پر ریفرینڈم کروایا جائے۔

جولائی ۱۹۴۹ء میں انڈیا اور پاکستان نے ایک مُعاہدے پر دستخط کیے، جس کے تحت اَقوامِ متحدہ کی جانب سے بنائی گئی جنگ بندی لائن، جسے لائن آف کنٹرول کہا جاتا ہے، اس کا اعلان کیا گیا۔

سن ۱۹۵٦ء میں انڈیا نے آرٹیکل ۳۷۰ کو آئین کا حصہ بنایا، اس آرٹیکل کے تحت انڈیا کے زیرِ انتظام جموں کشمیر کو خصوصی حقوق دیے گئے، مگر اَب پانچ ۵ اگست ۲۰۱۹ء سے انڈین حکومت نے اس خصوصی حیثیت کا خاتمہ کر دیا ہے۔

انڈیا کا مؤقف ہے کہ کشمیر انڈیا کا اٹوٹ انگ (نا قابلِ جدائی حصہ) ہے، اور اس مؤقف پر انڈین حکومت، حزبِ اختلاف اور عوام میں اتفاق ہے۔ انڈیا کشمیر کو اپنا اندرونی مُعاملہ سمجھتا ہے۔ جبکہ پاکستان کا دعویٰ ہے کہ کشمیر تقسیمِ ہند کا نامکمل ایجنڈہ ہے، جس کو حل کرنے کی ضرورت ہے، نیز کشمیری علیحدگی پسند اپنے حقِ خود اِرادیت کا مُطالبہ کرتے ہیں، نتیجۃً گزشتہ تین ۳ دہائیوں سے وادی کو مسلح شورش کا سامنا ہے۔

کشمیر کی خصوصی حیثیت کا خاتمہ اور موجودہ صورتحال

عزیزانِ مَن! پانچ اگست ۲۰۱۹ء کو کیے گئے انڈین حکومت کے اس خصوصی حیثیت کے خاتمے کے بعد، کشمیر میں پیدا ہونے والی صورتحال، اور وہاں کے لوگوں کے تاثرات اور خیالات کے بارے میں، بی بی سی نیوز (BBC News) بڑے مفصّل انداز میں رپورٹنگ کر رہا ہے۔ اکثر لوگوں کا کہنا ہے، کہ جب وادی میں صورتحال نارمل ہوگی، تب ان حضرات کے غم وغصے کا واضح اظہار ہوگا، جسے فی الوقت طاقت کے زور سے خوب دبایا گیا ہے۔

آرٹیکل ۳۷۰ کے خاتمے کے ساتھ ہی صدارتی حکم کے تحت، اس میں شامل کیا جانے والا آرٹیکل پینتیس اے (Article 35A) بھی ختم ہو چکا ہے، جس کے تحت ریاست کے باشندوں کی بطورِ مستقل باشندہ پہچان ہوتی تھی، اور انہیں بطور مستقل شہری خصوصی حقوق حاصل تھے۔

اس پرانے قانون کی رُو سے جموں کشمیر کی حدود سے باہر کسی بھی علاقے کا شہری ریاست میں غیر منقولہ جائیداد کا مالک نہیں بن سکتا تھا، یہاں سرکاری نوکری حاصل نہیں کر سکتا، اور نہ کشمیر میں آزادانہ طور پر سرمایہ کاری کر سکتا ہے۔ تاہم اب کسی بھی انڈین شہری کو یہ تمام حقوق حاصل ہوں گے۔

یہ قوانین ڈوگرہ راجہ ہری سنگھ نے سن ۱۹۲۷ سے ۱۹۳۲ء کے درمیان مرتّب کیے تھے، اور انہی قوانین کو سن ۱۹۵۴ء میں ایک صدارتی حکم نامے کے ذریعہ آئینِ ہند میں شامل کیا گیا تھا۔

میرے محترم بھائیو! کشمیریوں کو خدشہ ہے، کہ آئینِ ہند میں موجود یہ حفاظتی دیوار گرنے کے نتیجے میں، ہم لوگ بھی فلسطینیوں کی طرح، خود اپنے ہی وطن میں اجنبی ہو کر رہ جائیں گے؛ کیونکہ غیر مسلم آباد کاروں کی کشمیر آمد کے نتیجے میں، ان کی زمین، وسائل اور روزگار پر، بڑی حد تک غیروں کا قبضہ ہو سکتا ہے!!۔

انڈین حکومت بار بار یہ راگ اَلاپ رہی ہے کہ وہاں سب کچھ نارمل ہے، یعنی سڑکوں پر گاڑیاں چلنا، سبزی اور دودھ کا ملنا، بجلی اور پانی مہیا ہونا، محدود پیمانے پر ہی صحیح، لیکن ایمرجنسی کے وقت آنے جانے کی جُزوی آزادی حاصل ہونا کیا سب کچھ نارمل ہونے کی دلیلیں ہیں؟ ہرگز نہیں! بلکہ آپ دلوں کے اندر جھانکنے کا کوئی آلہ ایجاد کیجیے، پھر دیکھیں کہ وہاں کیا کیا نارمل ہے!۔

عزیزانِ محترم! قید میں پڑے یا قبروں میں سوئے بیٹوں کی ماؤں کا درد کون جان سکتا ہے؟ اسے کون محسوس کر سکتا ہے؟ ہر کشمیری کا دل زخمی ہے، ہر دل کو مختلف بندشوں نے مجروح کر کے رکھ دیا ہے۔

پچھلے ۷۰ سال کی تاریخ گواہ ہے، کہ اقوامِ متحدہ کی قرار دادیں مسئلۂ کشمیر کو حل کرنے میں ناکام رہی ہیں، ہماری بے انتہا کوششوں کے باوجود، اس مسئلے میں بین الاقوامی رِویہ تبدیل نہیں ہوسکا۔ ۱۹۸۹ء تک تو کشمیر میں قدرے خاموشی رہی، جس سے بھارت نے کامیابی کے ساتھ اس علاقے پر اپنا قبضہ مضبوط کرلیا، اور کشمیر کو سیاحت کے مرکز کے طور پر دنیا بھر میں پیش کیا۔ پاکستان کے سیاسی حالات بھی کچھ ایسے نہیں تھے کہ کشمیر کے لوگ پاکستان کی طرف رشک کی نظر سے دیکھتے، جب پاکستانی عوام آمریت جھیل رہے تھی، اس وقت کشمیر میں جُمہوریت کے مزے لیے جا رہے تھے۔

ظلم کا انجام

برادرانِ اسلام! دنیا میں جب بھی ظلم وستم، اور جبر واستبداد کا رِویہ اختیار کیا گیا، اور جب جب طاقت کے نشے میں اس حقیقت کو فراموش کیا گیا، کہ اللہ رب العالمین اس کائنات کا خالق ومالک ہے، جو ظلم وستم اور زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، اور جب چاہے ظالموں کو آنِ واحد میں اپنے غضب سے نشانۂ عبرت بنا سکتا ہے، تاریخ گواہ ہے کہ جب جب ایسا ہوا، بڑے دردناک اور بھیانک نتائج دیکھنے کو ملے! قومِ نُوح، قومِ ابراہیم، اصحابِ مدیَن اور عاد وثَمود کی سرکشی، اور ان کے عبرت ناک انجام کو، خود اللہ رب العالمین نے قرآنِ پاک میں بیان فرمایا: ﴿اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۙ۬ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾[1] "کیا انہیں اپنے سے اگلوں کی خبر نہ آئی؟! نوح کی قوم اور

---

(۱) پ ۱۰، التوبة: ۷۰.

عاد اور ثمود، اور ابراہیم کی قوم، اور مدیَن والے، اور وہ بستیاں جو اُلٹ دی گئیں، ان کے رسول روشن دلیلیں ان کے پاس لائے تھے، تو اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا، بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظالم تھے!"۔

حضرت سیّدنا ابو موسیٰ اَشعری رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ، حَتَّى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْه» "اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈِھیل دیے رہتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ پکڑتا ہے تو بچ کر نکل نہیں پاتا"۔ اس کے بعد آپ صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی: ﴿وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِیَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ﴾[1] "ایسے ہی تیرے پروَردگار کی گرفت ہے، جب وہ ظالم بستی والوں کو گرفت میں لیتا ہے، یقیناً اس کی گرفت سخت دردناک ہے"۔

میرے عزیز بھائیو! اس کے باوُجود بھی سرکش انسان اگر اللہ تعالی کے قانون کو نہ سمجھے، اور اپنے سے پہلی قوموں کے بھیانک انجام سے عبرت حاصل نہ کرے، تو بہت جلد خود وہ شخص دوسروں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا جاتا ہے، اور ظالموں کا بالآخر یہی انجام ہوتا ہے۔

ظلم وزیادتی کرنے والوں کو اُن کے انجام سے باخبر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِیْهِ نَارًاؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا﴾[2] "جو ظلم وزیادتی سے ایسا کرے گا، تو عنقریب ہم اُسے آگ میں داخل کریں

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب التفسير، ر: ٤٦٨٦، صـ٨٠٧.

(٢) پ٥، النساء: ٣٠.

گے، اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے"۔

حدیثِ قدسی میں ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: «يَا عِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّماً، فَلَا تَظَالَمُوا!»[۱] "اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا، اور تم پر بھی حرام کیا، لہٰذا تم آپس میں ایک دوسرے پر بھی ظلم مت کرو!"۔

علّامہ مازری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے؛ کیونکہ مقرّر حدود سے تجاوُز کو ظلم کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے اوپر کوئی نہیں، جو اس کے لیے حدود مقرّر کر سکے"[۲]۔

ظلم کا معنی

عزیزانِ محترم! ظلم کے معنی کسی چیز کو اس کی جگہ سے ہٹا کر رکھنا، حد سے تجاوُز کرنا، ناحق قتل کرنا، گالی دینا، بُرا بھلا کہنا، کسی کو تکلیف دینا، یا کسی کا حق چھیننا۔

حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "ظلم کے تین ۳ معنی ہیں: (۱) کسی کا حق مارنا، (۲) کسی کو غیرِ محل میں خرچ کرنا، (۳) اور کسی کو بغیر قصور کے سزا دینا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "ہم کسی پر ذرّہ بھر ظلم نہیں کرتے"۔ یہاں ظلم سے مراد بے قصور کو سزا دینا ہے"[۳]۔

---

(۱) "صحيح مسلم" باب تحريم الظلم، ر: ٦٥٧٢، صـ١١٢٨.

(۲) "المعلم بفوائد مسلم" كتاب البرّ والصلة، تحت ر: ١١٨٣، ٣/ ٢٩٠.

(۳) "مرآۃ المناجیح" کتاب الآداب، ظلم کا بیان، پہلی فصل، ۶/۵۲۱۔

ظالم یا مظلوم کی مدد

سارے ممکنہ اِقدامات کے ساتھ ساتھ مسئلۂ کشمیر کے ایسے ممکنہ حل کے بارے میں بھی سوچنا چاہیے؛ کہ کشمیریوں پر شب وروز ہونے والے ظلم وستم کا خاتمہ ہو، رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِماً أَوْ مَظْلُوماً» "اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم!" صحابۂ کرام -علیہم الرضوان- نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہم مظلوم کی تو مدد کر سکتے ہیں، لیکن ظالم کی مدد کس طرح ہوگی؟ مصطفی جانِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: «تَأْخُذُ فَوْقَ يَدَيْهِ»[1] "اس کا ہاتھ پکڑ لو، یعنی اسے ظلم کرنے سے روک لو!" کیونکہ ظالموں کی مدد وحمایت کرنے والے بھی اس گناہ میں شریک ہیں، ایسوں کو تنبیہ کرتے ہوئے اللہ رب العزّت نے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ﴾[2] "ظالموں کی طرف نہ جھکو؛ ورنہ تمہیں آگ چھوئے گی، اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی نہیں، پھر مدد نہ پاؤ گے!"۔

حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالی علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "ظلم پر مدد (اور حمایت) کرنے کی کئی صورتیں ہیں: **(۱)** ظالموں کو ظلم کی رغبت دینا، **(۲)** ان کے ظلم پر مبنی قانون کو رائج کرنا، **(۳)** ان کے ظلم میں ان کا ہاتھ بٹانا، **(۴)** ان کے ظلم کی حمایت کرنا، یہ کہنا کہ یہ اَحکام حق ہیں، غرض کہ اس میں بہت وسعت ہے"[3]۔

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب المظالم، ر: ۲٤٤٤، صـ۳۹٤.

(۲) پ۱۲، هود: ۱۱۳.

(۳) "مرآۃ المناجیح" حاکم اور قاضی بننے کا بیان، دوسری فصل، ۵/۱۴۱ مختصراً۔

ایک مسلمان کے قتل میں شریک لوگوں کا انجام

حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اشْتَرَكُوا فِي دَمِ مُؤْمِنٍ، لَأَكَبَّهُمُ اللهُ فِي النَّارِ»[1] "اگر تمام آسمان وزمین والے ایک مسلمان کا خون کرنے میں شریک ہوجائیں، تو اللہ تعالی ان سب کو منہ کے بل جہنم میں ڈالے گا"۔

کشمیر سے متعلق یورپی میڈیا کی بے حسی

حضراتِ گرامی قدر! آج کشمیر میں جو کچھ ہورہا ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، امریکہ، یورپ اور اسرائیل بھارت کی پشت پر ہیں، جن کے سبب یورپی میڈیا کشمیر کے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم کو دنیا کے سامنے، یا تو پیش ہی نہیں کرتا، اور اگر کرتا ہے تو اس کی شدّت کو کما حقّہ ظاہر نہیں کیا جاتا، لیکن ان اَوچھے ہتھکنڈوں کے باوُجود، اقوامِ متحدہ کی کمیٹی برائے انسانی حقوق کا ایک رکن، ضمیر کی آواز پر، کشمیری مسلمانوں پر ہونے والے انسانیت سوز ظلم وستم کو بیان کرنے سے اپنے آپ کو روک نہ سکا، اور بیان کرتے کرتے بالآخر رو پڑا[2]۔

مسلمان آپس میں ایک جسم کی مانند ہیں

میرے عزیز دوستو! کشمیر میں مسلمانوں کا قتلِ عام، کیا ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں؟! کیا اب تک ہمیں یہود ونصاری اور ہُنود کے اس گٹھ جوڑ کی سمجھ نہیں آئی؟! کیا اللہ رب العزّت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات سے ہمیں آگاہ

---

(١) "سنن الترمذي" باب الحكم في الدماء، ر: ١٣٩٨، صـ٣٣٩.

(۲) نوائے وقت، ۱۰ مارچ ۲۰۱۹ء۔

نہیں کیا تھا، کہ یہ لوگ تمہارے دوست کبھی نہیں ہوسکتے؟! اس کے باوُجود ہم ان کے ساتھ تعلقات بڑھانے کے لیے کیوں مرے جارہے ہیں؟! دنیا بھر میں مسلمانوں کو شہید کیا جارہا ہے، ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں، مسلمان عورتوں کی عصمت دَری کی جارہی ہے، مگر اس کے باوُجود بظاہر ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا! آخر کیوں؟ کیا ہم اس قدر بے حس ہوچکے ہیں؟ یا پھر ہم صرف برائے نام مسلمان ہیں؟!

کیا رسولِ اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہمیں یاد نہیں کہ «مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ، تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى»[۱] "مسلمان آپس میں پیار ومحبت، رحم وشفقت اور مہربانی برتنے میں ایک جسم کی مانند ہیں، کہ جس طرح جسم کا کوئی ایک عضو بیمار پڑ جائے، تو سارا جسم اضطراب اور بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے"۔

ظلم وبربریت، دہشتگردی اور درندگی کے شکار مظلوم کشمیری مسلمان، اِمداد طلب نظروں سے آج ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا مسلمان حکمرانوں کو مصلحتوں اور ذاتی مفادات کی پالیسی کو ترک کرکے، اپنا کردار ادا کرنا ہوگا! اور اس ظلم وستم کو روکنا ہوگا! ورنہ ؏

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں![۲]

دعا

اے اللہ! ہمارے کشمیری مسلمان بہن بھائیوں کو آزادی عطا فرما، ہندوستان کے مسلمانوں کی جان ومال اور عزّت وآبرو کی حفاظت فرما، ان کے

(۱) "صحيح مسلم" كتاب البرّ والصلة، ر: ٦٥٨٦، صـ١١٣١.

(۲) "کُلیاتِ اقبال" بانگِ درا، حصّہ اوّل، تصویرِ درد، ۹۷۔

مسائل کو اُن کے حق میں خیر وبرکت کے ساتھ حل فرما، ہمارے گھروں کو محبت ورَحمت کا گہوارہ بنا، ہمارے مابین محبت واُلفت کو راسخ فرما، ہمیں خوشحالی عطا فرما، تنگدستی سے بچا اور نظرِ بد سے محفوظ رکھ، ہمیں اپنی عبادت ونیک اعمال کرنے، اور اپنے اَحکام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

خود اعتمادی

(Self Confidence)

(جمعۃ المبارک ۱۲ جُمادی الآخرۃ ۱۴۴۱ھ - ۰۷/۰۲/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبِهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبِهِ أجمعين.

خود اعتمادی کیا ہے؟

برادرانِ اسلام! اعتماد ایک عربی لفظ ہے، جس کا معنی ایمان، یقین یا بھروسا ہے، خود اعتمادی (Self Confidence) ہر ایک کی بنیاد اور کامیابی کی کنجی (Key) سمجھی جاتی ہے، کامیاب زندگی اور مکمل شخصیت کے لیے، ایک انسان کو اللہ کی مدد کے بعد، جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے، وہ اُس کی خود اعتمادی ہے۔ جو شخص خود اعتمادی اور اللہ ربّ العزّت کی ذاتِ پاک پر بھروسا کرتے ہوئے، آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے، کامیابی اس کے قدم چومتی ہے، جیساکہ قرآنِ پاک میں فرمایا: ﴿وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾[1] "اللہ پر بھروسا رکھو! اور اللہ سب کام بنانے کو کافی ہے"۔

---

(١) پ٥، النساء: ٨١.

سرورِ کونین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم کو بھی اس بات کی ترغیب دی، کہ وہ ترقی کریں، آگے بڑھیں اور اپنے بعد والوں کے لیے رَہنمائی کے روشن مینار ثابت ہوں؛ تاکہ بعد والے بھی اس کردار کی بدَولت کامیابی پائیں۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «تَقَدَّمُوا فَائْتَمُّوا بِي، وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ!»[1] "آگے بڑھتے چلے جاؤ! میری پیَروی کرو، میرے بعد والے تمہاری پیَروی کریں گے!"۔ علمائے کرام اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "اس حدیثِ پاک میں عمدہ اَخلاق اور بہترین کاموں پر حَوصلہ افزائی ہے"[2]۔

خود اعتمادی میں کمی کی چند علامات

میرے عزیز! اگر کسی کے اندر خود اعتمادی کی کمی ہو، تو اُس پر کامیابی کے دروازے نہیں کُھلا کرتے، اور اس کی شخصیت میں نکھار پیدا نہیں ہوتا، جس کے سبب اس میں موجود صلاحیتیں نکھر کر سامنے نہیں آپاتیں۔ کسی شخص کا خود کو بے وقعت سمجھنا، اپنی قابلیت پر شک کرنا، اپنی رائے کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے دوسروں پر انحصار کرنا، ماضی کی ناکامیوں، اور لوگوں کی طرف سے ہونے والی ناقدری کے باعث دلبرداشتہ ہوجانا، یہ کسی بھی انسان میں خود اعتمادی کی کمی پر دلیل ہے۔ آپ کے ساتھ جو ہوا سو ہوچکا، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ساری زندگی اسی میں اُلجھے رہیں، زندگی کے ان تلخ تجربات سے سیکھ کر، اور ناکامیوں کو بھلا کر آگے بڑھنے کی کوشش کریں، اور اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کریں، اپنے بارے میں اچھا سوچیں، اپنی

(١) "صحيح مسلم" كتاب الصلاة، ر: ٩٨٢، صـ١٨٥.
(٢) "دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين" تحت ر: ٤١٠٨٥، ٦/ ٥٦٨.

ذات اور اپنے فیصلوں پر یقین کرنا سیکھیں!۔

پُراعتماد شخصیات کی پیروی کا حکم

حضراتِ ذی وقار! خود اعتمادی (Self Confidence) کا حصول، فیصلہ کرنے کی صلاحیت، اور اس فیصلے پر قائم رہتے ہوئے، اُس کے نفاذ کو یقینی بنانے پر ہوتا ہے، جس طرح میدانِ جنگ میں ایک سپاہی کا اسلحہ نہیں، بلکہ اس کا جذبۂ ایمانی لڑتا ہے، اسی طرح زندگی کے ہر محاذ پر مشکلات اور چیلنجز کا سامنا کرنے، اور انہیں پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے، انسان کے اندر خود اعتمادی اور بلند ہمتی جیسی خصلت وصفات کا ہونا بہت ضروری ہے، اور یہ اللہ رب العزّت کے پسندیدہ کاموں میں سے ایک ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ ﷻ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُورِ، وَيَكْرَهُ سَفْسَافَهَا»[1] "یقیناً اللہ تعالی عمدہ کاموں کو پسند فرماتا ہے، اور بے کار کاموں کو ناپسند کرتا ہے"۔

اس حدیث پاک کی شرح میں علمائے کرام فرماتے ہیں کہ "جو اپنی صلاحیتیں، عظیم طبعی خصلتیں اپنانے میں صرف کرے، اللہ تعالی اس سے محبت فرماتا ہے"[2]۔

قرآنِ کریم نے بلند ہمت اور پختہ ارادہ رکھنے والوں کی پیروی کی ترغیب دی ہے، اللہ عزّوجلّ نے ارشاد فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾[3] "یہ ہیں جنہیں اللہ تعالی نے ہدایت دی، تو تم بھی انہی کی راہ پر چلو!"۔

---

(١) "المعجم الأوسط" من اسمه إبراهيم، ر: ٢٩٤٠، ٢/ ١٧٩.

(٢) "التيسير بشرح الجامع الصغير" حرف الهمزة، تحت ر: ١٨٨٩، ٢/ ١٩٣.

(٣) پ٧، الأنعام: ٩٠.

ذاتِ الٰہی جَلَّ جَلَالُہٗ پر بھروسا

عزیزانِ محترم! بعض لوگوں میں اپنی صلاحیتوں پر عدمِ اعتماد، خود پر بھروسا نہ ہونے کا سبب، بسا اوقات دل میں کامیابی کی شدید خواہش کا نہ ہونا بھی ہے، ایسے لوگ اپنی تمام تر قوّت وطاقت کو جمع کر کے اسے اپنے مقصد کی تکمیل میں لگانے کے بجائے، مایوسی کو خود سے زیادہ طاقتور تسلیم کر لیتے ہیں، لہٰذا اپنے آپ کو پُراعتماد شخصیت بنانے کے لیے یہ بھی ضروری ہے، کہ آپ جو بھی جائز کام کرنا چاہیں، پہلے اس پر اپنا مکمل ہوم ورک (Homework) کریں، اور پھر اللہ تعالی پر بھروسا کریں، اس سے مدد مانگیں، اور ہمت نہ ہاریں؛ کہ ایک مسلمان کے لیے یہی حکم ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ عَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾[1] "اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ ہی پر بھروسا کرو!"۔

اسی طرح مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: «احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِالله، وَلَا تَعْجَزْ!»[2] "جو چیز تمہارے لیے فائدہ مند ہو اُس کے لیے کوشش کرو، اور اللہ تعالی سے مدد بھی مانگو، اور ہمت ہار کر بیٹھ مت جاؤ!"۔

میرے بھائیو! جب بندہ اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں پختہ یقین کے ساتھ لَو لگا لیتا ہے، تو اللہ تعالی بھی اپنے بندے کو مایوس نہیں لَوٹاتا، اللہ تعالی کا فرمانِ عالی شان ہے: ﴿وَ لَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾[3] "اللہ تعالی کی رَحمت سے مایوس مَت ہو، یقیناً اللہ کی رَحمت سے کافر لوگ ہی نااُمید ہوتے ہیں!"۔

---

(۱) پ٦، المائدة: ٢٣.

(٢) "صحيح مسلم" كتاب القدر، ر: ٦٧٧٤، صـ١١٦١.

(٣) پ١٣، يوسف: ٨٧.

زندہ قوموں کا طرزِ عمل

حضراتِ گرامی قدر! دنیا میں انقلابات عدم کے پیٹ سے وُجود میں نہیں آتے، بلکہ زندہ قومیں خود اعتمادی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، انقلاب کے لیے زبردست محنت کرتی ہیں، بظاہر ناممکن نظر آنے والے کام کو بھی ممکن بناکر دکھاتی ہیں، اور لوگوں کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزّت نے قرآنِ مجید میں ہمیں اپنی ذات اور صلاحیتوں پر بھروسا کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾[1] "یقیناً اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی نعمت (اس وقت تک) نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں" ؏

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا![2]

مضبوط قوّتِ ارادی اور سچی لگن

جانِ برادر! ہر انسان اپنی خود اعتمادی، مضبوط قوّتِ ارادی، اور سچی لگن کے ساتھ اپنی کوششوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچاکر، مُعاشرے میں نا صرف نمایاں مقام حاصل کر سکتا ہے، بلکہ دوسروں میں بھی یہ جذبہ بیدار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے، کہ پہلے خود کو سچے جذبے اور مضبوط قوّتِ ارادی سے مزیّن کیا جائے!۔

علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ "بلند ہمتی انسان کو اونچے مقام تک پہنچاتی ہے، جیسے آگ شعلے کو بلند کرتی ہے"[3]۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) پ۱۳، الرعد: ۱۱.

(۲) "بہارستان، إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ، ۲۵۹۔

(۳) "عيون الأخبار" لابن قتيبة، كتاب السؤدد، الجزء ۱، صـ۳۳۵.

فرمایا: "مجھے میرا نفس (ضمیر) خوب سے خوب تر کے لیے اُبھارتا رہتا ہے"[۱]۔
معلوم ہوا کہ آدمی کی شان وعظمت اس کے مضبوط ارادوں سے بلند ہوتی ہے، اور وہ اپنی کوششوں سے بالآخر عظیم رُتبہ پالیتا ہے۔

مثبت سوچ

میرے بھائیو! اگر آپ واقعی دنیا میں کوئی بڑا کام کرنا چاہتے ہیں، تو سب سے پہلے اپنی سوچ کو وَسوسوں اور وَہموں سے نجات دلائیے؛ کیونکہ کسی بھی کام میں ناکامی یا کامیابی کی ایک بڑی وجہ انسان کی سوچ ہوتی ہے، اگر آپ یہ سوچتے ہیں کہ کہیں میں ناکام نہ ہوجاؤں! اپنی منزل یا اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوا تو کیا ہوگا؟! لوگ کیا کہیں گے؟! لہٰذا ایسے تمام برے خیالات کو دل ودماغ سے نکال باہر کیجیے، اور امید ویقین کی زندگی جینا شروع کریں؛ کیونکہ جب کوئی شخص اپنی قوّت وکارکردگی کے کمزور پہلو دیکھتا ہے، تو وہ نفسیاتی طور پر اپنی صلاحیت کا اعتماد کھودیتا ہے، اور نتیجہ ناکامی کی صورت میں نکلتا ہے، یاد رکھیے! انسانی جسم کی تمام قوتیں اعتماد کے زیرِ اثر ہیں، اگر انسان اپنا اعتماد کھودے، تو پورا جسم بھی حوصلہ ہار بیٹھتا ہے، جس کے سبب ناکامی وشکست اس کا مقدّر ٹھہرتی ہے۔

خود اعتمادی کی تعمیر

عزیزانِ مَن! ایک تحقیق کے مطابق ہر انسان میں اپنے جذبات اور نظریات کو قابو کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے اندر ذاتی طور پر بھی خود اعتمادی پیدا کرسکتے ہیں۔ جب انسان میں خود اعتمادی پیدا ہوجاتی ہے، تب اس کے اندر آگے بڑھنے کی صلاحیت بھی اُبھرنے لگتی ہے، لہٰذا اگر آپ بھی اپنے اندر خود

(۱) "البداية والنهاية" لابن كثير، خلافة عمر بن عبد العزيز رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، ٩/ ٢٠٨.

اعتمادی پیدا کرنا چاہتے ہیں، تو اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ خود سے برتر شخص کے ساتھ اپنا مُوازنہ ہرگز نہ کریں؛ کیونکہ ایسا کرنے سے آپ احساسِ کمتری کا شکار ہو جائیں گے! جس کام کے لیے آپ کو یہ محسوس ہوتا ہو کہ اسے آپ بالکل انجام نہیں دے سکتے، اُسے ضرور انجام دیجیے، اس پر ثابت قدم رہیے، اسے نامکمل ہرگز نہ چھوڑیں؛ کیونکہ آپ کی استقامت ہی درحقیقت آپ کی کامیابی کا زینہ ہے، حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «اِسْتَقِيمُوا تُفْلِحُوا!»[1] "ثابت قدم رہو، کامیاب ہو جاؤ گے!"۔

عزیزانِ محترم! آپ میں جو بھی صلاحیت یا خصوصیت ہو، جتنی بھی ہو، اس بناء پر اپنی تحسین اور اللہ رب العزّت کا شکر ضرور ادا کریں؛ کیونکہ شُکرِ نعمت کامیابی کا اہم ترین سبب ہے، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾[2] "اللہ تعالی کی نعمتیں یاد کرو؛ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ!" یعنی تم پر اس کی جو جو نعمتیں اور احسانات ہیں انہیں یاد کرو، اس کا وہ فضل جو اس نے تمہیں دوسروں پر فضیلت دے کر کیا، اس پر شکر ادا کرتے رہو؛ تاکہ وہ نعمتوں میں اضافہ فرمائے، تم کامیاب ہو جاؤ، اور آخرت میں تمہیں ہمیشہ کی کامرانی حاصل ہو، اور دنیا میں جو چاہتے ہو اس کے حقدار بن جاؤ!"[3]۔

حضراتِ گرامی قدر! جس طرح شکرِ نعمت مزید اِنعام واِکرام اور کامیابی کا سبب ہے، اسی طرح ناشکری اور کُفرانِ نعمت محرومی وناکامی کا باعث ہے،

(۱) "مسند الإمام أحمد" مسند الأنصار، ر: ۲۲٤۷۷، ۸/ ۳۳۰.

(۲) پ۸، الأعراف: ٦۹.

(۳) "تفسير الطَبَري" پ۸، الأعراف، تحت الآية: ٦۹، ۸/ ۲۸۰.

ارشادِ خداوندی ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾[١] "اگر احسان (شکر) مانوگے تو میں تمہیں مزید دُوں گا، اور اگر ناشکری کرو تو میرا عذاب بہت سخت ہے!"۔

حضرت سیّدُنا نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَنْ لَمْ يَشْكُرِ الْقَلِيْلَ، لَمْ يَشْكُرِ الْكَثِيْرَ»[٢] "جو قلیل نعمت کا شکریہ ادا نہیں کرتا، وہ کثیر پر بھی ناشکرا ہی رہتا ہے"۔

لہٰذا ماضی کی شکست اور ناکامیوں کمزوریوں کو ہرگز یاد نہ کریں، اور سب کچھ بھول بھال کر، اللہ ربّ العزّت کی عطاکردہ ہر چھوٹی بڑی نعمت اور صلاحیت پر اس کا شکر ادا کرتے ہوئے، تازہ ذہن سوچ فکر کے ساتھ نئے سرے سے کوشش کا آغاز کریں، ہمیشہ خود اپنی حَوصلہ افزائی کریں، اور دوسروں کے مقابل اپنے آپ کو کبھی حقیر نہ سمجھیں۔

میرے عزیز دوستو! خود اعتمادی بڑھانے کے لیے اس کا ایک نفسیاتی علاج یہ بھی ہے، کہ بار بار خود کو یہ یقین دلاتے رہیں کہ "آپ بہت پُر اعتماد ہیں"، اس طرح کرنے سے آپ کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوگا، اور اگر کوئی بات کسی کے سامنے دہرانے سے آپ کو خوف محسوس ہوتا ہو، اور زبان کھولنا دُشوار ہو جاتا ہو، تو اس بات کو اتنی بار دہرائیے، کہ آپ کے دل سے اس کا خوف ختم ہو جائے، اور خود اعتمادی پیدا ہو جائے، جب کسی کام کے صحیح انجام کا یقین ہو جائے تو اس کام کو ضرور انجام دیجیے، اور اس سلسلے میں دوسروں کے مذاق اڑانے کی پرواہ ہرگز نہ کریں، نہ ہی یہ سوچ کر احساسِ کمتری کا شکار ہوں کہ لوگ کیا کہیں گے!۔

---

(١) پ ١٣، إبراهيم: ٧.

(٢) "مسند الإمام أحمد" حديث النعمان بن بشير، ر: ١٨٤٧٦، ٦/ ٣٩٤.

ہمت نہ ہاریں

حضراتِ گرامی قدر! تمام تر کوشش اور کامیابی کا مکمل یقین ہونے کے باوُجود، اگر بالفرض ناکامی کا سامنا کرنا پڑے تو ہمت نہ ہاریں، بلکہ دوبارہ کوشش کریں، حضرت سیّدُنا عمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «لَا تُصَغِّرَنَّ هِمَّتَكُمْ؛ فَإِنِّي لَمْ أَرَ أَقْعَدَ عَنِ المَكْرُمَاتِ مِنْ صِغَرِ الْهِمَمِ»[1] "اپنی ہمتیں پست نہ کرو؛ کہ میں نے کبھی کسی کم ہمت کو بلند مقام حاصل کرتے نہیں دیکھا"۔

اس کے باوُجود بھی کامیابی نہ ملے تو صبر کریں؛ کہ بلند ہمتی انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہے، اللہ ربّ العزّت ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾[2] "تم بھی صبر کرو جیسے ہمت والے رسولوں نے صبر کیا"۔ اور ہمت والے لوگ وہ ہیں جو کوشش، صبر اور بلند ہمتی سے کام لیں[3]۔ اللہ تعالی کی لکھی تقدیر و تقسیم پر راضی رہیں، کسی قسم کے شکوہ، شکایت اور حسرت و نَدامت کا شکار نہ ہوں۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اِسی بات کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: «فَإِنْ غَلَبَكَ أَمْرٌ، فَقُلْ: قَدر الله وَمَا شَاءَ فَعَلَ، وَإِيَّاكَ وَاللَّوْ؛ فَإِنَّ اللَّوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ»[4] "جب کسی غم و پریشانی میں مبتلا ہو جاؤ، تو یہ کہا کرو کہ "اللہ نے یہی مقدّر کیا تھا، اور اُس نے جو چاہا کیا" اور شکوک و شُبہات سے دُور رہا کرو؛ کہ شکوک و شُبہات شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتے ہیں"۔

---

(١) "أدب الدنيا والدين" للماوردي، البَابُ الخَامِسُ، صـ٣١٩.

(٢) پ٢٦، الأحقاف: ٣٥.

(٣) "تفسير البَغَوي" الأحقاف، تحت الآية: ٣٥، ٤/ ١٧٦.

(٤) "سنن ابن ماجه" باب التوكّل واليقين، ر: ٤١٦٨، صـ٧١٣.

دعا

اے اللہ! ہمیں عمدہ اور عظیم کاموں کے انجام دہی کی توفیق عطا فرما، ہمیں بلند ہمتی اور توکُّل کی سعادت عطا فرما، ہمیں خود اعتمادی کی دولت سے مالا مال فرما، ہمیں اچھے اچھے کام کرنے کی سعادت نصیب فرما، انہیں اچھے انداز سے انجام دینے کی ہمت وطاقت عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان کا نظامِ خلافت

(جمعۃ المبارک ۱۹ جُمادی الآخرۃ ۱۴۴۱ھ - ۲۰۲۰/۲/۱۴ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

آپ کا مختصر تعارُف

عزیزانِ محترم! حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا نام عبد اللہ، لقب صدیق اور عتیق ہے۔ آپ کے والد کا نام ابو قُحافہ عثمان، اور والدہ ام الخیر سلمٰی ہیں۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا سلسلۂ نَسَب ساتویں پُشت میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے نَسَب شریف سے مل جاتا ہے۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نبئ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے تقریبًا ۲ سال چھوٹے ہیں۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے مَردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ زمانۂ جاہلیت میں بھی قوم میں معزّز ومکرّم تھے۔ آپ نے قبلِ اسلام بھی کبھی شراب نہیں پی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تمام غزوات میں شریک رہے۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہجرت کے موقع پر حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے رفیقِ سفر اور یارِ غار بھی رہے[1]۔

---

(١) "تاريخ الخلفاء" الخليفة الأوّل: أبو بكر الصدّيق رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، صـ٤١ ملخصاً.

حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شانِ اقدس میں بعض قرآنی آیات

میرے محترم بھائیو! حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شانِ اقدس میں، قرآنی آیات بھی نازل ہوئیں، مکۂ مکرّمہ سے ہجرت کے وقت رحمتِ عالمیان صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم، اور حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ دورانِ سفر غارِ ثَور میں بھی رہے، اللہ تعالی نے اس واقعہ کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾[1] "صرف دو ۲ جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے، جب اپنے دوست سے فرماتے تھے، کہ غم نہ کرو؛ یقیناً اللہ تعالی ہمارے ساتھ ہے!" یعنی مصطفی جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم حضرت سیّدنا ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو تسلّی دے رہے تھے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں، کہ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی صحابیت اس آیت سے ثابت ہے[2]، لہٰذا جو شخص حضرت سیّدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی صحابیت کا انکار کرے، وہ اس آیتِ قرآنی کا منکِر ہو کر کافِر ہوا[3]۔

برادرانِ اسلام! اسی طرح حضرت سیّدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے، جب حضرت سیّدنا بلال حبشی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بہت بھاری قیمت پر خرید کر آزاد کیا، تب کفّار کو حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا، کہ ابوبکر نے ایسا کیوں کیا؟ شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہوگا! جو انہوں نے اتنی گراں قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا! اس پر یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی: ﴿وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى﴾[4] "کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے" یعنی حضرت سیّدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہ کام محض اللہ تعالی کی رضا

---

(۱) پ۱۰، التوبة: ٤٠.
(۲) "تاريخ الخلفاء" الخلفاء الراشدون، صـ٢٦-٣٠ ملخصاً.
(۳) "الدرّ المختار" كتاب الصلاة، باب الإمامة، ٣/ ٥٣٤ ملخصاً.
(٤) پ٣٠، الليل: ١٩.

کے لیے ہے، کسی کے احسان کا بدلہ نہیں، اور نہ ان پر حضرت سیّدنا بلال رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا کوئی احسان ہے۔ لہذا ہمیں بھی کسی پر احسان کے بدلے میں نہیں، بلکہ ہر نیک کام صرف اللہ تعالی کی رضا و خوشنودی کے لیے انجام دینا چاہیے۔

واقعۂ معراج کی تصدیق

رفیقانِ ملّتِ اسلامیہ! سیّدنا ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے لقب "صدیق" کا سبب بیان کرتے ہوئے، امّ المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا: «لَمَّا أُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى، أَصْبَحَ يَتَحَدَّثُ النَّاسُ بِذَلِكَ فَارْتَدَّ نَاسٌ، فَمَنْ كَانَ آمَنُوا بِهِ وَصَدَّقُوهُ، وَسَمِعُوا بِذَلِكَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، فَقَالُوا: هَلْ لَكَ إِلَى صَاحِبِكَ يَزْعُمُ أَنَّهُ أُسْرِيَ بِهِ اللَّيْلَةَ إِلَى بَيْتِ المقدسِ؟ قَالَ: أَوَ قَالَ ذَلِكَ؟ قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: لَئِنْ كَانَ قَالَ ذَلِكَ لَقَدْ صَدَقَ، قَالُوا: أَوَ تُصَدِّقُهُ أَنَّهُ ذَهَبَ اللَّيْلَةَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَجَاءَ قَبْلَ أَنْ يُصْبِحَ؟ قَالَ: نَعَمْ، إِنِّي لَأُصَدِّقُهُ فِيمَا هُوَ أَبْعَدُ مِنْ ذَلِكَ! أُصَدِّقُهُ بِخَبَرِ السَّمَاءِ فِي غَدْوَةٍ أَوْ رَوْحَةٍ!»[1].

"جب نبئ رحمت صَلَّى اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کو رات کے قلیل حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی گئی، تو آپ صَلَّى اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صبح لوگوں کے سامنے اس واقعہ کو بیان فرمایا، لوگوں نے اس بارے میں چہ مگوئیاں کیں، کچھ لوگ اس سے انکاری ہوکر مرتد ہوئے، اور ایمان والوں نے اس کی تصدیق کی۔ پھر دوڑتے ہوئے حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے: آپ اپنے دوست (محمد) کے بارے میں کیا

(١) "مستدرَك الحاكم" أبو بكر بن أبي قُحافة رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، ر: ٤٤٠٧، ٥/ ١٦٦٥.

کہتے ہیں؟ جو وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ کی سیر کی! آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا: کیا حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے واقعی یہ فرمایا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ اگر حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ فرمایا! لوگوں نے کہا کہ کیا آپ اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہیں، کہ وہ رات بیت المقدس گئے اور صبح ہونے سے پہلے واپس بھی آ گئے؟ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ ہاں، میں تو اُن کی آسمانی خبروں کی بھی صبح و شام تصدیق کرتا ہوں، جو اس بات سے بھی زیادہ حیران کُن اور تعجب والی بات ہے!"۔

الحمد للہ، ہم اہلِ ایمان کا بھی یہی عقیدہ ہے، کہ اللہ تعالی نے رات کے ایک قلیل حصہ میں، اپنے حبیبِ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصی تک کی سیر کرائی[1]، پھر وہاں سے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کو آسمانوں کی سیر کو لے گیا[2]، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کو عرش وکرسی دکھائی، اور پھر خود اپنی ملاقات کا شرفِ عظیم بھی بخشا![3]۔

سیّدنا صدیقِ اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے محبت کا صِلہ

عزیز دوستو! حضرت سیّدنا اَنس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سیّدنا جبریل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے فرمایا: «يا جبريلُ! على أمّتي حسابٌ؟ فقال: نعم، عليهم حسابٌ ما خلا أبا بكر الصّديق، ليس عليه حسابٌ. قيل: يا أبا بكرٍ ادخُلِ الجنّةَ! قال: لن أَدخُلَها حتّى أدخِلَ معي مَن أحبَّني في دار الدّنيا!»[4] "میں نے جبریل سے پوچھا کہ کیا میری امّت کا

---

(۱) انظر: پ۱۵، الإسراء: ۱.

(۲) انظر: "صحيح البخاري" كتابُ مناقب الأنصار، بابُ المِعْرَاج، ر: ۳۸۸۷، صـ۶۵۲.

(۳) انظر: "سنن الترمذي" [باب ومن] سورة ص، ر: ۳۲۳٤، صـ۷۳۵ ملخصاً.

(٤) "تاريخ دِمشق" لابن عساكر، تحت ر: ۳۳۹۸- عبد الله ...إلخ، ۳۰/ ۱۵۳.

حساب ہو گا؟ حضرت جبریل نے عرض کی: جی ہاں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا تمام لوگوں کا حساب ہو گا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا جائے گا، کہ اے ابو بکر! جنّت میں داخل ہو جاؤ! وہ کہیں گے کہ جب تک دنیا میں مجھ سے محبت رکھنے والوں کو جنّت میں داخل نہ کرالوں، میں جنّت میں داخل نہیں ہوں گا!"۔ اس سے ثابت ہوا کہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت بھی جنّت میں داخلے کا اہم سبب وذریعہ ہے۔

خلیفۂ اوّل

حضراتِ گرامی قدر! سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ شخصیت ہیں، جنہیں سرکارِ اَبد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرضیتِ حج کے بعد، پہلے ہی سال امیر الحجاج مقرّر فرمایا، اور انہیں اپنے سامنے مرض الوفات میں اپنی جگہ نماز کے لیے امام مقرّر فرمایا۔ حضرت سیّدنا مولا علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم- کا ارشاد ہے: «لَمَّا قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ نَظَرْنَا فِي أَمْرِنَا، فَوَجَدْنَا النَّبِيَّ ﷺ قَدْ قَدَّمَ أَبَا بَكْرٍ فِي الصَّلاَةِ، فَرَضِينَا لِدُنْيَانَا مَنْ رَضِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِدِينِنَا، فَقَدَّمْنَا أَبَا بَكْرٍ»[1] "نبئ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وِصال کے بعد، جب ہم نے غور کیا (تو اس نتیجہ پر پہنچے) کہ جب نماز کے مُعاملہ میں نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیّدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقدّم فرمایا، اور ہمارے دین کے لیے انہیں امام بنانا پسند فرمایا، تو ہم دنیاوی مُعاملات میں بھی ان پر راضی ہو گئے، یعنی ہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کر کے، انہیں خلیفہ مقرّر کر دیا"۔ اس سے پتا چلا کہ سب سے پہلے خلیفہ سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اور یہی ہم اہلِ اسلام کا نظریہ ہے۔

---

(۱) "الطبقات الکبری" لابن سعد، ر: ۳٤۳۳، ۳/ ۱٦۷.

خطبۂ خلافت

حضرت سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرّر ہونے کے بعد، منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد، پہلا خطبۂ خلافت ارشاد فرمایا: «أَمَّا بَعْدُ: أَيُّهَا النَّاسُ! فَإِنِّي قَدْ وُلِّيتُ عَلَيْكُمْ، وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ، فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي، وَإِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُونِي. الصِّدْقُ أَمَانَةٌ، والكذبُ خيانةٌ، والضعيفُ منكم قويٌّ عندي حتّى أزيحَ علّته إِنْ شَاءَ الله، وَالْقَوِيُّ فِيكُمْ ضَعِيفٌ حَتَّى آخُذَ منه الحقَّ إِنْ شَاءَ الله، لَا يَدعُ قَوْمٌ الجِهَادَ فِي سَبِيلِ الله إِلَّا ضَرَبَهُمُ اللهُ بِالذُّلِّ، ولا يشيعُ قومٌ قطُّ الفاحشةَ إِلَّا عَمَّهُمُ اللهُ بِالبَلَاءِ، أَطِيعُونِي مَا أَطَعْتُ اللهَ وَرَسُولَهُ، فَإِذَا عَصَيْتُ اللهَ وَرَسُولَهُ فَلَا طَاعَةَ لِي عَلَيْكُمْ! قُومُوا إِلَى صَلَاتِكُمْ يَرْحَمُكُمُ اللهُ!»[1].

"لوگو! میں تمہارا امیر بنادیا گیا ہوں، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرنا، اور اگر برا کروں تو مجھے درست راہ بتادینا۔ سچائی ایک امانت ہے، اور جھوٹ خیانت ہے۔ جو تم میں کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے، اللہ تعالی نے چاہا تو میں اس کا شکوہ دُور کردُوں گا، اور جو تم میں طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے، تو ان شاء اللہ تعالی میں اس سے کمزور کا حق لے کر رہوں گا۔ جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے، اللہ جلّ جلالہ اس پر ذِلّت مسلّط کردیتا ہے، اور جس قوم میں بے حیائی عام ہوجائے، اللہ تعالی ان پر مصیبت عام کردیتا ہے۔ جب تک میں اللہ ورسول کی اِطاعت کروں، تم بھی میری فرمانبرداری کرنا، اور جب میں اللہ ورسول کی نافرمانی کروں، تو تم پر میری

(۱) "البداية والنهاية" ذكر اعتراف سعد بن عبادة بصحّة ...إلخ، ٥/ ٢٤٨.

اِطاعت لازم نہیں !اچھا اب نماز کو اٹھو، اللہ تعالی تم سب پر رحم فرمائے!"۔

یہ خطبہ اپنے اختصار کے باوُجود اہم ترین اسلامی خطبات میں سے ایک ہے، اس خطبہ میں حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاکم اور رِعایا کے درمیان مُعاملات کے سلسلہ میں عدل ورحمت کے قواعد بیان فرمائے، اس بات پر یاد دہانی کرائی کہ حُکّام کی اِطاعت، اللہ ورسول کی اطاعت پر منحصر ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی طرف توجہ دلائی؛کیونکہ جہاد اس امّت کی عزّت وشان کے لیے انتہائی اَہمیت کا حامل ہے۔ نیز بے حیائی اور فحاشی کے کاموں سے اجتناب پر زور دیا؛کیونکہ مُعاشرے کو فتنہ وفساد سے بچانے کے لیے، یہ چیز بھی انتہائی ضروری ہے۔

بحیثیتِ امیر المؤمنین آپ کا ذریعۂ مُعاش

محترم بھائیو! حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعتِ خلافت کے دوسرے روز، کچھ چادریں لے کر بازار جارہے تھے، حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا: «أين تريدُ؟» "آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟" فرمایا: «إلى السُّوقِ» "(بغرضِ تجارت) بازار جارہا ہوں"، حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: «تصنعُ ماذا وقد وُلِّيتَ أمرَ المسلمينَ؟!» "آپ یہ کیا کررہے ہیں؟ اب آپ مسلمانوں کے امیر ہیں!" یہ سن کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «فمِن أين أُطعِم عِيالي؟» "(اگر میں یہ کام نہ کروں) تو پھر اپنے اہل وعِیال کو کہاں سے کھلاؤں گا؟" حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: «انطلِقْ، يَفرِض لك أبو عبَيدةَ» "آپ واپس چلیے، آپ کے اِخراجات حضرت ابوعبَیدہ طے کریں گے" پھر یہ دونوں حضرات سیّدنا ابوعبیدہ بن جرّاح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے، حضرت

سیّدنا ابو عبیدہ نے فرمایا: «أَفرَضُ لك قُوتَ رجلٍ من المهاجرين، ليس بأفضلِهم ولا أوكَسِهم، وكِسوةَ الشِّتاءِ والصَّيفِ، إذا أخلقتَ شيئاً رددتَه وأخذتَ غيرَه!» "میں آپ (حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اَہل وعِیال کے لیے) ایک اَوسط درجے کے مہاجر کی خوراک کا اندازہ کرکے روزینہ، اور موسمِ سرما وگرما کا لباس مقرّر کرتا ہوں، اس طور پر کہ جب وہ لباس قابلِ استعمال نہ رہے، تو واپس دے کر دوسرا لے لیا کریں" چنانچہ حضرت ابو عبیدہ بن جرّاح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے آدھی بکری کا گوشت، لباس اور روٹی مقرّر کردی[1]۔

اس واقعہ میں ہر جگہ اور ہر دَور کے حکمرانوں کے لیے یہ واضح پیغام ہے، کہ وہ بیت المال میں سے اتنی تنخواہ لیں، جتنی ایک اَوسط درجہ کے ملازِم کی اُجرت ہوا کرتی ہے، یعنی شاہ خرچی سے بچ کر، ملک وقَوم کی حقیقی خدمت انجام دیں، تب ان کی رِعایا انہیں خیر وبرکت کی دعاؤں سے نوازے گی، جس سے ان کی دنیا اور آخرت سَنوَر جائے گی۔

اہلِ بیت کِرام سے آپ کی محبت ومودَّت

عزیزانِ محترم! عموماً انسان جس سے محبت کرتا ہے، اس سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے محبت کرنے لگتا ہے۔ حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء، اور حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے، جب حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق سے مطالبہ کیا، کہ خیبر اور فدک کی جائیداد (رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی میراث کے طور پر ان میں تقسیم کی جائے! تب اس مطالبہ کے جواب میں حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، کہ میں نے نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے: «لَا نُورثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ، إِنَّمَا

(١) "تاريخ الخلفاء" الخلفاء الراشدون، صـ٦٣ ملخصاً.

يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ فِي هَذَا الْمَالِ» "ہم (نبیوں کے) مال میں وراثت نہیں ہوا کرتی، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے، البتہ آلِ محمد اس میں سے نفقہ لے سکتے ہیں"۔ اُس پروَردگار کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابتداری مجھے اپنے اَقرِباء سے زیادہ محبوب ہے!"[1]۔

چنانچہ حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جائیداد کا وہی انتظام کیا جو رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں ہوا کرتا تھا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں سے سال بھر کے لیے اہلِ بیت کا نفقہ نکالتے، اس کے بعد جو باقی بچتا اسے اللہ کا مال قرار دیتے، یعنی مسافروں، غریبوں، مسکینوں اور حاجتمندوں پر صرف کیا کرتے۔ جس طرح تاجدارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت، ایمان کا حصہ اور اس کا کمال، بلکہ حقیقتِ ایمان ہے، سرکارِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے والی ہر چیز، بالخصوص اہلِ بیتِ اَطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت بھی ایمان کا تقاضا ہے!۔

بدعات کا سدِّباب

جانِ برادر! تمام اَدیان کے مسخ ہو جانے کی اصل وجہ وہ بدعات ہیں، جو رفتہ رفتہ جزوِ مذہب ودین بن کر، اس کی اصلی صورت اس طرح بدل دیتی ہیں، کہ اصل دین کی صحیح تعلیم و متبعین کی ایجادات میں امتیاز وفرق دشوار ہو جاتا ہے۔ حضرت سیّدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَور میں بدعات بہت کم پیدا ہوئیں، تاہم جب کبھی کسی بدعت کا ظہور ہوا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے مٹانے میں پورا زور لگا دیا۔

ایک بار حج کے موقع پر قبیلہ احمس کی عورت کے بارے میں معلوم ہوا، کہ وہ

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب المغازي، ر: ٤٠٣٥، ٤٠٣٦، صـ٦٨٢.

گفتگو نہیں کرتی، آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ نے وجہ پوچھی: «مَا لَهَا لَا تَكَلَّم؟» "وہ کلام کیوں نہیں کرتی؟" لوگوں نے بتایا کہ اس نے خاموش حج کا ارادہ کیا ہے، یہ سن کر آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ نے اس عورت سے فرمایا: «تَكَلَّمِي! فَإِنَّ هَذَا لَا يَحِلُّ، هَذَا مِنْ عَمَلِ الجَاهِلِيَّةِ!» "یہ زمانۂ جاہلیت کا طریقہ ہے، یہ جائز نہیں، تم بات چیت کرلو!" اس عورت نے بات کی اور کہا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا: «أَنَا أبو بَكْرٍ»[1] "میں ابوبکر ہوں"۔

انتقال سے قبل بیت المال سے لیے گئے سامان کی واپسی کی وصیت

حضرت سیّدنا امام حسن مجتبیٰ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ نے فرمایا: «لَمَّا احْتُضِرَ أبو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: يَا عَائِشَةُ! انْظُرِي اللِّقْحَةَ الَّتِي كُنَّا نَشْرَبُ مِنْ لَبَنِهَا، وَالْجَفْنَةَ الَّتِي كُنَّا نَصْطَبِحُ فِيهَا، وَالْقَطِيفَةَ الَّتِي كُنَّا نَلْبَسُهَا، فَإِنَّا كُنَّا نَنْتَفِعُ بِذَلِكَ حِينَ كُنَّا فِي أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ، فَإِذَا مِتُّ فَارْدُدِيهِ إِلَى عُمَرَ، فَلَمَّا مَاتَ أبو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَرْسَلَتْ بِهِ إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ: رَضِيَ اللهُ عَنْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ! لَقَدْ أَتْعَبْتَ مَنْ جَاءَ بَعْدَكَ!»[2].

"حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا، کہ اے عائشہ دیکھو! یہ اونٹنی جس کا ہم دودھ پیتے ہیں، اور یہ بڑا پیالہ جس میں ہم پیتے ہیں، اور یہ چادر جو ہم اوڑھتے ہیں، ان سے اسی وقت تک نفع اٹھا سکتے ہیں جب تک ہم مسلمانوں کے امرِ خلافت انجام دیتے رہیں گے، جس وقت میں وفات پاجاؤں تو یہ تمام سامان حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کو لَوٹا دینا۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کا انتقال ہوا، تو حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہَا نے یہ تمام چیزیں

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب مناقب الأنصار، ر: ۳۸۳٤، صـ٦٤٣ ملتقطاً.

(۲) "المعجم الكبير" سن أبي بكر وخطبته ووفاته رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، ر: ۳۸، ۱/ ٦۰.

حسبِ وصیت حضرت سیّدنا عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بھیجوادیں، اس پر حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: اے ابوبکر اللہ آپ پر رحم فرمائے! کہ آپ نے تو اپنے بعد آنے والوں کو تھکا دیا ہے!" یعنی آپ نے اپنے بعد والوں کو بھی انتہائی احتیاط کی تاکید ورہنمائی فرمادی ہے۔

آپ کا وصال شریف

میرے دوستو اور بزرگو! سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے، کہ سیّدنا ابوبکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے (آخری ایّام میں) جب مرض میں اضافہ ہوا، تو انہوں نے پوچھا: «أَيُّ يَوْمٍ هَذَا؟» "آج کونسا دن ہے؟" ہم نے عرض کی: پیر کا دن ہے، فرمایا: «فَأَيُّ يَوْمٍ قُبِضَ فِيهِ رَسُولُ الله ﷺ؟» "رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے کس دن وصال فرمایا؟" سیّدہ عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے عرض کی: پیر کے دن رحلت فرمائی، اس پر فرمایا: «فَإِنِّي أَرْجُو مَا بَيْنِي وَبَيْنَ اللَّيْلِ»[1] "مجھے امید ہے کہ میں آج دن یا رات میں کسی وقت فوت ہو جاؤں گا!"۔

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی وصیت وتدفین

محترم حضرات! حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے مرضِ وفات میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا: «إِذَا مِتُّ وَفَرَغْتُمْ مِنْ جِهَازِي، فَاحْمِلُونِي حَتَّى تَقِفُوا بِبَابِ الْبَيْتِ، الَّذِي فِيهِ قَبْرُ النَّبِيِّ ﷺ، فَقِفُوا بِالْبَابِ وَقُولُوا: "السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ الله! هَذَا أَبو بَكْرٍ يَسْتَأْذِنُ!" فَإِنْ أُذِنَ لَكُمْ وَفُتِحَ الْبَابُ -وَكَانَ الْبَابُ مُغْلَقاً- فَأَدْخِلُونِي فَادْفِنُونِي، وَإِنْ لَمْ يُؤْذَنْ لَكُمْ فَأَخْرِجُونِي إِلَى الْبَقِيعِ وَادْفِنُونِي».

"جب میں انتقال کر جاؤں، اور تم لوگ میرے غسل وکفن سے فارغ ہو چکو، تو

(١) "مسند الإمام أحمد" مسند السيِّدة عائشة رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا، ر: ٢٤٢٤١، ٩/ ٢٩٧.

میرا جنازہ اُٹھا کر نبئ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے روضۂ مبارکہ کے دروازے پر رکھ دینا، اور عرض کرنا: "اے اللہ کے رسول آپ پر سلامتی ہو! یہ ابوبکر اجازت چاہتا ہے!" اگر اجازت مل جائے اور دروازہ کھل جائے (کیونکہ وہ دروازہ بند رہتا تھا) تو مجھے اندر لے جا کر دفن کر دینا، اور اگر اجازت نہ ملے تو اُٹھا کر بقیع میں دفن کر دینا" لوگوں نے ایسا ہی کیا، اور درِ نبی پر پہنچ کر یہ گزارش کی، تو دروازے کا تالا گرا اور دروازہ کھل گیا، اور روضۂ پاک کے اندر سے آواز آئی کہ "محبوب کو محبوب سے ملادو؛ کہ حبیب اپنے حبیب کی ملاقات کا مشتاق ہے"[1]۔

۱۳ سنِ ہجری ۲۲ جُمادی الآخرہ کو آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا وصال ہوا، لہذا اس دن آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا دن، عقیدت واحترام سے منایا جاتا ہے۔

صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم میں سب سے افضل

ہم اہلِ سنّت وجماعت کا عقیدہ ونظریہ ہے، کہ انبیاء ومرسلین عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے بعد، تمام لوگوں میں سب سے افضل، حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں[2]۔

دعا

اے اللہ! ہمیں سیّدنا صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی سچی محبت، ان کی شکرگزاری، اور ان کی سیرتِ طیّبہ پر عمل کی توفیق عطا فرما، ہمیں ایسے پابندِ شریعت حکمران عطا فرما، جو وطن عزیز میں نظامِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نافذ کریں، جو اپنے طرزِ حکمرانی میں تیرے حبیبِ کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم اور ان کے خلفائے راشدین کی اتّباع کریں، ہر طرف عدل وانصاف کا دَور دَورہ ہو جائے، آمین یا ربّ العالمین!۔

---

(۱) "الشريعة" للآجرّي، باب ذكر دفن ...إلخ، تحت ر: ۱۸۶۱، ٥/ ۲۳۸۲.

(۲) "شرح العقائد النَّسَفية" صـ۲۲۷.

شعائرِ اسلام کی عظمت اور ہماری ذمہ داری

(جمعۃ المبارک:۱۹جُمادی الآخرۃ۱۴۴۱ھ-۱۴ /۰۲/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

برادرانِ اسلام! دینِ اسلام کے خلاف کفّار ومشرکین اور مُلحِد وبے دین لوگ ہمیشہ سے برسرِ پیکار رہے ہیں، حق وباطل کی یہ جنگ تیر وتلوار اور قلم وقرطاس سے لے کر، آج الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا(Electronic and print media) تک، ہر محاذ پر پوری شدّت سے جاری وساری ہے۔ ہر دَور میں اس کے مختلف انداز رہے ہیں، ہمارے زمانے میں اسلام کی خیر خواہی کے نام پر مسلمانوں کو ڈَسنا، اسلام کے قطعی اَحکام کو محض مفروضوں کی بنیاد پر جرح وتنقید کا نشانہ بنانا، "لبیک یا رسولَ اللہ" کا نعرہ لگاکر، اپنے نبی ﷺ سے محبت کے اظہار کو، بلیک میلنگ بتانا، مساجد اور مدارسِ دِینیہ کو بے حیائی اور فحاشی کے اڈّے ظاہر کرنا، علمائے دِین اور حقیقی ثناء خوانِ مصطفی ﷺ کی توہین اور کردار کشی کرنا، مغربی تہذیب سے مغلوب زدہ فلموں، ڈراموں میں ماں باپ، بہن بھائی، اور بیٹا بیٹی جیسے پاکیزہ رشتوں کی حرمت اور تقدّس کو پامال کرنا، آج مُلحِدین کا طُرّۂ امتیاز اور پسندیدہ مشغلہ ہے۔

راہِ حق سے پھرنے والے انہی ملحدین سے متعلق، حدیثِ پاک میں حضرت سیّدُنا عیاض مجاشعی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: «أَلَا إِنَّ رَبِّي أَمَرَنِي أَنْ أُعَلِّمَكُمْ مَا جَهِلْتُمْ، مِمَّا عَلَّمَنِي يَوْمِي هَذَا، ...إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ»[۱] "سنو! یقیناً میرے رب نے مجھے حکم دیا، کہ جو اُس نے مجھے آج سکھایا ہے میں تمہیں وہ سکھادوں، جس سے تم ناواقف ہو(اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:)...یقیناً میں نے اپنے بندوں کو راہِ حق پر پیدا کیا، پھر شیاطین ان کے پاس آئے اور انہیں ان کے دِین سے پھیر دیا"۔

علمائے دین کی کردار کشی

حضراتِ ذی وقار! صرف اسی پر اِکتفاء نہیں، بلکہ دجّالی قوّتوں کی جانب سے علمائے اسلام اور مذہبی شخصیات کے کردار پر کیچڑ اُچھال کر، ناموسِ رسالت کے قانون (295C) کے خلاف سازش رچائی جارہی ہے، اور یہ تاثّر دینے کی کوشش کی جارہی ہے، کہ اس قانون کے تحت جو گستاخانِ رسول سزا بھگت رہے ہیں، وہ سب بے گناہ وبے قصور ہیں، جبکہ ان پر بنائے جانے والے مقدّمات علمائے دین کے ذاتی جھگڑوں اور دشمنی کا شاخسانہ ہے (معاذ اللہ)!۔

دینی معلومات سے بے خبر ایسے لوگوں کو یہ بات خوب ذہن نشین کرلینی چاہیے، کہ کسی عام مسلمان سے متعلق غلط وبے بنیاد تہمتوں کا بازار گرم کرنا، اُسے ناحق تکلیف واذیت دینا، حرام اور اللہ تعالی کی شدید ناراضگی کا سبب ہے۔

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الجنة ...إلخ، ر: ٧٢٠٧، صـ١٢٤١ ملتقطاً.

ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾[1] "جو ایمان والے مَردوں اور عورتوں کو بے قصور ستاتے ہیں، انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لے لیا"۔

رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ آذَى مُسْلِماً فَقَدْ آذَانِي! وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللهَ!»[2] "جس نے ناحق کسی مسلمان کو اِیذا دی، یقیناً اس نے مجھے اِیذا دی! اور جس نے مجھے اِیذا دی اس نے اللہ عزّوجلّ کو اِیذا دی!"۔

اسی طرح کسی مسلمان کی غیبت کرنے، اور اس کے عیبوں کو لوگوں میں مشہور کرنے والے کو، باز رہنے کی تنبیہ کرتے ہوئے مصطفی جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الإِيمَانُ قَلْبَهُ! لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ، وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ؛ فَإِنَّهُ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ يَتَّبِعِ اللهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِي بَيْتِهِ»[3] "اے وہ لوگو جو صرف زبان سے اسلام لائے اور ابھی ایمان اُن کے دلوں میں نہیں اُترا! مسلمانوں کی غیبت نہ کرو! اُن کی عیب جُوئی نہ کرو! جو اپنے مسلمان بھائی کے عیوب کی تلاش میں رہے گا، اللہ تعالی اس کے عیبوں کو ظاہر فرمادے گا، اور جس کے ساتھ اللہ تعالی ایسا مُعاملہ فرمائے، وہ اپنے گھر کے اندر بھی اللہ تعالی کی طرف سے مسلّط کردہ ذِلّت وخواری سے نہیں بچ سکتا!"۔

---

(۱) پ ۲۲، الأحزاب: ۵۸.

(۲) "المعجم الأوسط" باب السين، من اسمه سعيد، ر: ۳۶۰۷، ۲/ ۳۸۷.

(۳) "سنن أبي داود" كتاب الأدب، باب في الغيبة، ر: ٤٨٨٠، صـ٦٨٨.

اور اگر مُعاملہ صحیح العقیدہ اور باعمل سُنّی علمائے دین کا ہو، تو مُعاملہ اس سے بھی سخت تر ہے؛ کہ یہ حضرات کتاب اللہ کے وارث، اور اللہ تعالی کے چُنیدہ بندے ہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾(۱) "پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چُنے ہوئے بندوں کو"۔ لہذا علمائے دین کے کردار پر انگلی اٹھانے والے کو، اللہ رب العالمین کے اس فرمان پر بار بار غور کرنا چاہیے۔

امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "عالمِ شریعت اگر اپنے علم پر عامل بھی ہو (تو وہ) چاند ہے، کہ آپ ٹھنڈا اور تمہیں روشنی دے، ورنہ شمع ہے کہ خود جلے مگر تمہیں نفع دے"(۲)۔

حضراتِ ذی وقار! اللہ تعالی نے علمائے کرام کی عظمت وشان کو خوب اعلیٰ وافضل کیا، ان کی بلندئ درجات کو خاص طور پر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾(۳) "اللہ تمہارے ایمان والوں کے، اور علم والوں کے درجات بلند فرماتا ہے"۔

دنیا بھر کے مسلمانوں کو، تاقیامت ان علماء کی بارگاہ سے رجوع کرنے کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(٤) "اگر تمہیں علم نہیں تو علم والوں سے پوچھو!"۔

---

(۱) پ ۲۲، الفاطر: ۳۲.

(۲) "فتاوی رضویہ، کتاب الحظر والاِباحۃ، عالم باعمل چاند اور عالم بے عمل شمع ہے، ۱۷/۱۳۸۔

(۳) پ ۲۸، المجادلۃ: ۱۱.

(٤) پ ١٤، النحل: ٤٣.

علمائے دین کی شان بتاتے ہوئے، اللہ تعالی نے اپنے حبیبِ کریم ﷺ سے ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾[1] "اے حبیب آپ ان سے فرما دیجیے! کہ کیا برابر ہیں علم والے اور بے علم ؟!"۔

اللہ جَلَّ جَلالُہ نے ان کا شمار اپنے ڈرنے والے بندوں میں کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾[2] "اللہ تعالی سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں، جو علم والے ہیں"۔

اللہ رب العالمین نے قرآنِ پاک میں علمائے دین کا ذکر اپنے اور فرشتوں کے ساتھ کیا، انہیں اپنی وَحدانیت کا گواہ بنایا، اور ان کی گواہی کو فرشتوں کی طرح معتبر ٹھہراتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾[3] "اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور فرشتوں نے اور علماء نے انصاف سے قائم ہو کر، عزّت و حکمت والا جس کے سوا کسی کی عبادت نہیں"۔

میرے محترم بھائیو! آج بعض لبرلز (Liberals) اور سیکولر (Secular)، ان سب اَحکامِ خداوندی کو بالائے طاق رکھ کر، علمائے دین کی توہین و تذلیل میں لگے ہوئے ہیں، جھوٹی باتوں کے ذریعے علماء کی کردار کشی کے پلان بنائے جا رہے ہیں، دینِ اسلام کی خاطر علماء کی خدمات اور قربانیوں کو مسخ کر کے پیش کیا جا رہا ہے، دجّالی میڈیا کو ہتھیار کے

(۱) پ ۲۳، الزمر: ۹.

(۲) پ ۲۲، فاطر: ۲۸.

(۳) پ ۳، آل عمران: ۱۸.

طور پر استعمال کرتے ہوئے، علماء کے خلاف فلمیں، ڈرامے پرڈیوس (Produce) کیے جارہے ہیں، انہیں قید وبند کی صُعوبتوں کے ذریعے ڈرایا دھمکایا جارہا ہے، ناموسِ رسالت پر پہرہ دینے کے مقدّس جُرم میں ان پر براہِ راست فائرنگ کی جا رہی ہے، جیلوں میں قید کرکے انہیں ذہنی وجسمانی اذیتوں سے دوچار کیا جارہا ہے، سخت سردی کی ٹھٹرتی راتوں میں بزرگ اور شدید بیمار علمائے کرام پر ٹھنڈا پانی ڈالا جاتا ہے، انہیں ضروری اَدویات سے محروم رکھ کر، ان کے بنیادی انسانی حقوق پامال کیے جاتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس مملکتِ خداداد پاکستان میں ہورہا ہے، وہ ملک جو خالصۃً اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، جس کے موجودہ حکمران اُسے ریاستِ مدینہ بنانے کے دعوے دار ہیں۔ ایسوں کو چاہیے کہ وہ علمائے دین کے مقام ومرتبہ کو پہچانیں، اُن کی عزّت واحترام کالحاظ رکھیں، اُن کی کردارکشی سے باز رہیں، اور اُن کے حق کو ہلکا نہ جانیں!۔

علمائے دین کے حق کو ہلکا جاننے والے سے متعلق، حضرت سیّدنا ابواُمامہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت ہے، مصطفی جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «ثَلَاثَةٌ لَا يَسْتَخِفُّ بِحَقِّهِمْ إِلَّا مُنَافِقٌ: (١) ذُو الشَّيْبَةِ فِي الْإِسْلَامِ، (٢) وَذُو الْعِلْمِ، (٣) وَإِمَامٌ مُقْسِطٌ»[۱] "(۱) وہ بوڑھا جسے اسلام میں بڑھاپا آیا، (۲) عالمِ دین، (۳) اور عادِل امام (حکمران) کے حق کو صرف منافق ہی ہلکا جانے گا"۔

دینی مدارس کے اساتذہ اور طلباء کا مقام ومرتبہ

حضراتِ ذی وقار! آج دینی مدارس اور اس میں پڑھنے پڑھانے والے علمائے دین، حفّاظ اور قاری صاحبان پر، تنقید کے نشتر چلائے جارہے ہیں، شب وروز قرآن وحدیث

---

(١) "المعجم الكبير" مَطرح بن يزيد أبو المهلب ...إلخ، ر: ٧٨١٩، ٨/ ٢٠٢.

پڑھنے پڑھانے والوں کی سیرت وکردار پر انگلی اٹھاتے ہوئے، بعض بے کرداروں کی جانب سے، ان کے کلاس رومز میں کیمرے لگائے جانے کے مطالبات سامنے آرہے ہیں، ڈی چوک، اسلام آباد میں ایک سوچھبیس (۱۲۶) دن تک، ٹی وی چینلز پر براہِ راست، مسلمان بیٹیوں کو بیچ چوراہے پر، ناچتے نچاتے دیکھنے والی لبرل سول سوسائٹی (Liberal Civil Society) کی غیرت جاگ رہی ہے! اس پہ چپ رہنے والے یہ مغرب زدہ لوگ، علمائے اسلام کو کس منہ سے موردِ الزام ٹھہرا رہے ہیں؟ ان کی غیرت اس وقت کیوں نہیں جاگی، جب ایک مجسٹریٹ پہ زیادتی کا الزام لگایا گیا، انہیں اپنی فلموں اور ڈراموں میں منفی رول ادا کرنے کے لیے، کسی سیاستدان، جج، صحافی یا اداکار کے بجائے، صرف ایک مولوی کے منفی رول کا کریکٹر ہی کیوں بھاتا ہے؟ کیا اس کا مقصد واقعی اِصلاحِ مُعاشرہ ہے؟ یا پھر ریٹنگ کا چکر ہے؟

عزیزانِ محترم! دینِ اسلام کی تعلیمات سے نابلد ایسے لوگوں کو خوب جان لینا چاہیے، کہ دینی مدارس کے جن اساتذہ وطلباء کے کردار پر وہ انگلی اٹھا رہے ہیں، ان کے مقام ومرتبہ سے متعلق نبئ مکرّم، سرورِ کونین ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ہی ارشاد فرمادیا تھا: «خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَه»[1] "تم میں سب سے بہتر وہ ہے، جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا"۔

ایک اَور مقام پر علمِ دین حاصل کرنے والوں کے لیے، جنّت کا راستہ آسان ہونے کی خوشخبری دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: «مَنْ سَلَكَ طَرِيْقاً يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْماً، سَهَّلَ اللهُ لَهُ بِهِ طَرِيْقاً إِلَى الْجَنَّةِ»[2] "جو علم کی طلب میں کسی راستہ پر چلا،

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب فضائل القرآن، ر: ٥٠٢٧، صـ٩٠١.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الذكر والدعاء والتوبة، ر: ٢٦٩٩، صـ١١٧٣.

اللہ تعالی اس کے لیے جنّت کا راستہ آسان فرمادے گا"۔

میرے عزیز! کسی کے قول وفعل پر انگلی اٹھانے سے قبل، ہر انسان کو چاہیے کہ اپنے کردار پر نظر دَوڑائے، اپنی اصلاح کرے، دوسروں کے عیوب کا متلاشی ہرگز نہ رہے، اور اگر خدانخواستہ آپ پر کسی کا عیب ظاہر ہو بھی جائے تو اس کی پردہ پوشی کیا کریں۔

حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ، سَتَرَ الله عَلَيْهِ فِي الْآخِرَةِ»[1] "جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی کی عیب پوشی کی، اللہ تعالی آخرت میں اس کی عیب پوشی فرمائے گا"۔

اِلحادی فکر کا فروغ اور دجّالی میڈیا

عزیزانِ محترم! افسوس کہ آج ہم میں سے بہت سوں نے کلمہ تو پڑھ رکھا ہے، مگر اس کے معنی، مفہوم اور تقاضوں پر کبھی غور نہیں کیا، کہ بحیثیت مسلمان ہمارے عقائد ونظریات کیا ہونے چاہئیں؟ دینِ اسلام کی صحیح تعلیمات کیا ہیں؟ اور اس دین کو ہم تک پہنچانے والے انبیاء علیہم السلام کے وارث، علمائے دین کی شان اور اللہ عزّوجلّ کے حضور ان کا مقام ومرتبہ کیا ہے؟

حضراتِ گرامی قدر! اِلحاد کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا ایک سبب ہمارا دجّالی میڈیا بھی ہے، جو یہود ونصاری کی فنڈنگ پر اپنے ٹی وی چینلز، اور زر خرید صحافیوں کے ذریعے شب وروز علمائے ربّانیین کی توہین، تذلیل اور کردار کشی میں مصروف ہے۔ ان کا اصل ٹارگٹ ہماری نوجوان نسل کو اسلام اور علمائے دین سے بدظن کرنا ہے؛ کیونکہ وہ یہ بات بخوبی جانتے ہیں، کہ اگر ہم مسلمان نوجوانوں کو علمائے دین سے متنفر

---

(۱) "مصنّف عبد الرزّاق" باب ستر المسلم، ر: ۱۸۹۳۳، ۱۰/ ۲۲۷.

کرنے میں کامیاب ہوگئے، تو پھر اِلحادی فکر وفلسفہ کو پھیلنے سے ہمیں کوئی نہیں روک سکتا!۔

علمائے امّت کی ذمہ داری

میرے عزیز دوستو! ہر گزرتے وقت کے ساتھ صورتحال مزید گھمبیر ہوتی جارہی ہے، لبرل ازم (Liberalism) کا رُوپ دھارے مُلحِد اپنے مذموم مقاصد میں بظاہر کامیاب ہوتے نظر آرہے ہیں، لیکن انتہائی افسوس کی بات یہ ہے، کہ اس کا سدِّباب کرنے کے بجائے، ہم باہمی چپقلشوں رنجشوں کا شکار ہیں، اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اَغیار اور دجّالی سوچ کے حامل افراد نے، براہِ راست محراب ومنبر ہی کو ہدفِ تنقید بنالیا ہے۔ آج ضرورت اس اَمر کی ہے، کہ ہمارے علماء دَورِ جدید کے تقاضوں کو پیشِ نظر رکھیں، اپنے قول وفعل میں شائستگی لائیں، اپنی مساجد اور مدارس میں ضروری اصلاحات کا نفاذ کریں، نیز ایسی کوئی بات یا کام نہ ہونے پائے، جس کے سبب اہلِ باطل کو اسلام پر طعن وتشنیع کا موقع ملے!!۔

دعا

اے اللہ! علمائے دین کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھ، ہمیں ان کا ادب واحترام کرنے کی توفیق مرحمت فرما، ہمیشہ ان کے دامن سے وابستہ رکھ، اسلام پر ثابت قدم رکھ، سیکولر ازم (Secularism) اور لبرل ازم (Liberalism) کا لبادہ اوڑھ کر کفر واِلحاد کا پرچار کرنے والوں سے محفوظ رکھ، دینِ اسلام پر استقامت عطا فرما، حق کا بول بالا اور باطل قوّتوں کا منہ کالا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

فضائلِ رجب المرجب

(جمعة المبارک ۲۶ جُمادی الآخرۃ ۱۴۴۱ھ- ۲۱/۲/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

حرمت والے مہینے

عزیزانِ محترم! اللہ تعالی نے جن مختلف ایّام اور مہینوں کو عظمت وشان سے نوازا ہے، ان میں سے ایک رجب المرجب کا مہینہ بھی ہے، جو قمری مہینوں میں ساتواں ہے، اور یہ چار ۴ حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾[1] "یقیناً مہینوں کی گنتی اللہ تعالی کے نزدیک جب سے اُس نے آسمان وزمین بنائے، اللہ تعالی کی کتاب میں بارہ ۱۲ مہینے ہے، ان میں سے چار ۴ حرمت والے ہیں"۔

عزیزانِ گرامی قدر! ان حرمت والے مہینوں کی وضاحت کرتے ہوئے نبئ کریم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ الزَّمَانَ قَدْ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ

(۱) پ۱۰، التوبة: ۳٦.

السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ: (١) ذُو القَعْدَةِ، (٢) وَذُو الحِجَّةِ، (٣) وَالْمُحَرَّمُ، (٤) وَرَجَبُ مُضَرَ، الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ»[1] "یقیناً زمانہ پلٹ کر اُسی حالت پر آگیا ہے، جس پر اُس دن تھا جس دن اللہ تعالی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا، سال میں بارہ ۱۲ مہینے ہیں، ان میں سے چار ۴ حرمت والے ہیں، تین ۳ بالترتیب: (۱) ذوالقعدہ، (۲) ذو الحجہ، (۳) اور محرّم الحرام، اور ایک جُمادی اور شعبان کے درمیان (۴) رجب کا مہینہ ہے"۔

ان حرمت والے مہینوں سے متعلق اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾[2] "ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم (گناہ) مت کرو!"۔

حضرت سیّدنا ابنِ عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرمان ہے: «في كُلِّهنَّ، ثمّ خصَّ من ذلك أربعةَ أشهُر، فجعلَهنَّ حُرُماً، وعظَّمَ حُرُماتِهنَّ، وجعلَ الذَّنبَ فيهنَّ أعظمَ، والعملَ الصَّالحَ والأجرَ أعظمَ»[3] "یعنی تمام مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے بچو، بطورِ خاص ان چار ۴ مہینوں میں؛ کہ اللہ تعالی نے انہیں محترم بنایا، ان کا احترام عظیم کیا، ان میں گناہ کو بڑا جُرم قرار دیا، اور ان میں نیک عمل کا ثواب بڑھا دیا"۔

"تفسیرِ جلالین" میں ہے کہ "اپنی جانوں پر ظلم سے مراد گناہوں کا ارتکاب ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان مہینوں میں بُرائی کا گناہ زیادہ ہوتا ہے"[4]۔

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب بدء الخلق، ر: ٣١٩٧، صـ٥٣٣.
(٢) پ١٠، التوبة: ٣٦.
(٣) "تفسير الطَبَري" پ١٠، التوبة، ر: ١٢٩٧٢، الجزء ١٠، صـ١٦٤.
(٤) "تفسير الجلالين" پ١٠، التوبة، تحت الآية: ٣٦، صـ١٥٨.

امام ابو داوٗد نے باہلی قبیلہ کے ایک شخص سے روایت کیا، کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بار گاہ میں آئے، پھر واپس چلے گئے اور ایک سال بعد دوبارہ آئے، تو ان کی حالت بدلی ہوئی تھی، انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «وَمَنْ أَنْتَ؟» "تم کون ہو؟" اس نے کہا: میں وہی باہلی ہوں جو آپ کی بار گاہ میں گزشتہ سال حاضر ہوا تھا، رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: «فَمَا غَيَّرَكَ، وَقَدْ كُنْتَ حَسَنَ الْهَيْئَةِ؟» "تم اتنا بدل کیسے گئے؟ حالانکہ تم تو بڑی اچھی حالت میں تھے!" اس نے عرض کی کہ آپ سے جُدا ہونے کے بعد میں صرف رات میں کھانا کھایا کرتا (یعنی مسلسل روزے رکھتا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لِمَ عَذَّبْتَ نَفْسَكَ؟» "تم نے خود کو تکلیف میں کیوں ڈالا؟" پھر فرمایا: «صُمْ شَهْرَ الصَّبْرِ، وَيَوْماً مِنْ كُلِّ شَهْرٍ» "تم ماہِ رمضان کے روزے رکھا کرو، اور ہر مہینے میں ایک دن روزہ رکھا کرو!" اس نے عرض کی کہ کچھ بڑھا دیجیے؛ کیونکہ مجھ میں قوّت ہے! رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «صُمْ يَوْمَيْنِ» "ہر ماہ دو ۲ روزے رکھ لیا کرو!" اس نے عرض کی کہ کچھ بڑھا دیجیے! رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: «صُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ» "ہر ماہ تین ۳ روزے رکھ لیا کرو" اس نے عرض کی کہ کچھ اَور بڑھا دیجیے! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ! صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ! صُمْ مِنَ الْحُرُمِ وَاتْرُكْ!» "حُرمت والے مہینوں میں روزہ رکھو اور پھر چھوڑ دو! روزہ رکھو اور پھر چھوڑ دو! روزہ رکھو اور پھر چھوڑ دو!" اپنی تین ۳ اُنگلیوں کو بند کرکے پھر کھول دیا[1]۔ یعنی ان حرمت والے مہینوں میں سے جس میں چاہو روزہ

---

(١) "سنن أبي داود" باب في صوم أشهر الحرم، ر: ٢٤٢٨، صـ٣٥٢.

رکھو، اور تین ۳ اُنگلیوں سے اشارہ فرمایا کہ ایک ساتھ تین ۳ سے زیادہ مت رکھو! اور تین ۳ کے بعد ایک یادو ۲ دن چھوڑدو! یاپھر تین ۳ دن روزہ رکھ کر تین ۳ دن چھوڑدو!۔

ماہِ رجب کی پہلی رات

محترم بھائیو! اللہ تعالی سے جب بھی دعا کی جائے مقبول ہے، لیکن بعض اوقات اتنے خاص ہوتے ہیں، کہ ان میں دعا رَد نہیں کی جاتی، حضرت سیّدنا ابواُمامہ باہلی رضي الله تعالى عنه سے روایت ہے، سرکارِ کائنات صلى الله تعالى عليه وسلم نے فرمایا: «خمسُ ليالٍ لا تُرَدُّ فيهنَّ الدعوةُ: (١) أوّلُ ليلةٍ مِن رجَبٍ، (٢) وليلةُ النصفِ من شعبانَ، (٣) وليلةُ الجمعةِ، (٤) وليلةُ الفِطرِ، (٥) وليلةُ النحرِ»[1] "پانچ ۵ راتیں ایسی ہیں جن میں دعا رَد نہیں کی جاتی: (۱) رجب کی پہلی رات، (۲) شعبان کی پندرہویں شب، (۳) شبِ جمعہ، (۴) شبِ عید الفطر، (۵) اور شبِ نحر یعنی ذو الحجۃ الحرام کی دسویں شب"۔ لہذا دیگر اوقات کی طرح ماہِ رجب المرجب کی پہلی رات میں بھی دعا سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔

ماہِ رجب المرجب کی برکت

عزیز دوستو! حضرت سیّدنا انَس رضي الله تعالى عنه سے روایت ہے، کہ جب ماہِ رجب آتا تو رسول اللہ صلى الله تعالى عليه وسلم دعا کرتے: «اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ وَشَعْبَانَ، وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ!»[2] "الٰہی ہمیں رجب وشعبان میں برکت دے! اور ہمیں رمضان تک پہنچا!"۔ لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ جب رجب المرجب کا مبارک مہینہ

---

(١) "تاريخ دِمشق" پ١٠، تحت ر: ٩٦٨- بندار ...إلخ، ١٠/ ٤٠٨.

(٢) "شعب الإيمان" تخصيص شهر رجب بالذكر، ر: ٣٨١٥، ٣/ ١٣٩٩.

شروع ہو، تو اللہ تعالی کی بارگاہ میں اسی طرح دعاگو ہوں، جس طرح دوجہاں کے سردار وسرکار ﷺ دعا کیا کرتے، اور اس کی برکات حاصل کریں۔

عزیز دوستو! امام سُیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نقل فرماتے ہیں، کہ حضرت سیّدنا ابنِ عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے: «إذا كانَ يومُ العيدِ، ويومُ العشرِ، ويومُ الجمعةِ الأولى مِن شهرِ رجبٍ، وليلةُ النصفِ مِن شعبانَ، وليلةُ الجمعةِ، يَخرُجونَ الأمواتُ مِنْ قبورِهِمْ، ويقفونَ على أبوابِ بُيوتِهِمْ، ويقولون: ترحّمُوا علينا فِيْ هذهِ الليلةِ بصدقةٍ، ولوْ بلُقمةٍ من خبزٍ؛ فإنّا محتاجون إليها، فإن لم يجدوا شيئاً يَرجعون بِالحَسرة»[1].

"جب عید کا دن، دس ۱۰ محرّم کا دن، ماہِ رجب کا پہلا جمعہ، پندرہ ۱۵ شعبان، اور جمعہ کی رات آتی ہے، تو مُردے (یعنی ان کی رُوحیں) اپنی قبروں سے نکل کر، اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے اس رات صدقہ کرکے ہم پر رحم کرو، اگرچہ روٹی کا ایک لقمہ ہی سہی؛ کیونکہ ہم اس کے حاجتمند ہیں۔ اگر وہ اپنے گھر والوں کی طرف سے کچھ صدقہ نہ پائیں، تو بڑی حسرت کے ساتھ واپس لَوٹ جاتے ہیں"۔ اس سے ثابت ہوا کہ مسلمان رُوحیں ان مبارک اوقات میں اپنے گھروں پر آتی ہیں، اپنے لیے گھر والوں کی طرف سے صدَقات وخیرات کیے جانے کی امید رکھتی ہیں، جس کا ثواب انہیں قبروں میں پہنچے، اور اگر ان کی طرف سے کچھ صدقہ نہیں کیا جاتا، تو انتہائی حسرت وافسوس کے ساتھ واپس چلی جاتی ہیں۔

---

(۱) "الدُرر الحِسان" صـ۱۵، ۱٦.

دعا

اے اللہ! ہمیں رجب المرجب کی تعظیم و توقیر کرنے، اور اس ماہِ مبارک میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرتے ہوئے، گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما، اپنے مرحومین کے لیے صدَقات و خیرات کرتے رہنے کی سعادت عطا فرما، ہمیں اپنے اَحکام پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما، ہماری دعائیں اپنی بارگاہِ بے کس پناہ میں قبول فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

اختلافِ فقہی فُروعی میں برداشت اور وسعتِ قلبی

(جمعۃ المبارک ۳ رجب المرجب ۱۴۴۱ھ - ۲۰۲۰/۲/۲۸ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلِهِ وصحبِهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُر نور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلِهِ وصَحبِهِ أجمعين.

اجتہاد واستنباط پر مبنی فقہی ذخیرے کی اہمیت

برادرانِ محترم! اسلام ایک کامل دین ہے، یہ دین تاقیامت ساری انسانیت کی رَہنمائی ورَہبری کا فریضہ انجام دینے کے لیے آیا ہے، یہ اس قدر جامع اور مکمل دین ہے، کہ اس کی تعلیمات میں کسی قسم کا نقص یا کمی نہیں، اس دین کے دُستورِ الٰہی ہونے کی واضح دلیل یہ ہے، کہ اس کی تعلیمات میں ہر زمانے کے تغیّرات کو قبول کرنے، اور ہر قسم کے دینی، مُعاشی، مُعاشرتی، سماجی مسائل وحوادث اور اُلجھنوں سے نمٹنے کی بدرجۂ اتم صلاحیت موجود ہے، گردشِ دَوراں اور اکیسویں صدی عیسوی کے جدید سائنسی دَور میں نِت نئے مسائل کا جنم لینا، دینِ اسلام کی اہمیت، ہمہ جہتی اور ہمہ گیری پر ہرگز اثر انداز نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ اس دین کا اصل منبع وسرچشمہ قرآن وحدیث ہیں، اور یہ دونوں وحئ الٰہی ہیں۔

شریعتِ اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں جس کی دلیل کسی نہ کسی درجہ میں، قرآن وحدیث کے اندر موجود نہ ہو۔ اسی طرح فقہائے کرام کے تمام اصولِ تخریج اور قواعد وضوابط کا استنباط واستخراج بھی، دراصل قرآن وحدیث ہی سے ماخوذ ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام کے تمام اجتہادات واستنباطات پر مبنی، ان کا کامل فقہی ذخیرہ بھی، دراصل شریعت مطہَّرہ ہی کا قیمتی سرمایہ، اور دین اسلام کے ایک جزء کی حیثیت رکھتا ہے۔

فقہاءِ کرام کے مابین نقطۂ نظر کا اختلاف

عزیزانِ گرامی قدر! یہ بات پیشِ نظر رہے کہ شریعتِ اسلامیّہ کی اصولی اور بنیادی تعلیمات بالکل واضح اور دوٹوک ہیں، ان میں کسی قسم کی پیچیدگی یا جھول نہیں، یہ منصوص اَحکام کہلاتے ہیں، ان سے بال برابر انحراف، بسا اوقات انسان کو دائرۂ اسلام سے خارج کر سکتا ہے۔ البتہ غیر منصوص اَحکام جو شریعت کی جزوی تفصیلات اور فقہائے کرام کے اجتہاد سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں نقطۂ نظر کا اختلاف نہ صرف ممکن اور جائز ہے، بلکہ محمود، مطلوب، واقع اور اکثر اوقات رحمت کا باعث بھی ہے، جیسا کہ حضرت سیّدنا مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ "علماء کا باہمی اختلاف اس اُمّت پر اللہ عزّوجلّ کی طرف سے رحمت ہے"[1]۔

علمائے مجتہدین کی اسی خوبی (اجتہاد) کی بناء پر، مصطفی جانِ رحمت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے انہیں اپنا وارث وجانشین قرار دیا، چنانچہ ارشاد فرمایا: «إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ»[2] "علماء انبیائے کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے وارث ہیں"۔

---

(١) "الخصائص الكبرى" دعا ردّ البصر للأعمي، ٢/ ٣٧٠.

(٢) "سنن أبي داود" كتاب العلم، باب في فضل العلم، ر: ٣٦٤١، صـ٥٢٣.

ایک اَور مقام پر ارشاد فرمایا: «مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْراً، يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ»[1] "اللہ تعالی جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی سمجھ بُوجھ (تفقُّہ) عطا فرمادیتا ہے"۔

اختلافِ فقہی (فُروعی) کے اسباب

میرے عزیز! فقہائے کرام کے مابین جزوی مسائل میں اختلاف، عام طور پر اس لیے واقع ہوتا ہے، کہ شریعتِ مطہَّرہ نے ہر چھوٹے بڑے مسئلے کا تفصیلی حکم بیان کرنے کے بجائے، محض اصولی واِجمالی ہدایات بیان فرمائیں؛ تاکہ ہر زمانے کے حالات وواقعات، عُرف، رَواج اور ضروریات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، عمل کی مختلف صورتیں وُجود میں آسکیں، اور اُمّتِ مسلمہ بوقتِ ضرورت، حالات کے تقاضوں کے پیشِ نظر، عمل کی جس شکل کو چاہے اختیار کرسکے۔

فقہائے کرام کے باہمی نقطۂ نظر میں اختلاف کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے، کہ شریعتِ مطہَّرہ نے کبھی کسی حکم کو بیان کرنے کے لیے، ایسے لفظ کا استعمال فرمایا، جو مختلف مَعانی کا متحمل ہو، اور اس سے کئی مَطالب ومَعانی نکل سکیں، جب ہر مجتہد نے اپنی فہم وفراست سے، کسی ایک معنی کو متعیّن کرلیا، تو اس طرح عمل کی کئی صورتیں وُجود میں آگئیں، اسی کو فقہائے کرام کے نقطۂ نظر کا اختلاف کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ اختلاف واجتہاد تلاشِ حق کی جستجو، خالصۃً منشائے خداوندی کو سمجھنے، اور مرادِ نبوی کی حقیقت کو جاننے کے لیے ہوتا ہے، لہٰذا اس اختلاف کو ہرگز مذموم اور بُرا نہ سمجھا جائے، اور نہ ہی اسے بنیاد بنا کر اسلام اور علمائے ربّانیین پر تنقید کے نشتر چلائے جائیں!۔

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب العلم، ر: ٧١، صـ١٧.

صحابۂ کرام کے مابین علمی اجتہادی اختلاف

عزیزانِ محترم! حق بات کی تلاش اور غور وفکر کے نتیجے میں، جو اجتہادی اور فقہی اختلاف رُونما ہوتا ہے، وہ ہرگز قابلِ مذمّت نہیں، خود سرورِ کونین، تاجدارِ رسالت ﷺ کی حیاتِ طیّبہ میں، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے مابین اختلافی نقطۂ نظر کی گنجائش موجود تھی، فریقین میں سے ہر ایک نے، اپنی اپنی فہم وفراست کی بنیاد پر، مسئلہ کے ایک پہلو کو متعیّن کر کے اس پر عمل کیا، جبکہ سرورِ کائنات ﷺ نے بھی ان میں سے کسی فریق کے عمل کو رَد نہیں فرمایا۔

"صحیح بخاری" میں حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، نبئ کریم ﷺ نے غزوۂ اَحزاب سے واپسی پر ہم سے فرمایا: «لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ العَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ!» "تم میں سے کوئی بھی بنی قُریظہ پہنچنے سے پہلے نمازِ عصر ہرگز نہ پڑھے!" راستے میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے دیکھا کہ عصر کا وقت ہو چکا، تو ان میں (نقطۂ نظر میں اختلاف کے سبب) دو ۲ جماعتیں ہوگئیں: ایک جماعت نے حضور کے ظاہری الفاظ پر عمل کرتے ہوئے، راستے میں نماز پڑھنے سے انکار کیا، اور وہیں بنو قریظہ پہنچ کر نمازِ عصر ادا کی، جبکہ دوسری جماعت نے یہ سمجھتے ہوئے کہ حضور ﷺ کے قول کا مطلب یہ ہے، کہ جہاں تک ہو سکے جلدی چلو؛ کہ نمازِ عصر ادا کرنے کی نَوبت منزلِ مقصود پر پہنچ کر ہی آئے، یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہر صورت میں نماز وہیں پہنچ کر پڑھو۔ اس دوسری جماعت نے اجتہاد کیا اور راستے میں ہی نماز ادا کر لی، بعد میں حضورِ اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں جب یہ واقعہ بیان کیا گیا، تو حضور اکرم ﷺ نے دونوں میں سے کسی (جماعت) پر ملامت نہیں فرمائی"[1]۔

(۱) "صحيح البخاري" أبواب صلاة الخوف، ر: ٩٤٦، صـ١٥٢، اختصاراً.

اَسلاف کا مزاج اور وسعتِ قلبی

حضراتِ محترم! فُروعی مسائل میں مجتہدین وائمۂ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے مابین اختلاف کی نَوعیت عموماً اَولی وغیرِ اَولی، اور راجح ومرجوح کی ہے، لیکن انہوں نے ان فُروعی اختلافات کو حق وباطل کا مسئلہ بناکر، اُمّتِ مسلمہ میں انتشار وافتراق ہرگز نہیں پھیلایا، نہ ہی ان مسائلِ فرعیّہ کو بنیاد بناکر جھگڑے فساد کیے، وہ واجب الاحترام ہستیاں ایک دوسرے کی آراء اور نقطۂ نظر کا حد درجہ نہ صرف احترام کرتیں، بلکہ باہمی ملاقات میں بھی ان معمولی اختلافات کو نظر انداز کرکے، نہایت خوش روی اور خندہ پیشانی سے پیش آیا کرتے، وہ عظیم لوگ اس قدر فراخ دل اور وسیع النظر واقع ہوئے تھے، کہ اختلافی نقطۂ نظر کے باوُجود، ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے؛ کیونکہ ان کا اختلاف مسائل میں تھا، اصولی عقائد میں سب متحد تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی، فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے باہم فقہی اختلافات کی حقیقت، اور اس کی نَوعیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "فقہاء کے مابین اختلاف کی بیشتر صورتیں، بالخصوص وہ مسائل جن میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال دونوں جانب ہیں، جیسے تکبیراتِ تشریق، تکبیراتِ عیدَین، اور حالتِ اِحرام میں نکاح، حضراتِ سیّدنا ابنِ عباس وسیّدنا ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تشہد، آہستہ آواز کے ساتھ "بسم اللہ" پڑھنا، آمین کہنا، اِقامت کو جُفت اور طاق کہنا، اور اسی کی مانند دیگر مسائل میں یہ اختلاف، دو۲ باتوں میں سے بہتر بات میں تھا، نفسِ مشروعیت میں ان کے مابین بالکل اختلاف نہیں تھا"[1]۔

---

(١) "حجة الله البالغة" فصل، ١/ ٢٦٩.

حضرت شاہ ولی اللہ محدّثِ دہلوی رحمہ اللہ صحابہ، تابعین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے لوگوں سے، متعدّد فقہی اختلافات شمار کرنے کے بعد مزید فرماتے ہیں کہ "اس کے باوُجود وہ لوگ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھا کرتے، چاہے وہ امام مالکی ہو، یا اس کے علاوہ کوئی اور ہو، حالانکہ مالکیہ نماز میں "بسم اللہ" نہیں پڑھتے۔

اسی طرح خلیفہ ہارون رشید نے حِجامہ کروایا، پھر نیا وضو کیے بغیر نماز پڑھائی؛ کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ نے انہیں فتویٰ دیا تھا کہ حِجامہ سے وضو نہیں ٹوٹتا، اور ان کے پیچھے حنفیوں کے امام ابو یوسف نے نماز پڑھی، اور اِعادہ بھی نہیں کیا، حالانکہ ان کے نزدیک بدن سے خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے، کہ نکسیر آنے اور حِجامہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، مگر جب اُن سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص کے بدن سے خون نکلا، اور اس نے وضو کیے بغیر نماز پڑھائی، تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ امام احمد رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ "میں امام مالک اور حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پیچھے نماز کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟!"[۱]۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے ایک بار امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی قبرِ انور کے قریب فجر کی نماز ادا کی، اور قنوتِ نازلہ نہیں پڑھی، وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ "صاحبِ قبر (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ) کے حضور، ادب کا مُعاملہ کرتے ہوئے میں نے ایسا کیا"[۲]۔

---

(۱) المرجع نفسه، ۱/ ۲۷۰، اختصاراً.

(۲) المرجع السابق.

عزیزانِ گرامی! ہمارے اَسلاف اختلافِ فقہی کو اُمّتِ مسلمہ کے حق میں رحمت وبرکت قرار دیتے، اور اسے توسیع اور فراخی کا باعث گردانتے تھے۔

حضرت سفیان ثَوری رحمہ اللہ تعالیٰ ایسے اختلافی مسائل کے بارے میں فرمایا کرتے کہ "یہ نہ کہو کہ علمائے کرام نے مسائل میں اختلاف کیا، بلکہ یوں کہو کہ انہوں نے اُمّت کے لیے توسیع اور فراخی پیدا کی ہے"[1]۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے کہ "اگر اصحابِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فقہی واجتہادی مسائل میں اختلاف نہ ہوتا، تو یہ کوئی خوش آئند بات نہیں تھی؛ اس لیے کہ اگر ان حضرات کے مابین اس طرح کا اختلاف نہ ہوتا، تو آج ہمیں شرعی رخصتیں نہ ملتیں"[2]۔

مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے، کہ جس اختلافِ فقہی واجتہادی وفُروعی کو ہمارے اَسلاف رحمت، وسعت اور فراخی کا سبب جانتے تھے، اسے لے کر آج ہم اس قدر متشدد کیوں ہوئے جا رہے ہیں؟! مذہبی انتہاء پسندی ہماری رگ رگ میں کیوں رچتی بستی جا رہی ہے؟! منصبِ علمی اور بزرگی کا لحاظ کیے بغیر، آج ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہا جا رہا ہے! فُروعی اختلاف کے سبب گمراہی وکفر کے فتووں کی بھرمار ہے! مسندِ دعوت وارشاد پر بیٹھنے والے بعض ناخلَف وناا ہل لوگ، اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے باہم دست وگریبانی کا سبب بن رہے ہیں، ان نافہموں کے سبب باہمی رواداری اور وسعتِ قلبی کا خاتمہ ہو رہا ہے، لوگ دین سے متنفر اور علمائے اسلام کے کردار سے مایوس ہو رہے ہیں!۔

---

(۱) "الميزان الشعرانية" مقدّمة المؤلف، الجزء ۱، صـ۲٤.

(۲) "المدخل إلى علم السنن" باب اختلاف ...إلخ، ر: ۹۷٦ ۲/ ٤٥٦.

گمراہی وکفر کے فتووں کی بھرمار

حضراتِ گرامی قدر! مذہبی طبقے میں بعض شدّت پسند عناصر خود ساختہ شریعت نافذ کرنا چاہتے ہیں، وہ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں، لوگوں کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں، مسلمانوں پر ناحق کفر وشرک کے فتوے لگاتے ہیں، جو کہ سراسر جہالت اور بے علمی کا کام ہے؛ کیونکہ حکمِ شریعت کے مطابق کسی مسلمان کو کافر کہنا شرعاً ممنوع وحرام ہے۔ علمائے ذی وقار فرماتے ہیں کہ "بغیر قطعی ثبوت کے بلاوجہ مسلمان کو کافر کہنا، (یا اہلِ سنّت سے خارج قرار دینا) سخت عظیم گناہ ہے، بلکہ کافر کہنا خود اسی کہنے والے پر پلٹ آتا ہے"[۱]۔

حضرت سیّدنا ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «أَيُّما امْرِئٍ قَالَ لِأَخِيْهِ: يَا كَافِرُ! فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُما، إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ، وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ»[۲] "جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کہے: "اے کافر!" تو یہ قول دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور صادق آئے گا، اگر وہ ایسا ہی ہے جسے کافر کہا گیا تو ٹھیک، ورنہ یہ قول خود کہنے والے پر لَوٹ آئے گا"۔ یعنی جسے کافر کہا گیا، اگر واقعی وہ کافر ہے تب تو اسے کافر کہنا درست تھا، اور اگر وہ کافر نہیں تو کہنے والا خود کافر ہو جائے گا۔

محترم بھائیو! کسی بھی غلطی یا گناہ پر، بلاتحقیق کسی پر کفر کا فتویٰ لگانا، یا کسی کو کافر کہہ دینا، دین میں غُلو (حد سے تجاوُز کرنا) ہے، یہ کفر کا فتویٰ مسلمان کے جان ومال کی حلّت کا سبب بنتا ہے، اسے دینِ اسلام سے خارج کرتا ہے، اور یہ اُس مسلمان پر ظلم

---

(۱) دیکھیے: "فتاوی رضویہ" کتاب الحظر والإباحۃ، ۱۶/ ۵۴۶۔

(۲) "صحيح مسلم" كتابُ الإيمان، بابُ بيان حال ...إلخ، ر: ۲۱۶، صـ۴۷.

ہے؛ کہ کسی کو کافر قرار دینے کے سبب اس کی بیوی اس سے جُدا ہوگی، وہ وراثت سے محروم ہوگا، مرنے کے بعد غسل وکفن، نمازِ جنازہ اور دعا سے محروم ہوگا، نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا، جبکہ ان تمام اُمور واَحکام کا ذمّہ دار وہ ہے جس نے اسے کافر کہا۔ مسلمان کو کافر کہنا سخت حرام، اور گویا اسے قتل کیے جانے کے مترادِف ہے۔ حضرت سیّدنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہ سے نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيْهِ: "يَا كَافِرُ" فَهُوَ كَقَتْلِه، وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِه»[۱] "آدمی اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہہ کر پکارے، تو یہ اسے قتل کرنے کے مترادِف ہے، اور مؤمن پر لعنت کرنا بھی ایسا ہی ہے"۔

مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر جاننا ضروری ہے، علمائے کرام فرماتے ہیں کہ "کسی کو بطورِ گالی کافر کہا تو وہ کافر نہ ہوگا، اور اگر کافر جان کر کہا، تو کہنے والا خود کافر ہوگیا"[۲]۔

مسلمان کو کافر کہنے کی ممانعت

عزیز دوستو! جو شخص ایمان واسلام کے دعوے کے باوُجود کلماتِ کفر بولے یا کفریہ فعل کرے، تو اُسے کافر ہی کہا جائے گا، لیکن کسی مسلمان کو کافر کہنا ممنوع ہے، اگرچہ وہ کتنا ہی گنہگار ہو۔ حضرت سیّدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا، ہم علی الصبح قبیلہ جُہینہ کی بستیوں میں پہنچ گئے، میں نے ایک شخص پر حملہ کیا تو اس نے کہا: لَا إِلٰهَ إِلَّا الله، میں نے پھر بھی اسے قتل کر دیا، لیکن مجھے اس فعل پر تردُد تھا، میں نے رسول اللہ

(۱) "المعجم الكبير" أبو قِلابة عن عمه...إلخ، ر: ٤٦٤، ١٨/ ١٩٤.

(٢) "الهندية" كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدّين، ٢/ ٢٧٨.

ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا: «أَ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، ثُمَّ قَتَلْتَه؟» "کیا اس کے کلمہ پڑھنے کے باوُجود تم نے اسے قتل کر دیا؟" میں نے کہا: یا رسولَ اللہ! اس نے اپنی جان کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: «أَ فَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِه حَتّٰى تَعْلَمَ: أَقَالَهَا أَمْ لَا؟» "کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا، کہ تمہیں پتا چلے کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا تھا یا نہیں؟" رسول اللہ ﷺ بار بار یہی کلمہ دھراتے رہے، حتّٰی کہ میں نے تمنّا کی کہ کاش میں اِسی وقت اسلام لایا ہوتا (تاکہ مجھ سے اس کلمہ گو کے قتل کی خطا نہ ہوئی ہوتی)[1]۔

علمائے اُمّت کی ذمّہ داری

عزیزانِ مَن! تضلیل وتکفیر کی اس چکی میں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی وارث علمائے ربّانیّین کا کردار اور خدمات مسخ ہو کر رہ گئے ہیں، پوری دنیا میں مذہبِ اسلام کی زبوں حالی اس نہج پر پہنچ چکی، کہ اس کے تصوّر ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اس کے باوُجود مذہب کا لبادہ اوڑھے بعض ناعاقبت اندیش، اپنے ذاتی مفادات کی خاطر، اسلام کی کشتی میں بار بار سوراخ کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔

رفیقانِ ملّتِ اسلامیہ! اس وقت امّتِ مسلمہ کو باہم اتحاد کی جس قدر شدید ضرورت ہے، شاید اس سے پہلے کبھی کسی دَور میں نہ رہی ہو! ایسے وقت میں انتشار وافتراق کا ماحول پیدا کرنا، ایک دوسرے پر گمراہی وکفر کے فتوے لگانا، گویا اُمّتِ مسلمہ کی صفوں میں پُھوٹ ڈالنے کے مترادِف ہے۔ لہذا جس شخص یا مفتی کے پاس علم ومعرفت اور بصیرت ودانائی نہ ہو، شریعتِ مطہَّرہ اسے ہرگز اجازت نہیں دیتی، کہ وہ

---

(۱) "صحیح مسلم" کتاب الإیمان، ر:۲۷۷، صـ٥٦.

مسئلۂ تکفیر پر بحث ومُباحثہ کرے یا فتویٰ دے۔ بلا تحقیقِ انیق کسی پر کفر کا فتویٰ لگانا، یا اسے اہلِ سنّت سے خارج بتانا، ظلم اور شریعت پر افتراء ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا﴾[1] "اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں، یقیناً کان، آنکھ اور دل سب سے سوال ہونا ہے"۔ لہٰذا کسی سے متعلق فتویٰ دینے سے پہلے، اس کی مکمل تحقیقِ شرعی اَشدّ ضروری ہے۔

علاوہ ازیں ہمیں چاہیے کہ فقہی مسائل میں نقطۂ نظر، اور افضل وغیر افضل یا راجح ومرجوح کے معمولی وغیر قطعی اختلاف کو، حق وباطل کی جنگ نہ بنائیں، اپنے اَسلاف کی طرح رواداری، برداشت اور وسعتِ قلبی کا مُظاہرہ کریں، عدمِ تضلیل وتکفیر کی پالیسی پر عمل پیرا ہوں، ماحول کو ساز گار بنائیں، ایسی باتوں اور اشتعال انگیز تقریروں تحریروں سے گریز کریں، جن سے بدامنی اور تفرِقہ بازی کا اندیشہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اَغیار اور اسلام مخالف قوّتیں، ہمارے باہمی اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، انہیں ہوا دینے کی کوشش کریں، اور ہم لاعلمی میں باطل کے خلاف صف آراء ہونے کے بجائے، ایک دوسرے کے ہی گلے کاٹتے رہیں۔

ضرورت اس اَمر کی ہے، کہ ہم باہم اُلجھنے کے بجائے، اپنی توانائیاں ٹھوس اور تعمیری کاموں میں صَرف کریں، اسلام کا صحیح اور مثبت چہرہ لوگوں کے سامنے پیش کریں، کفّار کو اپنے مذہب پر منفی تنقید اور رائے زنی کا موقع ہرگز نہ دیں، ایک

(۱) پ١٥، بني إسرائيل: ٣٦.

دوسرے کے نقطۂ نظر کا احترام کریں، اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں، اپنے عقائد واعمال کی اصلاح پر کاربند رہیں، اور صحیح معنی میں ایک باعمل مسلمان بن کر دکھائیں۔

دعا

اے اللہ! ہمیں باہمی محبت واُلفت، اتفاق واتحاد اور ذہنی کشادگی نصیب فرما، مسلمان کو کافر کہنے، بے علم فتوی دینے، اور حق کی مخالفت وبغاوت سے محفوظ فرما، بہترین انداز میں دعوتِ اسلام کی سعادت عطا فرما، ہمارے علماء ومفتیانِ کرام کے علم وعمل میں برکتیں نصیب فرما، ہمیں اَحکامِ شریعت پر صحیح طور پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما، ہماری دعائیں اپنی بارگاہِ بے کس پناہ میں قبول فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

مذہب اور سیاست میں باہمی تعلق

(جمعۃ المبارک ۱۰ رجب المرجب ۱۴۴۱ھ - ۶/۳/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمٰنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

اسلام میں سیاست کی اہمیت

حضراتِ گرامی قدر! دینِ اسلام، مذہب اور سیاست کے درمیان علیحدگی، یا اس کے جداگانہ تصور کو ہرگز تسلیم نہیں کرتا، یہ نظریہ اور پروپیگنڈہ اسلام مخالف قوّتوں کی اختراع وایجاد ہے، کہ دینِ اسلام کی رُوحانی ومعنوی تعلیمات، اور سیاسی نظام میں باہمی کوئی تعلق نہیں۔ کتبِ حدیث وسیرت اور تاریخِ اسلام اس بات پر شاہد ہیں، کہ مصطفی جانِ رحمت ﷺ نے مذہبی وسیاسی اُمور کو بیک وقت، نہ صرف عملی طور پر انجام دیا، بلکہ کامیابی وکامرانی کی وہ تاریخ رقم کی، کہ دنیا تا صبحِ قیامت ویسی نظیر پیش کرنے سے قاصر رہے گی۔

سرورِ عالم ﷺ نے بحیثیت سربراہِ مملکت، ریاستِ مدینہ کی باگ ڈور سنبھالی، غزوات کی سربراہی کی، دیگر ملکوں سے سفارتی تعلقات قائم کیے، اپنی

ریاست کے عوام کو ہر ممکنہ سہولیات فراہم کیں، ان کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھا، قانون کی حکمرانی قائم کی، مختلف قبائل اور غیر مسلموں سے سیاسی معاہدے کیے، اور ریاست کا نظام بہترین انداز سے چلایا۔

اسی طرح رحمتِ عالمیان ﷺ کے بعد آپ کے تربیت یافتہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی، مذہبی مُعاملات کے ساتھ ساتھ، اسلامی سلطنت کی حکمرانی کا فریضہ اس خوبی کے ساتھ انجام دیا، کہ قیصر و کسریٰ جیسی سپر پاورز (Superpowers) کو اپنے قدموں تلے روند کر رکھ دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ محدود مالی وسائل اور مختصر فوجی طاقت کے باوُجود، اسلامی دائرۂ سلطنت کو لاکھوں مربع میل تک پھیلاتے ہوئے، عدل، انصاف اور انسانی حقوق کے ایسے قوانین وضع کیے، کہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ دنیا کے بعض ترقی یافتہ غیر مسلم ممالک، آج بھی اُن پر عمل پیرا ہیں۔

میرے عزیز دوستو! مذہب اور سیاست کے درمیان علیحدگی کے نظریے کو، مغربی اصطلاح میں سیکولرازم (secular) بھی کہا جاتا ہے، جو کلیسا (Church) کے منحرف، دین کے خلاف یورپ کی اِلحادی بغاوت کا نتیجہ ہے۔ اس نظریے نے جہاں ایک طرف یورپیوں کو اپنے ہی کلیسا (Church) کے خلاف برانگیختہ کیا، وہیں دوسری جانب یورپ کی استعماری قوتوں نے، اسی نظریے کو مسلم مذہبی سیاسی قیادت کے خلاف بطورِ ہتھیار استعمال کرتے ہوئے، مسلمانوں کو بھی اسلامی نظام کی حاکمیت سے محروم کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔

دینِ اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی

میرے محترم بھائیو! ہمیں یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے، کہ اسلام صرف ایک مذہب نہیں، بلکہ کلیّت کا حامل ایک کامل واکمل دین ہے۔ اللہ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾[1] "یقیناً اللہ تعالی کے یہاں اسلام ہی دین ہے"۔

حضراتِ گرامی قدر! دین اس نظام کو کہتے ہیں جو تمام شعبہ ہائے زندگی کو محیط ہو، جو انسان کو اس کی زندگی کے ہمہ جہت گوشوں، اور ہر پہلو پر مؤثر رہنمائی فراہم کرے، نیز ہر قسم کے عیوب ونقائص سے بھی پاک ہو۔ جس نظام میں یہ خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہوں، وہ دین کہلانے کا حقدار ہے، چونکہ اسلام بحیثیتِ دین، زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری مادّی، سماجی، مُعاشرتی اور روحانی ضروریات کا کفیل ہے، لہذا اسلام صرف مذہب ہی نہیں بلکہ ایک مکمل، تاقیامت رہنے والا اور سب اَدیان پر غالب آنے والا دین ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾[2] "وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا؛ کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، اگرچہ مشرک بُرا مانیں!"۔

لہٰذا یہ تصور کہ دینِ اسلام، سیاسی نظام اور اس کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہے، (معاذ اللہ) انتہائی خام خیالی، اور تاریخی حقائق سے عدم شناسی پر مبنی ہے۔

---

(۱) پ ۳، آل عمران: ۱۹.

(۲) پ ۲۸، الصف: ۹.

اسلام کا تصوّرِ سیاست اور سیکولر جمہوریت

برادرانِ اسلام! اللہ رب العالمین اس کائنات کا خالق، مالک اور قادرِ مطلق ہے، اس کائنات پر اصل حاکمیت اللہ تعالی ہی کو حاصل ہے، اور ساری دنیا کے تمام حکمران اسی حاکمیت کے تابع ہیں۔ یہ وہ بنیادی اصول ہے، جس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں، اور نہ ہی اس پر کسی کو رائے زنی کا حق حاصل ہے۔ حاکمیتِ اعلیٰ سے متعلق ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾[1] "حکم صرف اللہ کا ہے"۔

ایک اَور مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾[2] "اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

دنیا کا کوئی بھی حاکم اللہ تعالی کی مشیئت کے بغیر، مسندِ اقتدار پر براجمان نہیں ہوسکتا، اللہ رب العزّت ارشاد فرماتا ہے: ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ﴾[3] "یوں عرض کرو کہ اے اللہ، مُلک کے مالک! تو جسے چاہے سلطنت دے، اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے!"۔

حضراتِ گرامی قدر! یہ تمام آیاتِ مبارکہ اس اَمر پر بیّن دلیل ہیں، کہ کائنات میں اللہ تعالی کے سوا کسی کو حاکمیت کا حق حاصل نہیں، جبکہ سیکولرازم (secularism) کی پروَردَہ جُمہوریت (Democracy) میں حاکمیت کا حق عوام کے لیے تسلیم کیا گیا ہے۔ حاکمیت کا معنی یہ ہے کہ کسی دوسرے کا پابند ہوئے بغیر حکم

---

(١) پ ٧، الأنعام: ٥٧.

(٢) پ ٤، آل عمران: ١٨٩.

(٣) پ ٣، آل عمران: ٢٦.

جاری کرنا، اور فیصلہ کرنے کا کلّی اختیار حاصل ہونا، اور یہ اختیار اللہ رب العالمین کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اس معنی میں، کسی اَور کی حاکمیت کا قائل ہو، تو وہ مشرِک، مرتَد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

اللہ رب العالمین کی حاکمیت کا صحیح اور واضح مفہوم یہ ہے، کہ خالقِ کائنات عزّوجلّ نے جو ہدایات، وحی کے ذریعے بنی نَوعِ انسان تک پہنچائی ہیں، وہ اسلامی حکومت کا اوّلین ماخذ اور اوّلین ترجیح ہونی چاہئیں۔

عزیزانِ محترم! اللہ تعالی کی حاکمیت کا اِقرار ہی وہ بنیادی اصول ہے، جو اسلام کے تصورِ سیاست کو سیکولر جُمہوریت (Secular democracy) سے یکسر الگ تھلگ کر دیتا ہے، نام نہاد جُمہوریت میں عوام کی نمائندہ پارلیمنٹ اتنی مختارِ مطلق ہے کہ وہ جو چاہے، اور جیسے چاہے قانون سازی کرتی ہے، حکمران جماعت اگر دو تہائی اکثریت کی حامل ہو تو اپوزیشن بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، ملکی آئین میں اگر قانون سازی پر پابندی ہو، تو صرف ایک چھوٹی سی ترمیم کے ذریعے اسے کالعدم قرار دیا جاسکتا ہے۔ جبکہ اسلامی حکومت کا اصل دُستور قرآن وسنّت ہے، جس میں کسی قسم کا رَد وبدل یا ترمیم وتنسیخ نہیں کی جاسکتی، اور نہ ہی کوئی ایسا بل یا قانون پاس کیا جاسکتا ہے، جو اللہ ورسول کے اَحکام کے مُنافی ہو۔

اسلامی نظامِ حکومت کی ترجیحات اور معیار

عزیزانِ مَن! آج دنیا کی ہر سیکولر حکومت کی ترجیحات اور مقاصد کی تان اس بات پر آکر ٹوٹتی ہے، کہ وہ اپنے ملک کی عوام کو زیادہ سے زیادہ خوشی فراہم کریں گے، ان کے بنیادی انسانی حقوق کو تحفظ دیں گے، ان کے لیے مفت علاج اور تعلیم کا بندوبست کریں

گے، ان کے لیے روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کریں گے ...وغیرہ وغیرہ۔ کوئی حکومت یہ نہیں کہتی کہ ہم اپنے عوام کی دینی واَخلاقی تربیت کریں گے، نیکی وایمانداری کو فروغ دیں گے، برائی سے منع کریں گے، بے حیائی اور برے کاموں پر پابندی لگائیں گے۔

یہ باتیں کسی بھی سیکولر جُمہوریت کے پروَرْدَہ نظامِ حکومت، یا سیاسی جماعت کے منشور کا حصہ نہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اچھائی وبرائی، یا نیکی وبدی کا توان کے ہاں کوئی مستقل تصور ہی نہیں، جبکہ اس کے برخلاف اسلامی نظامِ حکومت میں، اس کا خاص معیار یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے جس چیز کو اچھا قرار دیا وہ اچھی ہے، اور جسے بُرا کہہ دیا وہ بری ہے۔ اسلامی نظامِ حکومت کے معیار اور ترجیحات کو اللہ رب العالمین قرآنِ پاک میں یوں ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[1] "وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں قابو دیں، تو نماز برپا رکھیں، اور زکات دیں، اور بھلائی کا حکم کریں، اور برائی سے روکیں"۔

جانِ برادر! اسلامی نظامِ حکومت کے معیار میں ایک انفرادیت یہ بھی ہے، کہ مسلمان حکومت کو اپنی رِعایا کے ساتھ امتیازی سُلوک سے بچتے ہوئے، ان کے مابین عدل وانصاف سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾[2] "اے داؤد! یقیناً ہم نے تمہیں زمین میں اپنا نائب بنایا، تو لوگوں میں سچا حکم (فیصلہ) کرو، اور خواہش کے پیچھے نہ جانا؛ کہ تمہیں اللہ کی راہ سے بہکا دے گی"۔

---

(١) پ١٧، الحج: ٤١.

(٢) پ٢٣، صٓ: ٢٦.

صرف یہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ اَحکام کے مطابق، عدل وانصاف سے کام نہ لینے والوں کو ظالم قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾(١) "جو اللہ تعالیٰ کے اُتارے پر حکم (فیصلہ) نہ کرے، تو وہی لوگ ظالم ہیں!"۔

حضراتِ گرامی قدر! یوں تو ہر نام نہاد جُمہوری نظامِ حکومت، اپنے اپنے ملک میں انصاف قائم کرنے کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے، اور اس کے لیے اپنے ہی وضع کردہ اصول وقوانین کو، اپنی ہی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے، خود کو عدل وانصاف کا ماہر سمجھتا ہے، لیکن حقیقی عدل وانصاف وہ ہے، جسے اللہ عزّوجلّ اور اس کے پیارے رسول ﷺ انصاف قرار دیں۔

دنیا کے بہت سے سیکولر جُمہوری مُعاشروں میں سربراہانِ مملکت کو متعدّد قوانین سے استثناء حاصل ہے، یہاں تک کہ اگر ان کے خلاف کوئی جُرم ثابت ہو بھی جائے، تب بھی ان کے خلاف اس وقت تک مقدّمہ نہیں چلایا جاسکتا، جب تک وہ مسندِ اقتدار سے علیحدہ نہ ہوجائیں۔ جبکہ دوسری طرف اسلامی نظامِ حکومت کا، تصورِ عدل وانصاف تو یہ ہے کہ تاجدارِ رسالت، مصطفی جانِ رحمت ﷺ کی بارگاہ میں چوری کا ایک مقدّمہ پیش کیا جاتا ہے، اور چور کا تعلق ایک بااثر قبیلہ بنی مخزوم سے ہونے کی بناء پر، اس کے لیے سزا میں نرمی کی سفارش کی جاتی ہے، اس پر حضورِ اکرم ﷺ شدید ناراض ہوتے ہوئے جواباً ارشاد فرماتے ہیں: «إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ

(١) پ٦، المائدة: ٤٥.

سَرَقَتْ، لَقَطَعْتُ يَدَهَا»[1] "تم سے پہلے والے اسی لیے تباہ وبرباد ہوئے، کہ وہ کمزوروں پر بلا تامّل حد قائم کر دیتے، جبکہ اُمراء سے درگزر کرتے تھے، قسم ہے ربِ عظیم کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر بالفرض فاطمہ بنتِ محمد (ﷺ) بھی چوری کرتی، تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا"۔

اسی طرح بیشتر یورپی ممالک میں شخصی قوانین کے مُعاملے میں، مقامی وغیر مقامی تمام باشندوں کو بلا تفریقِ مذاہب، ایک ہی قانون کا پابند کیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نکاح وطلاق، اور میراث ووصیت وغیرہ کے مُعاملات میں، بہت سے لوگ اپنی مذہبی تعلیمات کے خلاف عمل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف اسلامی نظامِ حکومت کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والے کو یہ آزادی دیتا ہے، کہ وہ ان مُعاملات میں اپنے مذہب پر عمل کرے۔

ڈاکٹر اقبال کا تصوُرِ دین وسیاست

میرے عزیز ہم وطنو! شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال، بانیانِ پاکستان میں سے ہیں، آپ دین وسیاست کے جداگانہ تصور کو جھٹلاتے ہوئے، اپنے خطبۂ الہ آباد (۱۹۳۰ء) میں فرماتے ہیں کہ "کیا آپ بھی یہ چاہتے ہیں، کہ ایک اَخلاقی اور سیاسی نصب العین کی حیثیت سے (معاذ اللہ) اسلام کا بھی وہی حشر ہو، جو مغرب میں مسیحیت کا ہوا ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اسلام کو بطور ایک اَخلاقی تخیل کے تو برقرار رکھیں، لیکن اس کے نظامِ سیاست کے بجائے ان قومی نظامات کو اختیار کریں، جس میں مذہب کی مُداخلت کا کوئی اِمکان باقی نہیں رہتا، (دِین اور سیاست) دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں، اگر آپ

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب أحاديث الأنبياء، ر: ٣٤٧٥، صـ٥٨٦.

نے ایک کو ترک کیا، تو بالآخر دوسرے کا بھی ترک لازم آئے گا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی، کسی ایسے نظامِ سیاست پر غور کرنے کے لیے آمادہ ہو گا، جو کسی ایسے وطنی یا قومی اصول پر مبنی ہو، جو اسلام کے اصولِ اتحاد کی نفی کرے"[۱]۔

مذہب وسیاست سے متعلق ڈاکٹر اقبال کا نظریہ

عزیزانِ گرامی! اقبال کے خطبے کا اقتباس بڑا واضح ہے، اور اس میں کوئی اِبہام نہیں کہ ڈاکٹر اقبال دین اور سیاست کو الگ نہیں، بلکہ دونوں کو لازم وملزوم سمجھتے تھے۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۳۱ء کو نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "وہ دہریت (Atheism) اور مادّیت (Materialism) سے محفوظ رہیں۔ اہلِ یورپ کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے مذہب اور حکومت کو علیحدہ علیحدہ کر دیا، اس طرح ان کی تہذیب رُوحِ اَخلاق سے محروم ہوگئی، اور اس کا رُخ دہریانہ مادّیت کی طرف پھر گیا"[۲]۔

علمائے دین کا سیاست سے تعلق

میرے بھائیو! ہر مسلمان کو یہ بات بخوبی جان لینی چاہیے، کہ تاریخِ اسلام میں جب بھی اسلامی مُعاشرے کو سیاسی اعتبار سے، محراب ومنبر سے قیادت اور رَہنمائی ملی، مسلمان قوّت، سربلندی، اور فُتوحات حاصل کرتے چلے گئے، اور اس کے برعکس جب بھی مسلمانوں کی سیاسی قیادت، اسلامی تعلیمات سے ناآشنا، اور سیاسی ویژن (Vision) سے محروم، نیم خواندہ سیاستدانواں، اور قوم پرست لیڈروں نے کی، تب تب مسلمان ذلّت اور آپسی جنگوں کا شکار ہوکر، نظامِ حکومت اور اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھے!۔

---

(۱) "روزنامہ نوائے وقت "علّامہ اقبال: دین اور سیاست، آن لائن، ۰۷ نومبر ۲۰۱۱ء۔

(۲) ایضاً، علّامہ اقبال کا سیاسی نظریہ، آن لائن، ۰۹ نومبر ۲۰۱۲ء۔

حکمران کیسا ہونا چاہیے؟

برادرانِ اسلام! تاریخ کے اَوراق پر نظر دَوڑائی جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت کی کامیابی اور ترقی کا اصل راز، اس کے حاکم، امیر یا خلیفہ کا میرٹ (Merit) پر انتخاب ہے، نبئ کریم ﷺ کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے خالصۃً علم وفضل اور رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے، بالترتیب خلفائے راشدین کا انتخاب فرمایا، ان کے دَور میں ہونے والی فُتوحات، ان کے درست انتخاب پر واضح دلیل ہیں۔

لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ الیکشن کی صورت میں جب ہمیں اپنا سربراہِ مملکت چننے کا موقع دیا جائے، تو ہم کسی ایسے شخص کو اپنا ووٹ دیں، جو زُہد وتقوی اور علم وعمل میں سب سے بڑھ کر ہو؛ تاکہ ریاست وحکومت کے تمام اختیارات استعمال کرتے وقت، وہ حکمران اَحکامِ الٰہیہ کو پیشِ نظر رکھے، شرعی اَحکام کا سختی سے پابند رہے، اس کا کردار مثالی اور سیرت بے داغ ہو۔

مگر بدقسمتی سے ہمارے زمانے میں ایسے حالات پیدا کر دیے گئے ہیں، کہ محراب ومنبر سے وابستہ جو علمائے کرام اور بزرگانِ دین، اس معیار پر پورا اُترتے تھے، ان کے لیے میدانِ سیاست کے دروازے بند کرکے، انہیں مسجد، مدرسہ اور خانقاہ تک محدود کر دیا گیا ہے، نتیجۃً آج ہم پر اَن پڑھ، جاہل، گنوار، بدتہذیب اور اَحکامِ شرع سے ناواقف ایسے سیکولر اور ناہنجار سیاستدان مسلّط کر دیے گئے ہیں، جو اپنے اقتدار کی خاطر، دینِ اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

مذہبِ اسلام اور اس کے مبلّغین کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے منصب کا لحاظ

کیے بغیر، ان کے لیے توہین آمیز کلمات استعمال کرتے ہیں، جو عالمِ دین ان کے راستے میں رکاوٹ بننے کی کوشش کرے، انہیں ان کے غیر شرعی فیصلوں اور قوانین سے آگاہ کرے، یا ان کے مقابل الیکشن میں حصہ لینے کی کوشش کرے، یہ لوگ اپنے دجّالی میڈیا کے ذریعے اس کی کردار کُشی کرتے ہیں، اس کے خلاف بے جا مقدّمات بنواتے ہیں، چادر اور چار دیواری کی پرواہ کیے بغیر، ان کے اہلِ خانہ کو پریشان کرتے ہیں۔

لہٰذا آج ضرورت اس اَمر کی ہے، کہ عوام الناس کو مذہب اور سیاست کے باہمی تعلق سے آگاہ کیا جائے، انہیں یہ بتایا جائے، کہ کسی حکومتی منصب پر فائز ہونے کے لیے، دینِ اسلام کا معیار کیا ہے؟ اور اس کے لیے کس طرح کے لوگ اہل ہیں، اور کون کون نااہل؟۔

دعا

اے اللہ! ہمیں نیک صالح اور شریعت کے پابند عادِل حکمران عطا فرما، ہمیں مذہب اور سیاست کے باہمی تعلق کو سمجھنے کی توفیق عطا فرما، ہمیں علمائے دین اور اپنے نیک حُکّام کی پیروی کی سعادت عطا فرما، انہیں اپنی رِعایا کے لیے آسانیاں فراہم کرنے کی توفیق دے، آمین یا ربّ العالمین!۔

اسلام کا نظامِ عدل وانصاف

(جمعۃ المبارک ۱۷ رجب المرجب ۱۴۴۱ھ - ۱۳/۳/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلِهِ وصحبِهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمٰنِ الرّحيم.

حضور پُر نور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلِهِ وصَحبِهِ أجمعين.

اسلام میں عدل وانصاف کی اہمیت

برادرانِ اسلام! کسی چیز کو صحیح مقام پر رکھنا، حقدار کو اس کا پورا حق دینا، اور انفرادی واجتماعی مُعاملات میں اِفراط وتفریط سے بچنا، عدل کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے، کہ مُعاشرے میں جس کا جتنا حق بنتا ہے، بغیر کسی کمی بیشی اور اختلافِ رنگ ونسل وذات پات کے، اُسے وہ حق دے دینا عدل ہے، اور انصاف کے بھی یہی معنی ہیں۔ عدل وانصاف کا جو نظام دینِ اسلام نے دیا ہے، دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

حضراتِ گرامی قدر! عدل وانصاف ایک ایسا وصف ہے، جسے اپنانے والی قوم سربلندی وسرفرازی سے ہمکنار ہوتی ہے، جس مُعاشرے میں اس گوہرِ گراں مایہ سے محرومی پائی جائے، وہ رُوبہ زوال ہو کر تباہی وبربادی سے دوچار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویہ میں مسلمانوں کو عدل وانصاف کے قیام پر بڑی تاکید کی

گئی ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾[1] "اے ایمان والو! انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے، اللہ تعالی کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ! اور تم کو کسی قوم کی عداوَت اس بات پر نہ اُبھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو! کہ وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالی سے ڈرو! یقیناً اللہ تعالی کو تمہارے کاموں کی خبر ہے!"۔

عدل وانصاف کی مزید تاکید کرتے ہوئے خالقِ کائنات عَزَّوَجَلَّ نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾[2] "اگر تم فریقَین کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، یقیناً اللہ تعالی انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے"۔

اسی طرح ایک اَور مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى ﴾[3] "یقیناً اللہ انصاف اور نیکی، اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم فرماتا ہے"۔

اسلام کا تصورِ عدل وانصاف

عزیزانِ محترم! بلا تفریق عدل وانصاف پر مبنی دُرست فیصلے، اَقوامِ عالَم کی کامیابی، کامرانی اور امن واِستحکام کے لیے انتہائی ضروری ہیں؛ کیونکہ اس سے لوگوں

(١) پ ٦، المائدة: ٨.

(٢) پ ٦، المائدة: ٤٢.

(٣) پ ١٤، النحل: ٩٠.

کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے۔ انبیاء ومرسَلین کے مقاصدِ بعثت میں سے ایک اہم ترین مقصد، بلاتفریق عدل وانصاف کی فراہمی بھی ہے، اللہ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾(۱) "یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا، اور اُن کے ساتھ کتاب اور عدل کی ترازو اُتاری؛ کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں!"۔

ایک اَور مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾(۲) "اے داؤد! یقیناً ہم نے تمہیں زمین میں نائب بنایا، تو لوگوں میں سچا حکم (فیصلہ) کرو، اور خواہش کے پیچھے نہ جانا؛ کہ تمہیں اللہ کی راہ سے بہکا دے گی!"۔

عدل وانصاف کی مزید تاکید کرتے ہوئے "سورۃ النساء" میں ارشاد فرمایا: ﴿وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا﴾(۳) "یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو، تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، یقیناً اللہ تعالی تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے، یقیناً اللہ تعالی سنتا دیکھتا ہے!"۔

عدل وانصاف اور سیرتِ نبوی ﷺ

عزیزانِ مَن! انبیائے کرام علیہم السلام کے سردار، اور حاکمِ وقت ہونے کے باوجود، عدل وانصاف کی حکمرانی کے لیے مصطفی جانِ رحمت ﷺ خود بھی ہمیشہ

(۱) پ ۲۷، الحدید: ۲۵.
(۲) پ ۲۳، صٓ: ۲۶.
(۳) پ ۵، النساء: ۵۸.

جواب دہی کے لیے آمادہ رہتے، حضرت سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں، کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مال (غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے، کہ ایک شخص حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اوپر جھک گیا، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پاس ایک چھڑی تھی جس سے اُسے کچوکا لگایا، اُس شخص کے چہرے پر زخم آگیا، تب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اُس سے فرمایا: «تَعَالَ فَاسْتَقِدْ» "آؤ مجھ سے قصاص (بدلہ) لے لو!" وہ عرض گزار ہوا کہ یارسول اللہ! میں نے مُعاف کیا[1]۔

اسی طرح حضرت سیّدنا عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہ حضرت سیّدنا اُسید بن حُضَیر رضی اللہ تعالی عنہ جو ایک انصاری صحابی تھے، وہ لوگوں سے باتیں کر رہے تھے، اور مزاحیہ باتیں سنا کر لوگوں کو ہنسا رہے تھے، کہ نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ایک لکڑی سے انہیں کچوکا دیا، انہوں نے عرض کی کہ مجھے قصاص (بدلہ) دیجیے، نبئ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «اصْطَبِرْ» "قصاص لے لو!" وہ عرض گزار ہوئے کہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے جسدِ اطہر پر قمیص ہے، جبکہ میرے جسم پر اُس وقت قمیص نہیں تھی، تب رسولِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنا کُرتہ مبارک اٹھا دیا، وہ صحابی رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے آکر لپٹ گئے، مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پہلو مبارک کو بوسہ دینے لگے، اور عرض کی: یارسول اللہ! میرا مقصود و مراد صرف اتنا ہی تھا[2]۔

حضراتِ گرامی قدر! مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عدل وانصاف کے مُعاملے میں کبھی کسی مصلحت کا شکار نہیں ہوئے، رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ہر چھوٹے

---

(١) "سنن أبي داود" كتاب الديات، ر: ٤٥٣٦، صـ٦٤٢.

(٢) المرجع نفسه، كتاب الأدب، باب في قُبلة الجسد، ر: ٥٢٢٤، صـ٧٣٣.

بڑے، امیر غریب اور کمزور وطاقتور کے ساتھ یکساں عدل وانصاف فرمایا، ایک بار سرورِ عالم ﷺ کی بارگاہ میں چوری کا ایک کیس پیش کیا گیا، اور چور کا تعلق ایک بااثر قبیلہ بنی مخزوم سے تھا، لہٰذا سزا میں نرمی کی سفارش کی گئی، اس پر حضورِ اکرم ﷺ نے شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: «إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ اللهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»[۱] "تم سے پہلے لوگ اس لیے تباہ وبرباد ہوئے، کہ وہ غرباء (کمزور) پر بلا تامّل حد قائم کر دیتے، جبکہ اُمراء (طاقتور) سے درگزر کرتے تھے، قسم ہے ربِ عظیم کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر فاطمہ بنتِ محمد (ﷺ) بھی چوری کرتی، تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا"۔

عادِل ومُنصِف حکمران اور قاضی کا مقام

حضراتِ محترم! ہر وہ شخص جو کسی بھی لحاظ سے فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں ہے، چاہے وہ کوئی حکمران ہو، یا منصبِ قضاء پر فائز جج، کسی پنچائیت کا سربراہ ہو، یا برادری میں صاحبِ اختیار، اس پر لازم ہے کہ تمام حالات و واقعات، فریقین کے دلائل اور شواہد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرے، عدل وانصاف کا ترازو تھامے رکھے، مظلوم کو اس کا پورا پورا حق دلائے، اور ظالم کے خلاف حکمِ شرع کے مطابق ضروری تادیبی کاروائی بھی کرے۔

اپنی رِعایا کے ساتھ عدل وانصاف کا مُعاملہ کرنے والے حکمران سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَقْرَبُهُمْ مِنْهُ

---

(۱) "صحيح البخاري" باب حديث الغار، ر: ۳۴۷۵، صـ۵۸۶.

مَجْلِساً، إِمَامٌ عَادِلٌ»[۱] "قیامت کے دن اللہ تعالی کی بارگاہ میں، زیادہ مقرّب ومحبوب، انصاف کرنے والا حاکم ہوگا"۔

ایک اَور مقام پر رحمتِ عالمیان ﷺ نے ارشاد فرمایا: «سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: الإِمَامُ الْعَادِلُ ...»[۲] "بروزِ قیامت جب کوئی سایہ نہیں ہوگا، سات ے قسم کے لوگوں کو اللہ تعالی اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائے گا: (اُن خوش نصیبوں میں سے ایک) عدل وانصاف کرنے والا حاکم بھی ہے..."۔

یاد رکھیے! جو حکمران، جج یا مُنصِف، قرآن وسنّت کی روشنی میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا، اللہ تعالی کی مدد اُس کے شاملِ حال رہے گی، بصورتِ دیگر اُس کی حیثیت ایک شیطانی آلۂ کار سے زیادہ نہیں۔ حضرت سیّدنا عبد اللہ بن ابی اَوفی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، سرکارِ دو عالَم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللهَ مَعَ الْقَاضِي مَالَمْ يَجُرْ، فَإِذَا جَارَ تَخَلَّى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ»[۳] "یقیناً اللہ تعالی عدل وانصاف والے قاضی وحاکم کے ساتھ ہوتا ہے، لیکن جب وہ ظلم کرے تو اللہ تعالی اُسے چھوڑ دیتا ہے، تب شیطان اُس کے ساتھ لگ جاتا ہے"۔

میرے عزیز دوستو، بھائیو اور بزرگو! ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے دائرۂ کار میں ایک حاکم کی حیثیت رکھتا ہے، ہم سب کی بھی ایک رِعایا ہے، جس سے متعلق بروزِ قیامت ہم سے باز پُرس ہوگی، ہم پر لازم ہے کہ اپنے ماتحتوں کے حقوق کا خیال

---

(۱) "مسند الإمام أحمد" مسند أبي سعيد الخدري، ر: ۱۱۵۲۵، ٤/ ۱۱۱.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الأذان، ر: ٦٦٠، صـ۱۰۷.

(۳) "سنن الترمذي" باب ما جاء في الإمام العادل، ر: ۱۳۳۰، صـ۳۲۲.

رکھیں، اور اُن کے ساتھ عدل وانصاف کا مُعاملہ کریں۔

حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ: فَالأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ، فَهُوَ رَاعٍ عَلَيْهِمْ، وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْهُمْ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْهُمْ، وَالمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ، وَهِيَ مَسْؤُوْلَةٌ عَنْهُمْ، وَالعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ، وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْهُ، أَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»[1].

"تم میں سے ہر ایک حاکم ہے، اور اُس سے اُس کی رِعایا (ماتحتوں) کے بارے میں سوال ہوگا، تو لوگوں کا امیر اُن کا حاکم ہے، اور اس سے اُس کی رِعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔ آدمی اپنے گھر والوں پر حاکم ونگہبان ہے، اس سے اُس کے اہل وعِیال کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے شَوہر کے گھر اور اُس کے بچوں پر نگہبان ہے، اس سے اُس بارے میں پوچھا جائے گا۔ غلام (وملازم) اپنے آقا (مالک) کے مال کا نگہبان ہے، اُس سے بھی اس بارے میں پوچھا جائے گا، لہذا جان لو کہ تم میں سے ہر ایک حاکم ونگہبان ہے، اور ہر ایک سے اس کی رَعیت کے بارے میں (قیامت کے دن) باز پُرس ہوگی!"۔

عزیزانِ محترم! جو شخص اپنی رِعایا کے حقوق کو پامال کرے گا، اور اُن کے ساتھ عدل وانصاف کا مُعاملہ نہیں کرے گا، اللہ رب العزّت اُس پر جنّت حرام فرما دیتا ہے، تاجدارِ رسالت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لَا يَسْتَرْعِي اللهُ عَبْداً رَعِيَّةً،

(١) "صحيح البخاري" كتاب العتق، ر: ٢٥٥٤، صـ٤١٢.

يَمُوتُ حِينَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهَا، إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ»[1] "اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو رِعایا کا نگران بناتا ہے، اور وہ اس حال میں مرے کہ اپنی رِعایا (ماتحتوں) کے حقوق پامال کرتا ہو، تو اللہ تعالی اُس پر جنّت حرام کر دیتا ہے!"۔

ناانصافی کرنے والوں کا انجام

جانِ برادر! اللہ تعالی نے اپنے نازل کردہ اَحکام کے مطابق عدل وانصاف سے کام نہ لینے والوں کو، قرآن مجید میں نہ صرف ظالم قرار دیا ہے، بلکہ اُن کے لیے دردناک عذاب کی وعید بھی بیان فرمائی ہے، ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾[2] "جو اللہ کے اُتارے پر حکم (فیصلہ) نہ کرے، تو وہی لوگ ظالم ہیں!"۔

ناانصافی کرنے والوں کو خبردار کرتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾[3] "یقیناً اللہ بے انصافوں کو راہ (ہدایت) نہیں دیتا"۔

ناانصافی کے سبب دوسروں کی حق تلفی کرکے، ظلم کا ارتکاب کرنے والوں، اور ناحق سرکشی کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا: ﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ؕ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾[4] "جس نے اپنی مظلومی پر بدلہ لیا اُن پر کچھ مُؤاخذہ کی راہ نہیں، مُؤاخذہ تو انہیں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں، اور زمین میں ناحق

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، ر: ٣٦٤، صـ٧٣.

(٢) پ ٦، المائدة: ٤٥.

(٣) پ ٦، المائدة: ٥١.

(٤) پ ٢٥، الشورى: ٤١- ٤٢.

سرکشی پھیلاتے ہیں، اُن کے لیے دردناک عذاب ہے!"۔

غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف کا حکم

حضراتِ گرامی قدر! دینِ اسلام نے جہاں ایک مسلمان کی جان، مال اور عزّت وآبرُو کے تحفّظ کا درس دیا، وہیں مسلمانوں کو غیر مسلموں پر بھی ظلم وزیادتی سے روکا ہے، اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے، حُسنِ اَخلاق سے پیش آنے، اور عدل وانصاف قائم کرنے کا بھی حکم دیا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾[1] "اللہ تعالی تمہیں ان سے منع نہیں کرتا، جو تم سے دِین میں نہ لڑے، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا، کہ ان کے ساتھ احسان کرو، ان سے انصاف کا برتاؤ برتو، یقیناً انصاف والے اللہ تعالی کو محبوب ہیں"۔

سرورِ کونین ﷺ عدل وانصاف کے مُعاملے میں، مسلم وغیر مسلم کی تفریق نہ فرماتے، اور سب کے حقوق کا یکساں خیال رکھا کرتے۔ حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں: «كَانَ بَنُو النَّضِيرِ إِذَا قَتَلُوا مِنْ بَنِي قُرَيْظَةَ أَدَّوْا نِصْفَ الدِّيَةِ، وَإِذَا قَتَلَ بَنُو قُرَيْظَةَ مِنْ بَنِي النَّضِيرِ أَدَّوْا إِلَيْهِمُ الدِّيَةَ كَامِلَةً، فَسَوَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَهُمْ»[2] "بنو نضیر جب بنو قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کرتے تو نصف دِیت ادا کرتے، اور جب بنو قریظہ بنو نضیر کے کسی شخص کو قتل کرتے، تو انہیں پوری دِیت ادا کرنا پڑتی۔ رسول اللہ ﷺ نے (اس ناانصافی کا خاتمہ کرتے ہوئے) اُن کے درمیان مُساوات قائم کردی"۔

---

(١) پ٢٨، المتحنة: ٨.

(٢) "سنن أبي داود" باب الحكم بين أهل الذِمّةِ، ر: ٣٥٩١، صـ٥١٥، ٥١٦.

عدل وانصاف کا فقدان اور اس کے نقصانات

میرے عزیز دوستو! اسلام کے نظامِ عدل وانصاف کو انفرادی واجتماعی سطح پر نافذ کرنا، وقت کی اشد ضرورت ہے، اسے عدالتوں اور کورٹ کچہریوں تک محدود رکھنا یا سمجھنا، اس کی ہمہ گیر حیثیت کے ساتھ زیادتی ہے۔ ہر ہر فرد کے ساتھ عدل وانصاف کرنے کی ذمہ داری، ہر اُس شخص پر عائد ہوتی ہے، جو اس مُعاشرے کا حصہ ہے۔ اسلام کے نظامِ عدل وانصاف کے مطابق فرد مُعاشرہ سے عدل کرے، اور مُعاشرہ فرد سے، عوام حکومت کے ساتھ عدل کریں، اور حکومت عوام کے لیے عدل وانصافی کی فراہمی یقینی بنائے۔

یقین جانیے! اگر ہر شخص اپنی اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دینے لگے، تو پورے مُعاشرہ میں کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی، کسی پر ظلم نہیں ہوگا، کہیں منافقت نہیں ہوگی، اور کرپشن وبدعنوانی (Corruption) کا خاتمہ ہوجائے گا۔ لیکن صد افسوس کہ آج ہمارے ہاں نظامِ عدل وانصاف کی دھجیاں اُڑائی جارہی ہیں، ہر طرف ظلم وزیادتی کا بازار گرم ہے، کوئی کسی کو روکنے، ٹوکنے اور پوچھنے والا نہیں۔

میرے محترم بھائیو! اگر ہم اپنی قوم کا استحکام اور اس کی بقا چاہتے ہیں، تو ہمیں بہر صورت اسلامی نظامِ عدل وانصاف پر عمل پیرا ہونا ہوگا، اس کے قیام کے لیے اپنی اپنی ذمہ داری ادا کرنا ہوگی، بصورت دیگر ذلّت ورُسوائی اور تباہی وبربادی ہمارا مقدّر ہوسکتی ہے۔ اللہ رب العالمین ہم سب کو تمام اُمور میں عدل وانصاف سے کام لینے کی توفیق مرحمت فرمائے؛ تاکہ وطن عزیز مستحکم وترقی یافتہ ہو، ہر طرف امن وسکون کی فضا قائم ہو، اسلام کا بول بالا ہو!۔

دعا

اے اللہ ! ہمیں بلاتفریق عدل وانصاف کی توفیق عطا فرما، ظلم وزیادتی اور مظلوم کی بددعا سے محفوظ فرما، ہمارا عدالتی نظام بہترین بنا، سب لوگوں کے لیے انصاف کا حصول آسان کردے، ہمیں نیک صالح اور شریعت کے پابند عادِل حکمران عطا فرما، ہمارے حکمرانوں اور ججز کو اپنی مسلم وغیر مسلم رِعایا کے ساتھ عدل وانصاف کی توفیق دے، ہمیں اَحکامِ شریعت پر صحیح طور پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین !۔

یومِ پاکستان (حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں)

(جمعۃ المبارک ۲۴ رجب المرجب ۱۴۴۱ھ - ۲۰/۳/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

میرے محترم بھائیو! یومِ پاکستان، ہمارے وطنِ عزیز کی تاریخ کا ایک اہم دن ہے، اس دن یعنی ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل، ایک آزاد ملک کے مطالبے کی قرارداد، لاہور کے منٹو پارک (اقبال پارک) میں پیش کی گئی تھی، جو بعد میں قراردادِ پاکستان کے نام سے موسوم ہوئی۔ جس دن قراردادِ پاکستان پیش کی گئی، اسی وقت متفقہ طور پر واضح الفاظ میں یہ فیصلہ بھی کر لیا گیا تھا، کہ اب بحیثیت مسلمان، ہندو تہذیب کے ساتھ ملاپ کسی صورت ممکن نہیں، مسلمان اپنا ایک علیحدہ اسلامی تشخص رکھتے ہیں، جس بناء پر اب ہندو ریاست میں مسلمانوں کا رہنا ناقابلِ برداشت ہے[1]۔ اسی بنیاد پر مسلم لیگ نے برصغیر میں مسلمانوں کے جداگانہ وطن کے حصول کے لیے تحریک شروع کی، اور سات ۷ سال کے بعد اپنا مطالبہ منظور کرانے

---

(۱) "ماہنامہ دخترانِ اسلام مارچ ۲۰۱۶ء "اداریہ، ص۴۔ "تحریکِ پاکستان اور علماءِ کرام" ص۱۴۵۔

میں کامیاب رہی، اور وہ ثمرہ اسلامی جُمہوریہ پاکستان کے نام سے دنیا کے نقشے پر اُبھرا۔ اس دن کی یادگار کے طور پر ہر سال 23 مارچ پورے پاکستان میں عام تعطیل ہوتی ہے؛ تاکہ ہم ان مسلم قائدین کو خراجِ تحسین پیش کریں، جن کی سوچ، مطالبہ اور کاوشوں کے سبب ہمیں آزادی کی نعمت میسر آئی!۔

یومِ تجدیدِ عہدِ وفا

عزیزانِ محترم! 23 مارچ کا اہم دن تقاریر وتقاریب منعقد کرنے کے ساتھ ساتھ، عملی طور پر وطن کی مضبوطی واستحکام کے لیے تجدیدِ عہدِ وفا کا دن بھی ہے۔ ہم نے ہر لمحہ اس سلسلہ میں شدید محنت کرکے، اسے ترقی یافتہ اقوام کے مقابل لانا ہے، اور یہ ہم سے صرف وطن کا تقاضا نہیں، بلکہ ہمارے اپنے ضمیر کا بھی ہم سے یہی مطالبہ ہے، کہ ہم سب رنگ ونسل اور قومیتوں کے اختلافات بھلا کر، اس ملک کے باشندے ہونے کی حیثیت سے، اپنی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے، ملک وقوم کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر اپنا کردار ادا کریں!۔

وطن سے وفاداری

میرے محترم بھائیو! اس دن کی یاد اپنے ملک سے بندے کو وفا کا پیغام دے رہی ہے، کہ اس ملک کا کوئی باشندہ ایسا کام نہ کرے، جس سے وطن عزیز اور اس کی عزّت کو نقصان پہنچے۔ اپنے وطن کے اصول وقوانین کی پاسداری کرے، اس کے امن واستحکام کے لیے کوشاں رہے، کہ وطن ہے تو ہم ہیں، لہٰذا اس کی بقا کے لیے ہم سب کو متحد ہو کر جدوجہد کرنی ہے، ہمیں اسلام اور اپنے ملک سے وفاداری کا عہد کرنا، اور اسے پورا کرکے ہی دم لینا ہے، اس مملکتِ خداداد کی سلامتی، امن وسکون اور

استحکام کے لیے، باہمی اتحاد واتفاق، پیار محبت اور مُساوات کی ضرورت ہے۔ اپنے ملک ووطن سے محبت وپیار بھی ایمان کا حصہ ہے"[۱] ؎

دل سے نکلے گی نہ مر کر بھی وطن کی اُلفت

میری مٹی سے بھی خوشبوئے وفا آئے گی![۲]

شہداء کا اجر وثواب

میرے بزرگو ودوستو! قراردادِ پاکستان کی منظوری کے بعد بھی، وطنِ عزیز کے حصول کی کوششوں میں، جو مسلمان اپنی جانیں قربان کر گئے! وہ جاں نثارانِ وطن شہداء بارشادِ قرآنی: ﴿اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[۳] "وہ اپنے رب تعالیٰ کے پاس زندہ ہیں، روزی بھی پاتے ہیں، جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اس پر شاد ہیں، اور اپنے بعد آنے والوں کی خوشیاں منارہے ہیں، جو ابھی ان سے نہیں ملے، کہ ان پر نہ کچھ خَوف ہے اور نہ کچھ غم۔ اللہ کی نعمت اور فضل کی خوشیاں مناتے ہیں، اور یہ کہ اللہ تعالی مسلمانوں کا اجر ضائع نہیں کرتا"۔ کہ وہ جو اچھے اعمال اپنی زندگی میں کرتے تھے، اللہ تعالی ان کے مرنے کے بعد بھی ان اعمالِ صالحہ کو لکھتا ہے، اور خیر وبھلائی ان سے منقطع نہیں ہوتی[۴]۔

---

(۱) "المقاصد الحسنة" الباب الثاني في ترتيب ...، كتاب الإيمان، صـ٤٨٩.

(۲) "کلامِ فلک"۔

(۳) پ٤، آل عمران: ١٦٩-١٧١.

(٤) انظر: "صحيح مسلم" كتاب الوصية، ر: ٤٢٢٣، صـ٧١٦.

باہمی اتحاد عظیم نعمت ہے

رفیقانِ گرامی قدر! اس مبارک دن کی یاد ہم سے یہ بھی تقاضا کرتی ہے، کہ پوری قوم متحد ہوکر یک جان ہو جائے؛ کیونکہ اتحاد ایک قوّت اور عظیم نعمت ہے۔ اللہ تعالی ہمارے وطنِ عزیز کو بھی اپنے اس فضل وکرم سے نوازے، جو انتہائی عمدہ اور بابرکت چیز ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ، فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ»[1] "جو جنّت کے وسط میں اپنا ٹھکانا چاہتا ہو، اُسے چاہیے کہ اُمت کی بڑی جماعت سے مضبوط وابستگی رکھے"۔ اسی معنیٔ جلیل کی تاکید میں حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: «عَلَيْكُمْ بِالطَّاعَةِ وَالْجَمَاعَةِ؛ فَإِنَّهُمَا حَبْلُ اللهِ الَّذِي أَمَرَ بِهِ»[2] "تم پر اِطاعت واجتماعیت لازم ہے، یہ دونوں چیزیں اللہ تعالی کی رسّی ہیں، جس کو مضبوطی سے تھامنے کا اس نے حکم فرمایا ہے"۔

وطن اور اتحاد کی نعمت

عزیزانِ محترم! جس دن اللہ کریم اپنے فضل وکرم سے کوئی نعمت عطا فرمائے، اس کو یاد رکھنا اہلِ ایمان واہلِ محبت کا شِعار وشیوہ ہے، جس دن اللہ تعالی نے ہمارے بزرگوں کو وطنِ عزیز عطا فرمانے کے لیے، یکجا ہوکر جد وجہد کا عزم وحوصلہ دیا، اس دن کو عظیم، مبارک اور نعمت جان کر اللہ تعالی کا شکر ادا کرنا ہم پر لازم وضروری ہے، اور ساتھ ساتھ باہمی اتفاق واتحاد کو بھی مزید مضبوط کرنا ہے۔ تاریخ کے اَوراق پلٹنے، اور اَقوامِ عالَم کے عروج وزَوال، اور ان کی کامیابی وناکامی کا مطالعہ کرنے سے پتا چلتا ہے، کہ آج تک

---

(۱) "سنن الترمذي" باب ما جاء في لزوم الجماعة، ر: ۲۱۶۵، صـ۴۹۸.

(۲) "المعجم الكبير" من اسمه عبد الله، باب، ر: ۸۹۷۲، ۹/ ۱۹۹.

جس قَوم نے بھی عروج وترقی کی منزل پائی، وہ ترقی اکثر اُن کے باہمی اتحاد ہی کے مَرہونِ منّت رہی۔ اگر کسی کے پاس جنگی سازوسامان، تجربہ کار ودَلیر بَری، بحری اور فِضائی اَفواج، اور علماء ودانشوَر، الغرض دِینی ودنیاوی تمام قوّتیں ہوں، لیکن باہمی اتفاق واتحاد نہ ہو، تو یہ تمام تَرصلاحیتیں بے کار، بلکہ نا ہونے کے برابر ہیں۔ باہمی نااتفاقی ترقی کے بجائے تنزّلی، اور آبادی کے بجائے بربادی کا سبب بنتی ہے۔

مصطفیٰ جانِ رَحمت ﷺ نے مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے، اتفاق واتحاد، بھائی چارگی، ہم آہنگی ویکجہتی کا درس دیا، اور جب تک مسلمان اس پیغام پر عمل پیَرا رہے، کامیابی وکامرانی اُن کا مُقدَّر بنی رہی۔ قَیصر وکِسریٰ جیسی طاقتیں بھی مسلمانوں کے آگے سرنگوں تھیں، ان کی ہیبت وجلال سے پہاڑ بھی سمٹ کر رائی ہوئے، راستے کی ہر رُکاوٹ کو وہ پاؤں کی ٹھوکر سے دُور کرتے چلے گئے، فتح ونُصرت کے پرچم لہرائے، کامیابیوں کے سفر طے کیے۔ لیکن جب مسلمان اتفاق واتحاد کو ختم کر کے تفرِقہ بازی، گروہ بندی اور تعصب میں مبتلا ہوئے، ان کی شان وشَوکت، دَبدبہ ورُعب سب کچھ بکھر کر رہ گیا، مسلمان کمزور ہوتے چلے گئے۔

یہ بات خوب واضح ہے کہ اتفاق واتحاد، قوّت اور تعمیری نشوونما کا سبب ہے، جبکہ اس سے دُوری ونااتفاقی، اِفتراق وانتشار، تخریب اور کمزوری کا باعث ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ﴾[1] "اللہ اور رسول کا حکم مانو، اور آپس میں جھگڑا مت کرو، ورنہ بُزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہَوا (طاقت) جاتی رہے گی!" یعنی اتحاد واتفاق کے

(۱) پ ۱۰، الأنفال: ٤٦.

سبب مسلمانوں کا رُعب ودَبدَبہ قائم رہتا ہے، بصورتِ دیگر سب کچھ ختم ہوکر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی اِفتراق وانتشار والے اَفعال، حرکات اور کردار کو چھوڑ کر، باہمی مضبوط اتحاد سے کام لینا ہے!!۔

بھلائی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو!

عزیزانِ محترم! اللہ تعالی کا کروڑہا کروڑ احسان، کہ اُس نے وطنِ عزیز پاکستان کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے، جن میں سَرسبز باغات، کنویں، چشمے، وسیع وعریض سمندر، دریا اور ہماری پاک سرزمین بھی ہے۔ یہاں شہروں کی تعمیر، بچوں کی تعلیم، تربیت اور ترقی، انسانیت کی بقا وفلاح، صحت وسلامتی کے لیے اسکول، یونیورسٹیز، ہسپتال وصنعتوں کے قیام، ہر ممکنہ وبنیادی سہولیات کی فراہمی، سڑکوں، پُلوں اور ڈیموں کی تعمیرات، خدمتِ خلق اور دیگر کئی اچھے کاموں کے لیے مزید بھرپور کوششوں کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم اس ملک کی اشیاء واَملاک کی حفاظت کریں، اور حکومتی اہلکاروں سے بھرپور تعاوُن کرکے حکمِ خداوندی کا عملی طور پر ثبوت دیں، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى﴾[1] "بھلائی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو!"۔

خدمتِ انسانیت

برادرانِ اسلام! بے لَوث خدمتِ انسانی دلوں کو موہ کر، مخالفتوں کے ہجوم سے بھی راستہ نکال لیتی ہے۔ مسلمان بحیثیت اُمّت خدمتِ خلق کو اپنا شِعار بنالیں، تو انہیں فاتحِ زمانہ بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ خدمتِ خلق میں اجرِ عظیم، اور آخرت کی

(۱) پ٦، المائدة: ٢.

بھی کامیابی ہے، مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا ہر ایک کو چاہیے کہ دوسرے بھائی کی ہر طرح سے مدد کرے۔ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: «المُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ، كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً، فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِماً سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»[1].

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اپنے بھائی پر ظلم نہیں کرتا، اور نہ اُس کو ظالم کے حوالے کرتا ہے، جس نے اپنے بھائی کی ضرورت پوری کی، اللہ تعالی اس کی ضرورت پوری فرمائے گا، جس نے کسی مسلمان کی مصیبت دُور کی، اللہ تعالی بروزِ قیامت اُس کی مصیبتیں دُور فرمائے گا، اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالی قیامت کے دن اس کی ستر پوشی فرمائے گا"۔ لہذا جن مقاصدِ حسنہ کے لیے ہمیں وطنِ عزیز حاصل ہوا، ان مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے، ان تعلیماتِ اسلامیہ پر عمل کرتے ہوئے، ہمیں اپنے بزرگوں کی کوششوں اور قربانیوں کو خراجِ تحسین پیش کرنا ہے۔

اتفاق واتحاد کے حصول کی کوشش

میرے عزیز ہم وطنو! لاکھوں قربانیوں کے بعد حاصل ہونے والی، اس مملکتِ اسلامیہ کی بقا، عروج وترقی اور امن وسلامتی کے لیے باہمی اتفاق واتحاد بہت ضروری ہے، جس طرح قطرۂ آب کی تنہا کوئی خاص حیثیت نہیں ہوتی، مگر جب یہی قطرے آپس میں اتحاد کرلیتے ہیں، تو ابرِ کرم کی صورت میں پَل بھر میں جَل تھل کر دیتے ہیں، سُوکھے کھیتوں کو ہرا بھرا اور تر وتازہ کر دیتے ہیں، انہی قطروں کی ہم آہنگی

(۱) "صحيح البخاري" كتابُ المظالم، ر: ۲٤٤٢، صـ۳۹٤.

ایک ایسے طُوفان کو بھی جنم دیتی ہے، جو ایک عالَم کو تنکے کی طرح بہا کر لے جاتا ہے۔ لاکھوں میل دُور سے نظر آنے والے ننھے ستارے کی کیا حقیقت؟ لیکن جب یہی ستارے آپس میں اتحاد کر لیتے ہیں، تو اندھیری رات میں پورے عالم کو روشن ومنوّر کر دیتے ہیں، مسافروں کے لیے خیر کا سامان بن جاتے ہیں!!۔

الغرض یہی حال اقوامِ عالم کا بھی ہے، کہ اتفاق واتحاد کی بدَولت قومیں سنورَتی اور ترقی وعروج کی مَنازل طے کرتی ہیں۔ اگر آج ہم بھی اتفاق واتحاد کے اصول پر کاربند ہو جائیں، اسلامی تعلیمات اور اعلیٰ انسانی واَخلاقی اَقدار اپنا لیں، تو ہمیں بھی وہ مقام وہ عزّت واقتدار حاصل ہوسکتا ہے، کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت ہم پر غالب نہیں آسکتی، صرف ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اتحاد ویکجہتی کے پیغام کو عام کریں، ملکی وقومی نقصان دَہ اعمال وکردار کا خاتمہ کر کے، اتفاق واتحاد کی حقیقت کو اُجاگر کریں؛ کیونکہ اُمّتِ مسلمہ بالخصوص ہمارے وطنِ عزیز کو درپیش مسائل کا حل اور چیلنجز (Challenges) کا تدارُک، اتفاق واتحاد میں مضمر ہے۔ اللہ کریم نے مسلمانوں کو اتفاق واتحاد پر قائم ودائم رہنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾[1] "اُن جیسے مت ہو جانا جو روشن نشانیوں کے باوُجود الگ الگ ہو گئے، اور اُن میں پھُوٹ پڑ گئی"۔ تو معلوم ہوا کہ افتراق وانتشار باہمی پھوٹ کا سبب ہے، لہذا نااتفاقی سے بچتے ہوئے دینی ودنیاوی مُعاملات میں، سچ اور حق پر قائم رہنے والوں کے ساتھ رہنا ہے، اسی میں ہماری کامیابی ہے، ع

(۱) پ ٤، آل عمران: ١٠٥.

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
مَوج ہے دریا میں، بیرونِ دریا کچھ نہیں![1]

دعا

اے اللہ! ہمیں قراردادِ پاکستان کے مقاصد کو سمجھ کر، ملک وقوم کی خدمت اور اس کی حفاظت کی سعادت نصیب فرما، باہمی اتحاد واتفاق اور محبت واُلفت کو اَور زیادہ فرما، ہمیں اَحکامِ شریعت پر صحیح طور پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما، ہماری دعائیں اپنی بارگاہِ بےکس پناہ میں قبول فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

(۱) "کلیاتِ اقبال" بانگِ درا، حصہ سوم، شمع اور شاعر، صـ۲۱۴۔

اپریل فُول (جھوٹ)

(جمعۃ المبارک ۲ شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ - ۲۷/۳/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمین، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلِهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلِهِ وصَحبِهِ أجمعين.

اپریل فُول (April Fool) اور جھوٹ کی مذمّت

عزیزانِ مَن! آج کل یہود ونصاریٰ کی بہت سی رُسومات ہمارے مسلم مُعاشرے میں رائج ہوتی جارہی ہیں، ان میں سے ایک رسم "اپریل فول" (April Fool) بھی ہے۔ اس رسم کے تحت یکم اپریل کو جھوٹ بول کر کسی کو دھوکا دینا، مذاق کے نام پر کسی کو بے وقوف بنانا، کسی کو اَذیّت دینا، نہ صرف اچھا سمجھا جاتا ہے، بلکہ اسے ایک کمال قرار دیا جاتا ہے۔ جو جتنی صفائی اور چابک دستی سے دوسروں کو، جتنا بڑا دھوکا دے، اُتنا ہی اُس کو ذہین اور قابلِ تعریف سمجھا جاتا ہے۔ یہ رسم، شرعی، اَخلاقی اور تاریخی اعتبار سے خلافِ مُروت، خلافِ تہذیب اور انتہائی شرمناک ہونے کے ساتھ ساتھ، تعلیماتِ اسلامیہ کے بھی خلاف ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا، کہ یہ رسم کئی برائیوں کا مجموعہ ہے:
(۱) جھوٹ، (۲) دھوکا، (۳) ناحق مذاق، (۴) مُشابہتِ کفّار، (۵) لوگوں کو اذیت دینا وغیرہ وغیرہ، جبکہ اللہ ورسول نے ان تمام اُمور، بالخصوص جھوٹ سے اجتناب کا حکم قرآن وحدیث میں تاکیداً فرمایا ہے، اور مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ اللہ تعالی اور مصطفی جانِ رحمت ﷺ کے فرامین کو پسِ پشت ڈال کر، اپنی دنیا وآخرت کی تباہی وبربادی کا سامان کرے۔

محترم بھائیو! اللہ تعالی نے انسان کو اپنے فضل وکرم سے جن جن نعمتوں سے نوازا ہے، اُن میں ایک عظیم ترین نعمت زبان بھی ہے، انسان کو اس کے صحیح استعمال کی تلقین فرمائی گئی ہے، کہ ہمیشہ جھوٹ سے بچتا رہے۔ جھوٹ کی مذمّت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ﴾[1] "جھوٹوں پر اللہ تعالی کی لعنت"۔

جھوٹ کبیرہ گناہ ہے

عزیز دوستو! جھوٹوں سے اپنی ناراضگی وناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے، اللہ تعالی نے اپنی لاریب کتاب قرآنِ مجید میں ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّمَا يَفۡتَرِى الۡكَذِبَ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ﴾[2] "جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں، جو اللہ تعالی کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے، اور وہی جھوٹے ہیں"۔ صدر الاَفاضل حضرت علّامہ سیّد نعیم الدّین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اس آیتِ کریمہ کے تحت فرماتے ہیں کہ "اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹ کبیرہ گناہوں میں سے بدترین گناہ ہے"۔

---

(۱) پ۳، آل عمران: ٦١.

(۲) پ١٤، النحل: ١٠٥.

میرے بھائیو! اللہ تعالی جھوٹوں سے متعلق فرماتا ہے: ﴿قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ﴾[1] "مارے جائیں دل سے تراشنے والے "یعنی جھوٹے لوگ۔

عزیزانِ گرامی قدر! نبئ کریم ﷺ نے بھی جھوٹ کی نحوست، اور اس کے سبب ہونے والے عذاب کا ذکر فرمایا، صحابۂ کِرام رضی اللہ تعالی عنہم میں سے ایک فقیہ ومجتہد، جلیل القدر صحابی، حضرت سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ! فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ إِلَى الْفُجُوْرِ، وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّاباً»[2] "جھوٹ سے بچو؛ کیونکہ جھوٹ بُرائی کی طرف اور بُرائی جہنّم کی طرف لے جاتی ہے، انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے، اور جھوٹ میں کوشاں رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالی کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے"۔

حضرت سیّدنا امام نووی رحمہ اللہ تعالی علیہ اس حدیثِ پاک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "علمائے کِرام نے فرمایا: اس کے معنی یہ ہیں، کہ جھوٹ بُرائیوں کی طرف لے جاتا ہے، اور جھوٹ نیکی پر استقامت سے دُور کر دیتا ہے۔ اس حدیثِ پاک میں جھوٹ سے بچنے کی تاکید ہے، نیز یہ جو فرمایا کہ "جھوٹا لکھا جاتا ہے"، اس سے مراد مخلوق میں اِس صفت سے ظاہر ہونا ہے، یا فرشتوں میں اِس صفت سے مشہور ہونا مراد ہے، یا پھر یہ مراد ہے کہ اس سے نفرت لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے"[3]۔

---

(۱) پ۲٦، الذاريات: ۱۰.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب البِرّ والصِّلة، ر: ٦٦٣٩، صـ١١٣٨.

(۳) "شرح صحيح مسلم" كتاب البِرّ والصِّلة والآداب، الجزء ١٦، صـ١٦٠.

بڑی خیانت

حضرت سیّدنا سفیان بن اُسَید حَضرمی رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: «كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيثاً هُوَ لَكَ بِهِ مُصَدِّقٌ، وَأَنْتَ لَهُ بِهِ كَاذِبٌ»[1] "بڑی خِیانت کی بات یہ ہے، کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے کوئی بات کہو، اور وہ تمہیں اس بات میں سچا جان رہا ہو، اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو"۔

جھوٹ کی نحوست

حضرت سیّدنا ابنِ عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «إِذَا كَذَبَ العَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ المَلَكُ مِيلاً، مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهِ»[2] "جب بندہ جھوٹ بولتا ہے، تو اس کی بدبو سے فرشتہ ایک میل دُور چلا جاتا ہے"۔

مُنافق کی پہچان

حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: «: (۱) إذا حدَّث كذِبَ، (۲) وإذا وَعد أخلَفَ، (۳) وإذا اؤتُمن خانَ»[3] "مُنافق کی پہچان تین ۳ باتوں سے ہوتی ہے: (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، (۲) جب وعدہ کرے تو اُسے پورا نہ کرے، (۳) اور جب اس کے پاس امانت رکھوائی جائے تو اس میں خِیانت کرے"۔

---

(۱) "سنن أبي داود" كتاب الأدب، باب في المعاريب، ر: ٤٩٧١، صـ٧٠٠.

(۲) "سنن الترمذي" باب ما جاء في الصدق والكذب، ر: ۱۹۷۲، صـ٤٥٧.

(۳) "مصنَّف ابن أبي شَيبة" ما ذكر من علامة النِّفاق، ر: ٢٥٦١١، ٥/ ٢٣٧.

حضراتِ محترم! مؤمن کی صفات کے بارے میں، نبیٔ کریم رؤف ورحیم ﷺ سے عرض کی گئی، کہ کیا مؤمن بُزدل ہو سکتا ہے؟ فرمایا: «نَعم» "ہاں"، عرض کی گئی: کیا مؤمن بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا: «نَعم» "ہاں"، پھر عرض کی گئی: کیا مؤمن جھوٹا بھی ہو سکتا ہے؟ فرمایا: «لَا»[1] "نہیں، مؤمن جھوٹا نہیں ہو سکتا"۔ اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنا کلمہ گو مسلمان کی شان ہرگز نہیں۔

جھوٹ کی سزا

حضرت سیّدنا سمُرہ بن جُندب رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں، مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتيَانِيْ، فَأَخذَا بِيَدِيْ، فَأَخْرَجَانِيْ إِلَى أَرْضٍ مُسْتَوِيَةٍ أَوْ فَضَاءٍ، فَمَرَرْنَا بِرَجُلٍ جَالِسٍ، وَرَجُلٌ قَائِمٌ عَلَى رَأْسِه، وَبِيَدِه كَلُّوْبٌ مِنْ حَدِيدٍ يُدْخِلُهُ فِيْ شِدْقِهِ، فَيَشُقُّهُ حَتَّى يَبْلُغَ قَفَاهُ، ثُمَّ يَفْعَلُ بِشِدْقِهِ الْآخَرَ مِثْلَ ذٰلِكَ، وَيَلْتَئِمُ شِدْقُه هٰذَا، فَيَعُوْدُ فِيْهِ، فَيَصْنَعُ بِهِ مِثْلَ ذٰلِكَ. قَالَ: قُلْتُ: مَا هَذَا؟ -إِلَى أن قال-: أَمَّا الرَّجُلُ الَّذِيْ رَأَيْتَ يُشَقُّ شِدْقُهُ، فَإِنَّه رَجُلٌ كَذَّابٌ يَتَحَدَّثُ بِالْكَذْبَةِ، فَتُحْمَلُ عَنْهُ حَتَّى تَبْلُغَ الْآفَاقَ»[2].

"آج میں نے خواب میں دیکھا، کہ میرے پاس دو ۲ آدمی حاضر ہوئے، اور میرا ہاتھ پکڑ کر ساتھ چلنے کو کہا، میں اُن کے ساتھ چل پڑا، وہ مجھے ایک ہموار زمین میں لے گئے، ہم وہاں بیٹھے ایک شخص کے پاس پہنچے، جبکہ ایک دوسرا شخص بھی اس

---

(١) "الموَطّأ" باب ما جاء في الصدق والكِذب، ر: ١٨٦٢، صـ٥٥١.

(٢) "شرح السُنّة" كتاب البُيوع، باب وعيد آكل الربا، ر: ٢٠٥٣، ٥/ ٣٨-٣٩.

کے پاس کھڑا تھا، جس کے ہاتھ میں لوہے کی سِنسی (Moose Forge) تھی، جس سے وہ اُس کے چہرے اور نتھنے کی ایک جانب سے اُسے چیرتا ہوا گُدّی تک لے جاتا، پھر وہ دوسری جانب چلا جاتا، تو اُس کی دوسری باچھ کو بھی چیرتا ہوا گُدّی تک کھینچ کر لے جاتا، وہ اُس سے فارغ ہی نہ ہوتا کہ پہلا حصہ ٹھیک ہو جاتا، پھر وہ اسی طرح کرتا رہتا۔ میں نے تعجّب سے "سبحان اللہ" کہتے ہوئے پوچھا کہ "یہ کیا ہے؟" اس پر مجھے بتایا گیا کہ یہ شخص جھوٹا ہے، اور اس کا جھوٹ دنیا میں پھیلتا ہے"۔ یعنی اپنے جھوٹ کے ذریعے دنیا میں فساد پھیلاتا ہے۔

حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضي الله تعالى عنه فرماتے ہیں: «أعظمُ الخطايا: اللِّسانُ الكَذُوبُ»[۱] "سب سے بڑی بُرائی جھوٹی زبان ہے"۔

مذاق میں جھوٹ کا انجام

میرے دوستو اور بزرگو! یاد رکھنا چاہیے کہ مذاق میں بھی جھوٹ جائز نہیں، یہاں تک کہ رحمتِ عالمیان صلى الله تعالى عليه وسلم فرماتے ہیں: «أَنَا زَعِيمٌ ...بِبَيْتٍ فِيْ وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ، وَإِنْ كَانَ مَازِحاً»[۲] "جو مذاق میں بھی جھوٹی بات کہنے سے باز رہے، تو میں اسے جنّت کے بیچ و بیچ (عمدہ ترین مقام پر) ایک گھر دلانے کی ضمانت دیتا ہوں"۔

جھوٹ ایک آفت وبلا ہے

عزیزانِ مَن! حقیقت کے خلاف بات کرنا جھوٹ کہلاتا ہے، جھوٹ ایک فریب، دھوکا اور انتہائی بُری خصلت ہے، اس سے لوگوں کا اعتماد و بھروسا ختم، اور

---

(١) "مصنَّف ابن أبي شَيبة" كتاب الزُّهد، ر: ٣٤٥٥٢، ٧/ ١٠٦ ملتقطاً.

(٢) "سُنن أبي داود" كتاب الأدب، باب في حسن الخُلق، ر: ٤٨٠٠، صـ٦٨٠.

باہمی تعلقات کمزور ہوتے ہیں۔ جھوٹ علامتِ نِفاق بھی ہے، نیز جھوٹ لعنتِ خدا کا بھی سبب ہے۔ لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو جھوٹے عقیدے، اور بُرے اَعمال واَفعال سے ہمیشہ بچتے رہنا ہے، حتّٰی کہ مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولنا چاہیے، تاجدارِ رسالت ﷺ نے ارشاد فرمایا: «وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ بِالْحَدِيثِ فَيَكْذِبُ؛ لِيَضْحَكَ بِهِ الْقَوْمُ، وَيْلٌ لَهُ! وَيْلٌ لَهُ!»[1] "اُس کے لیے ہلاکت ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے، اُس کے لیے ہلاکت ہے! اُس کے لیے ہلاکت ہے!"۔ لہٰذا ہم سب کو جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہنا ہے!۔

جھوٹ کی رخصت

عزیزانِ محترم! آدمی کے لیے کچھ مقامات ایسے بھی ہیں، جہاں اسے جھوٹ کی اجازت ہے۔ حضرت سیّدہ اسماء بنت یزید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا سے روایت ہے، آقائے دوجہاں ﷺ نے فرمایا: «لَا يَحِلُّ الكَذِبُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ: (١) يُحَدِّثُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ لِيُرْضِيَهَا، (٢) وَالكَذِبُ فِي الحَرْبِ، (٣) وَالكَذِبُ لِيُصْلِحَ بَيْنَ النَّاسِ»[2] "تین ۳ مَواقع پر جھوٹ کی اجازت ہے: (۱) مرد کا اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لیے، (۲) جنگ میں، (۳) اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے"۔

دعا

اے اللہ! ہمیں ہمیشہ جھوٹ اور تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما، یہود وہنود، اور تمام دشمنانِ اسلام کی بیہودہ رُسومات سے بچا، ملک وقوم کی خدمت اور

---

(١) المرجع نفسه، ر: ٤٩٩٠، صـ٧٠٢.

(٢) "سنن الترمذي" باب ما جاء في إصلاح ذات البين، ر: ١٩٣٩، صـ٤٥١.

اس کی حفاظت کی سعادت نصیب فرما، باہمی اتحاد واتفاق اور محبت واُلفت کو اَور زیادہ فرما، ہمیں اَحکامِ شریعت پر صحیح طور پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطافرما۔ ہماری دعائیں اپنی بارگاہِ بےکس پناہ میں قبول فرما، آمین یا ربّ العالمین !۔

توبہ واستغفار

(جمعۃ المبارک ۲ شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ- ۲۷/۳/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

توبہ کی ترغیب

عزیزانِ محترم! دنیا کی فانی، چند روزہ، مطلب وخود غرضی کی زندگی، جس کی تمام آسائشیں اور لذّتیں فانی ہیں، انسان ان پر فریفتہ ہو کر رب تعالی کی ناراضگی کے کاموں میں مصروف رہتا ہے، اور یہ انتہاء درجے کی نادانی ہے۔ ہمارا ہر سانس جَوہرِ انمول ہے، حتی کہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، اس کا مقابلہ ایک سانس جیسی نعمت سے بھی نہیں کیا جاسکتا۔ شیطان انسان کو لمبی اُمیدوں میں ڈال کر معصیتوں گناہوں میں مبتلا کر کے توبہ واستغفار سے غافل کر دیتا ہے، اور یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے، کہ جو ایمان پر ثابت قدم رہتے ہوئے توبہ واستغفار کرتا رہے، اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے، وہی کامیاب وکامران ہے۔

خالقِ کائنات جَلّ جلالہ نے اہلِ ایمان کو اعمالِ صالحہ پر استقامت کے ساتھ ساتھ توبہ واستغفار کا بھی حکم فرمایا: ﴿وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾[۱] "اے ایمان والو! تم سب مل کر اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو؛ تاکہ تم فلاح پاؤ!"۔

محترم بھائیو! توبہ سچی ہونی چاہیے، اپنے جرم وگناہ کا اعتراف ہو، اس پر ندامت ہو، اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عہد ہو، ایسی توبہ کا اثر یہ ہوگا کہ بندے سے کفر، فسق، حقوق اللہ اور حقوق العباد وغیرہ میں کوتاہی، اور تمام بُرے اعمال وافعال چھوٹ جائیں گے، نیک کاموں کی عادت پڑ جائے گی۔ سچی توبہ کو توبۂ نصوحہ کہتے ہیں، جس سے متعلق ارشادِ خداوندی ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾[۲] "اے ایمان والو! اللہ کی بارگاہ میں ایسی توبہ کرو جو آئندہ کے لیے نصیحت ہو جائے"۔

ان آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا اجتماعی توبہ کرنا بھی جائز ہے، اور چاہیے کہ ہر مسلمان توبہ کرے، چاہے گنہگار ہو یا نیکوکار۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ گناہ کے سبب انسان ایمان سے باہر نہیں نکل جاتا؛ کیونکہ وہ لوگ جو اَحکام میں کوتاہی کر چکے تھے، رب تعالی نے اِس آیتِ مبارکہ میں انہیں "ایمان والا" کہہ کر توبہ کا حکم فرمایا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ توبہ سچی ہونی چاہیے؛ کہ ایسی توبہ گناہوں کی مُعافی اور جنّت میں داخلے کا سبب ہے۔

سچی توبہ کامیابی کی دلیل ہے

عزیزانِ مَن! بتقاضائے بَشریَت انسان سے غلطیاں اور خطائیں سرزد ہو جاتی ہیں، لیکن کامیاب وہ ہے جو گناہوں سے سچی توبہ کرلے، اور ناکام وہ ہے جو گناہ پر ڈٹا

(۱) پ۱۸، النُّوْر: ۳۱.

(۲) پ۲۸، التحریم: ۸.

رہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۪ وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪۟ وَ لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾[1] "وہ لوگ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم (گناہ) کریں، تو اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی مُعافی چاہیں، اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو بخشے! اور اپنے کیے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں"، یعنی جس سے گناہ سرزد ہو جائے، گناہ پر مُصِر ہونے کے بجائے سچے دل سے توبہ کرلے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔

ندامت وشرمندگی بھی توبہ ہے

میرے بھائیو! انسان کو اگر خلافِ شریعت کام کرنے پر شرمندگی ونَدامت ہو جائے تو یہ بھی توبہ ہے، نبئ کریم، رؤوف ورحیم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ»[2] "نَدامت توبہ ہے"۔

توبہ کی برکتیں

میرے دوستو وبزرگو! جو لوگ توبہ کرتے ہیں، پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں، گناہوں سے بچتے ہیں، اور اعمالِ صالحہ انجام دیتے ہیں، انہیں بے شمار رحمتیں اور برکتیں نصیب ہوتی ہیں، ایسوں کو اللہ تعالیٰ وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں ان کا گمان بھی نہیں ہوتا، غموں سے نَجات دے کر غیبی رزق عطا فرماتا ہے، اللہ ربُّ العالمین کا فرمانِ عالی شان ہے: ﴿وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾[3] "جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے لیے نَجات کی راہ نکال دے گا، اور

---

(۱) پ٤، آل عمران: ١٣٥.
(۲) "سنن ابن ماجه" كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، ر: ٤٢٥٢، صـ٧٢٥.
(۳) پ٢٨، الطّلاق: ٢-٣.

اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اُس کا گمان بھی نہ ہو!"۔

اچھا انسان وہ ہے جو توبہ میں جلدی کرے

حضراتِ گرامی قدر! انسان غلطی کا پتلا ہے، اس سے غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں، مگر اچھا انسان وہ ہے جو فوراً ہی رب تعالی کی بارگاہ میں جھک جائے، گریہ وزاری کرے، مُعافی مانگ کر آئندہ گناہوں سے بچتا رہے۔ حضرت سیّدنا انس بن مالک رضي الله تعالى عنه سے روایت ہے، مصطفی جانِ رحمت صلى الله تعالى عليه وسلم نے ارشاد فرمایا: «كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ»[1] "ہر آدمی خطا کار ہے، اور خطا کاروں میں بہتر وہ ہے جو گناہ کے بعد توبہ کرلے"۔ ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ آزمائش اور آثارِ عذاب وامتحان کے لمحات میں، رب تعالی کی طرف رُجوع لائے، اپنی غلطیوں سے توبہ کرے، مُعافی مانگے، یقیناً اللہ فضل وکرم فرمانے والا ہے۔

توبہ اللہ تعالی کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ

میرے محترم بھائیو! توبہ کی برکت سے اپنے عُیوب کی اصلاح، اور خیر وبھلائی کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے، اللہ تعالی کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، مصطفی جانِ رحمت صلى الله تعالى عليه وسلم نے ارشاد فرمایا: «للهُ أَشَدُّ فَرحاً بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِيْنَ يَتُوبُ إِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ بِأَرْضِ فلاَةٍ، فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ، وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُه، فَأَيِسَ مِنهَا، فَأَتَى شَجَرَةً، فَاضْطَجَعَ فِيْ ظِلِّهَا، قَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهِ، فَبَيْنَا هُوَ كَذَلِكَ إِذَا هُوَ بِهَا، قَائِمَةً عِنْدَهُ»[2] "اگر کوئی شخص جنگل میں

---

(١) "سنن الترمذي" أبواب صفة القيامة، باب في استعظام المؤمن ذنوبه...، ر: ٢٤٩٩، صـ٥٦٨.

(٢) "صحيح مسلم" كتاب التوبة، باب في الحض على التوبة، ر: ٦٩٦٠، صـ١١٩١.

اپنی سواری پر ہو، اور وہ سواری اس سے گم ہو جائے، جس پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہو، پھر وہ تلاش کے بعد مایوس ہو کر ایک درخت کے سائے میں لیٹ جائے، اچانک وہ سواری اس کے پاس آکھڑی ہو، تو اسے کس قدر خوشی ہوگی! جب اللہ کا بندہ توبہ کرتا ہے، تو اللہ تعالی کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

ہمیں ہر پل ہر گھڑی اللہ رب العزّت کی رحمت طلب کرتے رہنا چاہیے

رفیقانِ ملّتِ اسلامیہ! توبہ کا یہ تقاضا ہے کہ انسان اللہ تعالی کے حقوق میں کوتاہی کرنے پر پشیمان ہو، کہ میں نے رب تعالی کے اِحسانات کا بدلہ برائی اور نافرمانی سے دیا، اور اس کی نعمتوں کی ناقدری کی؛ کیونکہ آدمی پر یہ واجب ہے کہ اللہ تعالی کی نعمتوں اور اپنی جان ومال وغیرہ کو خالقِ کائنات جلّ جلالہ کی رضا، اپنے اہل وعِیال، اور مُعاشرے کے فائدے کے لیے استعمال کرے، توبہ ہم سے یہ تقاضا کرتی ہے کہ آدمی بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ اچھے اَخلاق سے پیش آئے، اپنی ذمّہ داری کو سمجھے، اور چُھوٹے ہوئے فرائض وواجبات کی قضاء ادا کرے؛ کیونکہ اللہ کی رحمت کے دروازے توبہ کرنے والوں کے لیے ہر پل ہر گھڑی کُھلے رہتے ہیں، اور اللہ کریم کی رحمت شب وروز بندوں کو بخشش کا مژدہ سناتی ہے، توبہ کی دعوت دیتی رہتی ہے۔

حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إِذَا مَضَى شَطْرُ اللَّيْلِ أَوْ ثُلُثَاهُ، يَنْزِلُ اللهُ تبارك وتعالى إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَقُولُ: هَلْ مِنْ سَائِلٍ يُعْطَى! هَلْ مِنْ دَاعٍ يُسْتَجَابُ لَهُ! هَلْ مِنْ

«مُسْتَغْفِرٍ يُغْفَرُ لَهُ! حَتَّى يَنْفَجِرَ الصُّبْحُ»[۱] "جب رات کا نصف یا دو تہائی حصہ گزر جاتا ہے، تو اللہ تعالی آسمانِ دنیا کی طرف متوجہ ہو کر فرماتا ہے: ہے کوئی مانگنے والا جسے عطا کیا جائے! ہے کوئی دعا مانگنے والا جس کی دعا قبول کی جائے! ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا جس کی مغفرت کر دی جائے! صبح ہونے تک یہی ندا جاری رہتی ہے"۔

توبہ کرنے والوں سے اللہ تعالی محبت فرماتا ہے

حضراتِ ذی وقار! توبہ کرنے والے سے اللہ تعالی محبت فرماتا ہے، لہذا جسے توبہ کی توفیق مل جائے، وہ سمجھ لے کہ اللہ تعالی اس سے محبت فرماتا ہے، یہ اللہ تعالی کی طرف سے بندے کے لیے عزّت، اِکرام اور قبولیت کی علامت ہے، مسلمانوں پر لازم ہے کہ توبہ کرنے والے کی حوصلہ افزائی کریں، اسے اللہ تعالی کی رحمت، مغفرت اور بخشش کا یقین دلائیں، ساتھ ہی ساتھ اس کی عزّت وتکریم بھی کریں، اس کے لیے تعریفی کلمات اور اچھی خصلتیں بھی بیان کریں، اس کے پچھلے گناہوں اور غلطیوں کا ذکر ہرگز نہ کریں؛ کیونکہ جس طرح پانی میل کچیل کو صاف کر دیتا ہے، اسی طرح توبہ سارے گناہوں کو مٹا دیتی ہے، اور توبہ واستغفار سے دل اور بدن کو طاقت ملتی ہے، ایمان مضبوط ہوتا ہے، اور دل ودماغ کو پاکیزگی نصیب ہوتی ہے، حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لاَ ذَنْبَ لَهُ»[۲] "گناہوں سے سچی توبہ کرنے والا ایسا ہے، جیسے اس کا گناہ ہے ہی نہیں"۔

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب صلاة المسافر، باب الترغيب في الدعاء والذكر في آخر الليل والإجابة فيه، ر: ۱۷۷٤، صـ۳۰٦.

(۲) "سنن ابن ماجه" كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، ر: ٤۲٥۰، صـ۷۲٥.

اللہ تعالی کی رحمت کے دروازے

عزیزانِ مَن! اللہ تعالی کی رحمت کے دروازے ہر اُس بندے کے لیے کھلے ہیں، جو اس کی بارگاہ میں سچی توبہ کرے، حضرت سیّدنا ابو موسی اَشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، آقائے کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللهَ عز وجل يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيْءُ النَّهَارِ، وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ اللَّيْلِ، حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا»[1] "اللہ تعالی رات بھر اپنے دستِ رحمت وعطا پھیلائے رکھتا ہے؛ تاکہ دن میں گناہ کرنے والا رات میں توبہ کرلے، اور دن بھر دستِ رحمت وعطا پھیلائے رہتا ہے؛ کہ رات میں گناہ کرنے والا دن میں توبہ کرلے، یہاں تک کہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہو جائے"۔

یعنی قیامت قائم ہونے سے پہلے، اس نشانی کے ظاہر ہونے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے؛ کہ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا، تو (یہ قیامت کی علامت ہے) پھر توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، لہٰذا ابھی موقع ہے اسے ہاتھ سے نہ جانے دیں، ہم سب کو فوراً سے پیشتر سچی توبہ کرلینی چاہیے!۔

اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہونا

برادرانِ اسلام! توبہ بار بار کرتے رہنا چاہیے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، اللہ تعالی کی رحمت توبہ کرنے والوں سے قریب ہے، اس کی رحمت اور مُعافی ودرگزر سے نااُمیدی کسی حالت میں درست نہیں، آدمی اپنے گناہ کا اظہار

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب التوبة، باب قبول التوبة من الذنوب وإن تكررت الذنوب والتوبة، ر: ٦٩٨٩، صـ١١٩٦.

لوگوں کے سامنے نہ کرے، بلکہ اللہ تعالی کا شکر ادا کرے کہ اُس نے میرے گناہوں پر پردہ ڈال رکھا ہے، اور یقینِ کامل رکھے کہ وہ اپنے حبیبِ کریم ﷺ کی برکت سے، بروزِ قیامت بھی میرے گناہوں پر پردہ ڈالے رکھے گا۔

حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «كُلُّ أُمَّتِي مُعَافَاةٌ إِلاَّ الْمجَاهِرِين، وَإِنَّ مِنَ الإِجْهَارِ أَنْ يَعْمَلَ الْعَبْدُ بِاللَّيْلِ عَمَلاً، ثُمَّ يُصْبِحُ قَدْ سَتَرَهُ رَبُّه، فَيَقُولُ: يَا فُلاَنُ! قَدْ عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا، وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّه، فَيَبِيتُ يَسْتُرُهُ رَبُّه، وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ الله عَنْهُ»(۱) "علی الاعلان گناہ کرنے والوں کے سوا میرا ہر اُمّتی بخشا جائے گا، اور علی الاعلان گناہوں میں سے یہ بات بھی ہے، کہ ایک شخص رات گناہ کرے، اور صبح اس حال میں ہو کہ اللہ تعالی نے اس کا پردہ رکھا ہوا ہے، مگر وہ گنہگار خود اللہ تعالی کے رکھے ہوئے پردے کو چاک کر دیتا ہے، اور لوگوں کو بتاتا پھرتا ہے کہ میں نے ایسا ایسا گناہ کیا ہے"۔

توبہ اور اعمالِ صالحہ کے لیے اچھا ماحول بہت مددگار ثابت ہوتا ہے، اس ماحول کی برکت سے انسان اَحکامِ شریعت پر عمل پیرا ہو جاتا ہے، اور رب تعالی کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کرتا رہتا ہے، جس کے سبب اللہ تعالی اسے اپنا پیارا بندہ بنا لیتا ہے؛ کیونکہ توبہ کرنے والے اللہ تعالی کو پسند ہیں، اللہ ان سے محبت فرماتا ہے، ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾(۲) "یقیناً اللہ بہت توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، اور ستھرے لوگوں کو پسند کرتا ہے"۔

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الزهد والرقائق، باب النهى عن هتك الإنسان ستر نفسه، ر: ۷٤۸٥، صـ۱۲۹۳.
(۲) پ۲، البقرة: ۲۲۲.

توبہ کی برکت سے تمام چھوٹے بڑے گناہ مُعاف

لہذا بندے کو رحمتِ الٰہی سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، سچے دل سے توبہ کرنے میں شرم وعار محسوس نہیں کرنا چاہیے، اللہ تعالی اپنے بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے، اور توبہ کی برکت سے تمام چھوٹے بڑے گناہ مُعاف فرمادیتا ہے، خالقِ کائنات جَلَّ جَلالُہ کا فرمانِ عالی شان ہے: ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾[1] "اے حبیب آپ فرمادیجیے! کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے گناہ کرکے اپنی جانوں پر زیادتی کی! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں، یقیناً اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے، یقیناً وہی بخشنے والا مہربان ہے"۔

عزیزانِ گرامی قدر! کسی مسلمان سے متعلق یہ نظریہ نہیں رکھنا چاہیے، کہ اللہ تعالی اس کی مغفرت نہیں فرمائے گا، اس طرح کا دعویٰ جہالت اور اللہ تعالی کے فضل وکرم کو محدود سمجھنا ہے، ہمیں کیا خبر کہ اللہ کریم نے اپنے کرم سے اس کے گناہ مُعاف کردیے ہوں؛ کیونکہ اللہ تعالی کفر کے سوا جسے چاہے بغیر توبہ کے بھی بخش دیتا ہے۔ حضرت سیّدنا جُندُب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بیان فرمایا: «إِنَّ رَجُلاً قَالَ: وَاللهِ! لاَ يَغْفِرُ اللهُ لِفُلاَنٍ، وَإِنَّ اللهَ [تَعَالَى] قَالَ: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَتَأَلَّى عَلَيَّ أَنْ لاَ أَغْفِرَ لِفُلاَنٍ، فَإِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِفُلاَنٍ، وَأَحْبَطْتُ عَمَلَكَ»[2] "ایک آدمی نے کہا کہ خدا کی قسم! اللہ تعالی فُلاں شخص کو نہیں بخشے گا،

---

(۱) پ۲٤، الزُّمَر: ٥٣.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب البر والصلة، باب النهي عن تقنيط الإنسان من رحمة الله تعالى، ر: ٦٦٨١، صـ١١٤٤.

اللہ تعالی نے فرمایا کہ وہ ہوتا کون ہے جو میرے بارے میں قسم کھا کر کہتا ہے، کہ میں فُلاں کو نہیں بخشوں گا؟! میں نے تو فُلاں کو بخش دیا، اور تیرے عمل کو ضائع کر دیا!"۔

توبہ کرتے رہنے پر انعامِ باری تعالی

توبہ کرنے والوں کی بہترین جزا کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ یُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ﴾[1] "چاہیے کہ اپنے رب سے مُعافی مانگو، پھر اس کی طرف توبہ کرو، ایک مقرّر وعدہ تک تمہیں بہت عمدہ نعمتوں سے نوازے گا، اور ہر فضیلت والے کو اس کا فضل پہنچائے گا!"۔

دوسری جگہ توبہ واعمالِ صالحہ والوں سے متعلق ارشاد فرمایا: ﴿وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى﴾[2] "یقیناً جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا کام کیا، پھر ہدایت پر رہا، میں اسے خوب بخشنے والا ہوں!"۔

کرونا وائرس اور اللہ عزّوجلّ کا عتاب

عزیزانِ محترم! کرونا وائرس کا دنیا بھر میں وبائی مرض کی صورت میں پھیلنا، ہمارے اجتماعی گناہوں اور بے راہرَوی کا بھی نتیجہ ہے، اس وبا سے محفوظ رہنے کا واحد حل یہ ہے، کہ ہمیں رجوع الی اللہ کرتے ہوئے، اللہ رب العزّت کی بارگاہ میں گڑگڑا کر توبہ کرنا چاہیے؛ کیونکہ کرونا وبا اللہ تعالی کی جانب سے ایک بڑی آزمائش ہے، جو انسانیت کی اجتماعی دعا اور توبہ واستغفار کی متقاضِی ہے۔ ہمیں صدقہ وخیرات کے

---

(۱) پ۱۱، هود: ۳.

(۲) پ۱٦، طه: ۸۲ .

ذریعے اپنے سفید پوش بھائیوں کی بھرپور مدد کرنی چاہیے، ساتھ ہی اس سے بچاؤ کی احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کی بھی ہر ممکن کوشش ضروری ہے، اپنی جان ومالک کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے، کوشش کریں کہ لوگوں سے میل جول بالکل کم کردیں، مارکیٹس وغیرہ جانے سے بھی گریز کریں۔

اسی طرح ہر اُس کام سے توبہ کرتے رہیں، جو اللہ تعالی کی ناراضگی کا سبب ہو، جیسے "میرا جسم میری مرضی کے نعرہ لگاکر مُعاشرے کو زِنا، بدکاری، فحاشی، ناچ گانے، بدنگاہی، شراب نوشی، مرد وعورت کا اختلاط، فحش لٹریچر کا فروغ، کرپشن وغیرہ کو عام کیا جارہا ہے، ان تمام اُمور سے خود بھی بچیں، اور اپنے دوست واَحباب کو بھی بچانے کی کوشش کریں۔

کروناوائرس سمیت تمام آفات وبلیات سے حفاظت کے لیے اَوراد وظائف

میرے محترم بھائیو! جو کوئی صبح وشام (مقرّرہ تعداد میں) کسی مصیبت یا بیماری سے بچاؤ کے لیے، درج ذیل دعاؤں کو پڑھ لے گا، وہ ان شاء اللہ اُس مصیبت یا بیماری (خاص کر "کوروناوائرس") سے محفوظ رہے گا۔

(۱) بِسْمِ اللهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْءٌ فِي الأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ، وَهُوَ السَّمِيعُ العَلِيمُ. صبح وشام ۳، ۳ بار۔

(۲) لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ. صبح وشام ۳، ۳ بار۔

(۳) أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ. صبح وشام ۳، ۳ بار۔

(۴) حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ. صبح وشام ۱۰، ۱۰ بار۔

(۵) لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ. صبح وشام ۱۱، ۱۱ بار۔

نوٹ: ہر وظیفہ کے اوّل وآخر ۳، ۳ بار درود شریف بھی پڑھ لیا کریں۔

دعا

اے اللہ! ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرما، ہمیں ہمیشہ جھوٹ اور تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما، ہمارے گناہوں کو مُعاف فرما، ہمارے دنوں کو راتوں سے، اور آنے والے دن گزرے ہوئے دنوں سے بہتر بنا دے، ہمارا خاتمہ بالخیر فرما، یہود، ہنود اور تمام دشمنانِ اسلام کی بیہودہ رُسومات سے بچا، ملک وقوم کی خدمت، اور اس کی حفاظت کی سعادت نصیب فرما، باہمی اتحاد واتفاق اور محبت واُلفت کو اَور زیادہ فرما، ہمیں اَحکامِ شریعت پر صحیح طور پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

فضائلِ شعبان المعظم

(جمعۃ المبارک ۲ شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ- ۲۷/۳/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلِهِ وصحبِهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلِهِ وصَحبِهِ أجمعين.

میرے عزیز دوستو! ماہِ شعبان المعظّم میں مصطفیٰ جانِ رَحمت ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم، اعمالِ صالحہ اور روزوں کی کثرت کیا کرتے؛ کیونکہ دیگر عبادات کے ساتھ ساتھ اس مہینے کے روزوں کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ حضرت سیّدنا اُسامہ بن زَید رضی اللہ تعالی عنہ نے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں عرض کی، یارسول اللہ! میں آپ کو سب مہینوں سے زیادہ شعبان المعظّم کے مہینے میں روزے رکھتے دیکھتا ہوں! رحمتِ عالمیان ﷺ نے ارشاد فرمایا: «ذٰلِكَ شَهْرٌ يَغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبَ وَرَمَضَانَ، وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيْهِ الْأَعْمَالُ إِلىٰ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، فَأُحِبُّ أَنْ يُرْفَعَ عَمَلِيْ وَأَنَا صَائِمٌ»[1] "یہ رجب اور رمضان کے درمیان وہ مقدّس مہینہ ہے، جس سے لوگ غافل ہیں، یہ وہ مہینہ ہے جس میں

(١) "سنن النَّسائي" كتاب الصيام، ر: ٢٣٥٣، الجزء ٤، صـ٢٠٧.

لوگوں کے اعمال اللہ تعالی کی بارگاہ میں پیش کیے جاتے ہیں، لہذا میں چاہتا ہوں کہ جب میرا عمل رب تعالی کی بارگاہ میں پیش کیا جائے، تو میں حالتِ روزہ میں ہوں"۔

زیادہ پسندیدہ روزے

محترم بھائیو! شعبان المعظّم اللہ تعالی کی طرف سے بندۂ مؤمن کے لیے ایک عظیم عطیّہ، بھلائیوں اور عطاؤں والا مہینہ ہے، سرکارِ اَبد قرار ﷺ نے اسے بہت پسند فرمایا، حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: «كَانَ رَسُوْلُ الله ﷺ يَصُوْمُ فَلَا يُفْطِرُ حَتّىٰ نَقُوْلَ: مَا فِيْ نَفسِ رَسُوْلِ الله ﷺ أَنْ يُفْطِرَ الْعَامَ، ثُمَّ يُفْطِرُ فَلَا يَصُوْمُ حَتّىٰ نَقُوْلَ: مَا فِيْ نَفْسِه أَنْ يَصُوْمَ الْعَامَ، وَكَانَ أَحَبُّ الصَّوْمِ إِلَيْهِ فِيْ شَعْبَان»[1] "رسول اللہ ﷺ مسلسل روزے رکھتے، یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوتا کہ اس سال حضور روزے نہیں چھوڑیں گے۔ پھر آپ کبھی روزے چھوڑ دیتے، یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوتا کہ آپ ﷺ اس سال روزہ نہیں رکھیں گے، نیز حضور ﷺ کو سب سے زیادہ شعبان کے روزے پسند تھے"۔

حضرت سیّدہ عائشہ صدّیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں: «كَانَ أَحَبُّ الشُّهُوْرِ إِلَى رَسُوْلِ الله ﷺ أَنْ يَصُوْمَهُ شَعْبَان، ثُمَّ يَصِلُهُ بِرَمَضَانَ»[2] "رسول اللہ ﷺ کو تمام مہینوں میں شعبان کے روزے زیادہ پسند تھے، یہاں تک کہ اسے رمضان سے ملا دیا کرتے"۔ لہٰذا ہمیں بھی محبتِ رسول ﷺ کے تقاضے کے پیشِ نظر، ماہِ شعبان میں اپنی استطاعت وآسانی کے مطابق، اعمالِ صالحہ

---

(١) "مسند الإمام أحمد" مسند أنس بن مالك ...إلخ، ر: ١٣٤٠٢،٤ / ٤٥٨.

(٢) "سنن أبي داود" كتاب الصيام، ر: ٢٤٣١، صـ٣٥٣.

اور روزوں کی کثرت کرنی چاہیے۔

شعبان انسان کو پاک صاف کرنے والا مہینہ ہے

عزیز دوستو! مبارک اوقات ومقامات میں نیکی کا ثواب، اور برکاتِ الہیّہ کا نُزول زیادہ ہوتا ہے، بندے کی غلطیاں کوتاہیاں مُعاف کی جاتی ہیں۔ حضرت سیّدہ عائشہ صدّیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهَا سے روایت ہے، نبئ رحمت صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «شعبانُ شهري، ورمضانُ شهرُ الله، وشعبانُ المطهِّرُ، ورمضانُ المكفِّرُ»[1] "شعبان میرا اور رمضان اللہ تعالی کا مہینہ ہے، شعبان پاک صاف کرنے والا مہینہ ہے، اور رمضان خطاؤں کا کفّارہ ہے"۔

افضل روزے

عزیز دوستو! سرکارِ مدینہ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم سے سوال ہوا، کہ رمضان کے بعد کون سے روزے افضل ہیں؟ تاجدارِ رسالت صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: «شَعْبَانُ لِتَعْظِيمِ رَمَضَانَ»[2] "تعظیمِ رمضان کے لیے شعبان کے روزے ہیں"۔

روزوں کی کثرت

اُمّ المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدّیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهَا فرماتی ہیں: «مَا رَأَيْتُ رَسُولَ الله ﷺ اسْتكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ إِلَّا رَمَضَانَ، وَمَا رَأَيْتُهُ فِي شَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْهُ صِيَاماً فِي شَعْبَانَ»[3] "میں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم کو

---

(١) "مُسند الفردوس" حرف الشين المعجمة، ٢/ ٢٣٣- ٢٣٤ من المخطوط.

(٢) "سنن الترمذي" باب ما جاء في فضل الصدقة، ر: ٦٦٣، صـ١٧٠.

(٣) "صحيح مسلم" باب صيام النبي ﷺ...، ر: ٢٧٢١، صـ٤٧١.

ماہِ رمضان کے سِوا، کسی مہینے میں مکمل روزے رکھتے نہیں دیکھا، اور نہ ہی آپ کو کسی اَور مہینے میں شعبان سے زیادہ روزے رکھتے دیکھا"۔

پورے مہینے کے روزے

میرے بھائیو! شعبان وہ مہینہ ہے کہ سیرتِ نبوی ہمیں، اس میں اطاعت وعبادت کی کثرت کی طرف رَہنمائی فرماتی ہے۔ حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهَا فرماتی ہیں: «مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي شَهْرٍ أَكْثَرَ صِيَاماً مِنْهُ فِي شَعْبَانَ، كَانَ يَصُومُهُ إِلَّا قَلِيلاً، بَلْ كَانَ يَصُومُهُ كُلَّه»[1] "میں نے نبئ کریم ﷺ کو کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ روزے رکھتے نہیں دیکھا، آپ اکثر دنوں کے روزے رکھتے، بلکہ پورا مہینہ روزہ رکھا کرتے"۔

دو ماہ متواتر روزے

حضرت سیّدہ اُمّ سلمہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهَا فرماتی ہیں: «مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَصُومُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ، إِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ»[2] "میں نے نبئ اکرم ﷺ کو شعبان اور رمضان کے علاوہ، دو ۲ ماہ مسلسل روزے رکھتے نہیں دیکھا"۔

صحابۂ کرام رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُم کا جذبہ

حضرت سیّدنا انَس بن مالک رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ فرماتے ہیں کہ "ماہِ شعبان کا چاند نظر آتے ہی، صحابۂ کرام رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُم تلاوتِ قرآنِ پاک کی طرف خوب متوجہ ہوجاتے، اپنے اَموال کی زکاۃ نکالتے؛ تاکہ فقراء ومساکین ماہِ رمضان کے روزوں کے لیے تیاری

(١) "سنن الترمذي" أبواب الصوم، تحت ر: ٧٣٦، صـ١٨٦.

(٢) المرجع نفسه.

کر سکیں، حُکّام قَیدیوں کو طلب کر کے جس پر حد قائم کرنا ہوتی، اُس پر حَد قائم کرتے، بقیہ میں سے جن کو مناسب سمجھتے انہیں آزاد کر دیتے۔ تاجِر اپنے قرضے ادا کر دیتے، دوسروں سے اپنے قرضے وصول کر لیتے، اور رمضان شریف کا چاند نظر آتے ہی غُسل کر کے (ان میں سے بعض حضرات) اعتکاف میں بیٹھ جایا کرتے"[۱]۔

شعبان کے پانچ حروف اور ان کے مَعانی

میرے دوستو اور بزرگو! شعبان کے حروف سے متعلّق رُموز واَسرار بیان فرماتے ہوئے، حضرت سیّد الاولیاء غوث الثقلین قدّس سرّہ فرماتے ہیں کہ "شعبان میں پانچ ۵ حروف ہیں: ش ع ب ا ن۔ ش سے شرف (بزرگی) مراد ہے، ع سے عُلو (بلندی)، ب سے بِر (نیکی)، الف سے اُلفت (محبت) اور نون سے نور (روشنی) مراد ہے۔ ان حروف سے اس بات کی طرف اشارہ ہے، کہ ماہِ شعبان میں بندوں کو رب تعالی کی یہ نعمتیں عطا ہوں گی"[۲]۔

ماہِ شعبان میں اِطاعت وفرمانبرداری

جانِ برادر! اَحوالِ زندگی، تغیّرِ زمانہ اور اس کی بے ثباتی کے درس کے ساتھ، شعبان المعظّم کی اَہمیّت یوں بیان فرمائی گئی کہ "زندگی کے تین ۳ اَحوال ہیں: (۱) حالتِ گزشتہ جو بیت چکی، (۲) حالتِ موجودہ جس میں عمل کرنا ہے، (۳) حالتِ آئندہ جس کی امید ہے...

اسی طرح مہینے تین ۳ ہیں: (۱) رجب وہ تو گزر گیا پھر نہیں لَوٹے گا، (۲) اور رمضان کا انتظار کیا جا رہا ہے، تم نہیں جانتے کہ اس کو پانے کے لیے زندہ رہو

(۱) "الغنية لطالبي طريق الحقّ ﷿" فصل، ۱/ ۳٤۱.

(۲) المرجع نفسه، ۱/ ۳٤۱، ۳٤۲.

گے یا نہیں ؟(۳)اور شعبان ان دو ۲ مہینوں کے درمیان واسطہ ہے، اس میں اِطاعت وفرمانبرداری کو غنیمت سمجھنا چاہیے!"[۱]۔

درود شریف کی کثرت

عزیزانِ محترم! اسی ماہ مبارک شعبان میں آیتِ درود نازل ہوئی، اور درودِ پاک کا حکم آیا ہے، اسی لیے اس مہینے میں کثرت سے درود شریف پڑھنا چاہیے۔ "غنیۃ الطالبین" میں ہے کہ "شعبان وہ مہینہ ہے جس میں بھلائیوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، برکتیں نازل ہوتی ہیں، خطائیں بخش دی جاتی ہیں، گناہوں کو مٹا دیا جاتا ہے، اور حضور نبئ اکرم ﷺ کی خدمت میں کثرت سے ہدیۂ درود نچھاور کیا جاتا ہے، جو مخلوق میں سب سے بہتر ذاتِ گرامی ہیں۔ اور یہ مہینہ نبئ مختار ﷺ پر درود وسلام پیش کیے جانے کا خصوصی مہینہ ہے"[۲]۔

توبہ کے ذریعہ گناہوں سے پاکی

اس ماہِ مبارک میں بھی دل کا میل اور روح کا زنگ دُور کرنے، اور گناہوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے، حضور سیّد المرسلین ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے دربارِ حق تعالی میں دعا کی جائے۔ "غنیۃ الطالبین" میں ہے کہ "ہر صاحبِ عقل مؤمن کو چاہیے، کہ اس مہینے میں غفلت نہ برتے، بلکہ اسی ماہ میں سابقہ غفلتوں کوتاہیوں سے توبہ کے ذریعہ گناہوں سے پاک ہوکر، رمضان المبارک کے استقبال کی تیاری کرے، اللہ تعالی کی بارگاہ میں تضرُّع وزاری کرے، اور شعبان کے مہینہ میں بارگاہِ خداوندی

(١) "الغنية" فصل، ١/ ٣٤٢.

(٢) المرجع نفسه.

میں صاحبِ مہینہ، پیکر حمد وثنا، حضور نبیٔ کریم ﷺ کا وسیلہ لے، یہاں تک کہ اس کے دل کا فساد دُور ہو، اور اس کے باطن کا مرض دفع ہو جائے"[1]۔

تمام مہینوں میں سب سے افضل مہینہ

پیارے بھائیو! چونکہ یہ مہینہ حضور اقدس ﷺ کا مہینہ ہے، اس لیے تمام مہینوں سے افضل ہے، جیسا کہ "غنیۃ الطالبین" میں ہے کہ "اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَ رَبُّكَ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخۡتَارُ﴾[2] "آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا فرماتا اور اختیار فرماتا ہے"۔ اللہ تعالی نے ہر چیز سے چار ۴ کو منتخب فرمایا، پھر ان چار ۴ میں سے ایک کو افضلیت کے لیے پسند فرمایا۔ فرشتوں میں حضرت جبریل، حضرت میکائیل، حضرت اِسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم الصلوۃ والسلام کو چُن لیا، پھر ان میں سے حضرت جبریل کو افضلیت کے لیے پسند فرمایا۔

انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام میں سے حضرت سیّدنا ابراہیم، حضرت سیّدنا موسیٰ، حضرت سیّدنا عیسیٰ اور حضرت سیّدنا محمد ﷺ کو اختیار فرمایا، اور ان میں سے حضور سیّدنا محمد ﷺ کو مصطفی بنایا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم میں سے چار ۴ صحابہ کو منتخب فرمایا، حضرات ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ تعالی عنہم، پھر ان میں سے حضرت سیّدنا ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی۔

اسی طرح مہینوں میں سے چار ۴ کو منتخب فرمایا: رجب، شعبان، رمضان اور محرّم، ان میں سے شعبان کو پسند فرمایا، اور اس کو حضور نبیٔ اکرم ﷺ کا مہینہ قرار

---

(۱) المرجع السابق، ۱/ ۳٤۲.

(۲) پ ۲۰، القصص: ٦٨.

دیا۔ تو جس طرح حضور نبیٔ اکرم ﷺ انبیائے کرام میں افضل ہیں، اسی طرح آپ کا مہینہ بھی تمام مہینوں میں ایک خاص فضیلت رکھتا ہے "[1]۔

دعا

اے اللہ! ہمیں شعبان المعظّم میں بھی زیادہ سے زیادہ نیکیوں کی توفیق عطا فرما، ملک وقوم کی خدمت اور حفاظت کی سعادت نصیب فرما، باہمی اتحاد واتفاق اور محبت واُلفت کو اَور زیادہ فرما، ہمیں اَحکامِ شریعت پر صحیح طور پر عمل پیَرا ہونے کی توفیق عطا فرما۔ ہماری دعائیں اپنی بارگاہِ بے کس پناہ میں قبول فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

(۱) "الغنية" فصل، ۱/ ۳٤۰، ۳٤۱ ملتقطاً.

پندرہویں شعبان کے فضائل واَحکام

(جمعۃ المبارک ۹ شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ - ۰۳/۴/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلِهِ وصحبِهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلِهِ وصَحبِهِ أجمعين.

شبِ براءَت (نَجات والی رات)

حضراتِ گرامی قدر! اللہ تعالی نے دن اور رات کو پیدا فرما کر، ان میں سے بعض کو خاص امتیاز بخشا، انہیں میں ماہِ شعبان المعظم کی پندرہویں شب (جسے شبِ براءَت یعنی نَجات والی رات کہا جاتا ہے) کو بھی خاص اَہمیت سے سرفراز فرمایا۔ یہ ایک ایسی مبارک رات ہے جس میں اللہ تعالی اپنے بندوں پر خاص نظرِ رحمت فرماتا ہے، اہلِ ایمان پر خصوصی کرم کرتے ہوئے ان کی بخشش ومغفرت فرماتا ہے۔ حضرت سیّدنا ابو ثعلبہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ يَطْلُعُ عَلَى عِبَادِهِ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَيَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ، وَيُمْلِي الْكَافِرِيْنَ، وَيَدَعُ أَهْلَ الحِقْدِ بِحِقْدِهِمْ حَتَّى يَدَعُوْهُ»[1] "یقیناً اللہ تعالی

---

(١) "المعجم الكبير" باب اللام ألف، ما أسند أبو ثعلبة، ر: ٥٩٣، ٢٢/ ٢٢٤.

شعبان کی پندرہویں رات اپنے بندوں پر خاص تجلّی فرماتا ہے، مؤمنوں کو بخش دیتا ہے، کافروں کو ڈِھیل دیتا ہے، اور آپس میں کینہ وعداوت (دشمنی) رکھنے والوں کو چھوڑے رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے دل سے عداوت نکال دیں"۔

میرے دوستو اور بزرگو! حضرت سیّدنا ابو موسیٰ اَشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللهَ لَيَطَّلِعُ فِيْ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِـمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ»[1] "اللہ تعالی شعبان کی پندرہویں رات خاص تجلّی فرماتا ہے، اور مشرِک وچغلخور کے سوا سب کی بخشش فرما دیتا ہے"۔ لہٰذا ہمیں ہر اُس فعل سے بچنا لازم وضروری ہے، جو ہمارے پرورد گار عزوجل کی ناراضگی کا سبب ہو کر، ہماری بخشش ومغفرت میں رکاوٹ کا باعث بنے۔

شبِ براءَت میں قبرستان جانا

جانِ برادر! اس رات قبرستان جانا بھی سنّتِ مستحبہ ہے، حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں، کہ میں نے ایک رات رسولِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اپنے گھر میں نہ پایا، تو میں آپ علیہ السلام کی تلاش میں نکلی، کیا دیکھتی ہوں کہ آپ مدینہ منوّرہ کے قبرستان بقیع میں ہیں، آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «أَكُنْتِ تَخَافِيْنَ أَنْ يَحِيْفَ اللهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهُ!» "کیا تمہیں ڈر تھا کہ اللہ اور اُس کا رسول تمہاری حق تلفی کریں گے؟" میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ! میں نے سوچا شاید آپ کسی اَور زوجہ کے ہاں تشریف لے گئے ہوں، آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ عزوجل يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ

---

(١) "سنن ابن ماجه" كتاب إقامة الصلاة والسنّة فيها، ر: ١٣٩٠، صـ٢٣٤.

كَلْبٍ»⁽¹⁾ "اللہ تعالی شعبان کی پندرہویں رات آسمانِ دنیا پر خاص تجلّی فرماتا، اور بنی کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ لوگوں کی بخشش فرماتا ہے"۔

لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ اس رات قبرستان جائیں، اپنی آخرت کی فکر کریں؛ کہ وہ لوگ ہم سے پہلے دنیا سے چلے گئے، اور ہمیں بھی بالآخر اس دارِ فنا سے اُس دارِ بقا کی طرف جانا ہے، اپنے رب کے حضور حاضر ہو کر تمام اعمال کا حساب دینا ہے، تو ضروری ہے کہ اپنے تمام گناہوں، بالخصوص بُغض وکینہ اور عداوت ودشمنی سے سچی توبہ کریں!۔

دوسری حدیثِ پاک میں فرمایا: «فَيَغْفِرُ لِلْمُسْتَغْفِرِينَ، وَيَرْحَمُ الْـمُسْتَرْحِمِينَ، وَيُؤَخِّرُ أَهْلَ الحِقْدِ كَمَا هُمْ»⁽²⁾ "بخشش چاہنے والوں کی مغفرت فرماتا ہے، رحم کے طلبگاروں پر رحم فرماتا ہے، اور بُغض وعداوت (دشمنی) رکھنے والوں کو ان کے حال پر ہی چھوڑ دیتا ہے"۔

مغفرتِ عامّہ

پیارے بھائیو! حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عَمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «يَطَّلِعُ اللهُ عزّ وجلّ إِلَى خَلْقِهِ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَيَغْفِرُ لِعِبَادِهِ إِلَّا لِاثْنَيْنِ: (١) مُشَاحِنٍ، (٢) وَقَاتِلِ نَفْسٍ»⁽³⁾ "شعبان کی پندرہویں رات اللہ عزّوجلّ اپنی مخلوق کی طرف رحمت کی نظر فرماتا ہے، سوائے دو ۲ کے باقی سب کی مغفرت فرما دیتا ہے: (۱) کینہ پرور (۲) اور کسی کو ناحق قتل کرنے والا"۔

---

(١) "سنن الترمذي" أبواب الصوم، ر: ٧٣٩، صـ١٨٧.
(٢) "شُعب الإيمان" ٢٣- باب في الصيام، ر: ٣٨٣٥، ٣/ ١٤٠٦.
(٣) "مُسند الإمام أحمد" مسند عبد الله بن عمرو، ر: ٦٦٥٣، ٢/ ٥٨٩.

حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «يَنْزِلُ اللهُ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَيَغْفِرُ لِكُلِّ شَيْءٍ إِلَّا رَجُلٍ مُشْرِكٍ، أَوْ فِي قَلْبِهِ شَحْنَاءُ»[1] "اللہ عزوجل پندرہویں شعبان کی رات آسمانِ دنیا کی طرف تجلّی فرماتا ہے، اور دل میں بغض وعداوت رکھنے والے، اور مشرِک (کافر) کے سوا سب کی مغفرت فرمادیتا ہے"۔

حضرت سیّدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، دو جہاں کے سردار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، نَادَى مُنَادٍ: هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِر لَهُ، هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَأُعْطِيه، فَلَا يَسْأَلُ أَحَدٌ شَيْئاً إِلَّا أُعْطِيَ، إِلَّا زَانِيَةٌ بِفَرْجِهَا أَوْ مُشْرِكٌ»[2] "جب شعبان کی پندرہویں رات آتی ہے، تو پکارنے والا پکارتا ہے، کہ ہے کوئی مغفرت کا طالب کہ اس کی مغفرت کردُوں! ہے کوئی مانگنے والا کہ اسے عطا کردُوں! سوائے بدکار عورت اور مشرِک (کافر) کے، جو کوئی مانگتا ہے اسے ملتا ہے"۔

دوسری حدیثِ پاک میں یہ بھی ہے: «لَا يَنْظُرُ اللهُ فِيهَا إِلَى مُشْرِكٍ، وَلَا إِلَى مُشَاحِنٍ، وَلَا إِلَى قَاطِعِ رَحِمٍ، وَلَا إِلَى مُسْبِلٍ، وَلَا إِلَى عَاقٍّ لِوَالِدَيْه، وَلَا إِلَى مُدْمِنِ خَمْرٍ»[3] "اس رات اللہ عزوجل مشرِک (کافر)، کینہ پرور،

---

(۱) "السُنَّة" لابن أبي عاصم، باب، ر: ٥٠٩، ١/ ٢٢٢. و"شُعب الإيمان" ٢٣- باب في الصيام، ر: ٣٨٢٧، ٣/ ١٤٠٣.

(٢) "شُعب الإيمان" ٢٣- باب في الصيام، ر: ٣٨٣٦، ٣/ ١٤٠٦.

(٣) المرجع نفسه، ر: ٣٨٣٧، ٣/ ١٤٠٧.

قطع رحمی کرنے والے (رشتہ داری توڑنے والے)، تکبّر سے کپڑا لٹکانے والے، والدین کے باغی ونافرمان، اور شراب کے عادی کی طرف نظرِ رَحمت نہیں فرماتا"۔

بخشش سے محروم لوگ

حضراتِ گرامی قدر! مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ کچھ بدنصیب لوگ اپنی بداعمالیوں کے باعث، اس قدرِ عظیم اور عام رحمت والی رات میں بھی، اللہ واحد وقہّار کی نظرِ کرم اور بخشش ومغفرت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

پندرہویں شعبان کا روزہ

برادرانِ اسلام! جہاں دیگر مہینوں اور مقدّس ایّام میں روزہ رکھنے کی فضیلت ہے، وہیں ماہِ شعبان کی پندرہ۱۵ کو بھی روزہ رکھنا باعثِ اجر وثواب ہے، حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «إِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا؛ فَإِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يَنزِلُ فِيهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ: أَلَا مُسْتَغْفِرٍ لِيْ فَأَغْفِرَ لَهُ! أَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَأَرْزُقَهُ! أَلَا مُبْتَلًى فَأُعَافِيَهُ! أَلَا كَذَا...، حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ»[1] "جب پندرہ۱۵ شعبان کی رات آئے، تو اس میں قیام یعنی عبادت کرو، اور اس کے دن میں روزہ رکھو، کہ اس رات اللہ تعالی سورج غروب ہوتے ہی، آسمانِ دنیا پر خاص تجلّی فرما کر ارشاد فرماتا ہے، کہ ہے کوئی مجھ سے مغفرت طلب کرنے والا کہ اسے بخش دُوں! ہے کوئی روزی کا طلبگار کہ اسے روزی دُوں! ہے کوئی مصیبت زدہ کہ اسے عافیت عطا کر دُوں! ہے کوئی ایسا...! ہے

(۱) "سنن ابن ماجه" كتابُ إقامة الصَّلاة والسنّة فيها، ر: ۱۳۸۸، صـ۲۳٤.

کوئی ایسا...! یہاں تک کہ فجر کا وقت ہو جائے"۔

پانچ مبارک راتیں

میرے محترم بھائیو! حضرت سیّدنا ابواُمامہ باہلی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، سرکارِ اَبد قرار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «خمسُ ليالٍ لا تُردُّ فيهنّ الدّعوةُ: (١) أوّلُ ليلةٍ من رجب، (٢) وليلةُ النِّصف من شعبان، (٣) وليلةُ الجمعة، (٤) وليلةُ الفِطر، (٥) وليلةُ النَّحر»[1] "پانچ ۵ راتیں ایسی ہیں، جن میں دعا رَدّ نہیں ہوتی: (١) رجب کی پہلی رات، (٢) شعبان المعظم کی پندرہویں شب یعنی شبِ براءَت، (٣) شبِ جمعہ، (٤) شبِ عید الفطر یعنی چاند رات، (٥) اور شبِ نحر یعنی ذوالحجۃ الحرام کی دسویں شب"۔

عزیز دوستو! حضرتِ سیّدنا مُعاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے، نبیٔ رَحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «مَن أَحيَا اللَّيَالِي الخمس، وَجبتْ لَهُ الْجنّةُ: (١) لَيْلَةَ التَّروِيَه، (٢) وَلَيْلَةَ عرَفَةَ، (٣) وَلَيْلَةَ النَّحْر، (٤) وَلَيْلَةَ الْفِطر، (٥) وَلَيْلَة النّصْف من شعْبَان»[2] "جس نے ان پانچ ۵ راتوں میں جاگ کر عبادت کی، اس کے لیے جنّت واجب ہو گئی: (١) شبِ تَرویہ، یعنی آٹھویں ذی الحجہ، (٢) شبِ عرَفہ، یعنی نویں ذی الحجہ، (٣) قربانی کی رات، (٤) شبِ عید الفطر، (٥) اور شعبان کی پندرہویں شب"۔

بیداریٔ شبِ براءَت

محترم بھائیو! "علمائے شام کا بیداریٔ شبِ براءَت میں ایک قول ہے، کہ مسجدوں میں اجتماعی طَور پر بیداری مستحب ہے۔ یہ قول اکابر تابعین مثل حضرت خالد

---

(١) "تاريخ دِمشق" تحت ر: ٢٦٠٣، ١٠/ ٤٠٨.

(٢) "الترغيب والترهيب" كتاب العيدَين والأُضحِية، ر: ٢، ٢/ ٩٨.

بن معدان اور لقمان بن عامر کا ہے، امامِ مجتہد اسحاق بن راہُوَیہ نے بھی اس بارے میں ان کی مُوافقت فرمائی ہے"[1]۔

شبِ براءَت اور آتشبازی

برادرانِ اسلام! شبِ براءَت، دوزخ کی آگ سے نَجات، چھٹکارے اور آزادی کی رات ہے، لیکن بدقسمتی سے آج بہت سے مسلمان اسلامی تعلیمات، اور علمائے دین کی صحبتِ بابرکات سے دُوری کے باعث، بے راہ رَوی کا شکار ہوکر، اپنے ہی ہاتھوں اپنا مال فضول خرچ کرکے، آتشبازی کا سامان خریدتے، اور آخرت کی تباہی وبربادی مول لیتے ہیں۔ یقیناً یہ کام حرام اور جُرم ہے؛ کہ اس میں مال کا ضائع کرنا ہے، قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو شیطان کا بھائی کہا گیا ہے۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ۝۲۶ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾[2] "کسی طرح بے جا خرچ نہ کیا کرو! کیونکہ فضول خرچ کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے پروَردگار کا بہت بڑا ناشکرا ہے"۔

عزیزانِ محترم! حضرت شیخِ محقّق عبد الحق محدِّث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "یہ کام بُری بدعات میں سے ہے، جو ہندوستان کے کئی شہروں میں لوگوں نے رَواج دے رکھا ہے، جیسے (پندرہ شعبان کی رات) آگ سے کھیلنا، اور تماشہ کرنے کے لیے جمع ہونا، گندھک (مثلاً بارُود) جلانا وغیرہ"[3]۔

---

(۱) "مَراقي الفلاح" كتاب الصّلاة، صـ۱٥٤.

(۲) پ۱٥، الإسراء: ۲٦، ۲۷.

(۳) "ما ثبتَ من السنّة" شهر شعبان، المقالة ۳، صـ۲۸۲.

اقوالِ علمائے کرام

علّامہ ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اس رات کے بڑے فضائل ہیں، یہ بڑی خیر وبرکت والی رات ہے، ہمارے اَسلاف کِرام اس کی بڑی تعظیم کیا کرتے، اور اس رات کے آنے سے پہلے ہی اس کی تیاری کر لیتے تھے"[۱]۔

علّامہ ابن نُجَیم مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "شعبان کی پندرہویں رات کو بیدار رہ کر عبادت کرنا مستحب ہے"[۲]۔

شب براءَت میں کرنے والے کام

حضراتِ گرامی قدر! آخر میں اس مبارک رات میں کرنے والے کیا کیا کام ہیں؟ ان کا ذکر کیا جاتا ہے؛ تاکہ اِفراط وتفریط سے بچتے ہوئے، اس رات کے فضائل کو سمیٹا جا سکے:

(۱) نمازِ عشاء اور نمازِ فجر باجماعت کا اہتمام۔

(۲) اس رات میں کثرتِ عبادت کی توفیق ہو یا نہ ہو، گناہوں سے بچنے کا خاص اہتمام کرنا، بالخصوص ان گناہوں سے جو اس رات کے فضائل سے محرومی کا باعث بنتے ہیں۔

(۳) اس رات میں توبہ واِستغفار اور کثرت سے دُرود وسلام کا خاص اہتمام، اور ہر قسم کی رُسومات اور فُضول کاموں سے اجتناب کرنا۔

(۴) اپنے اور پوری امّت کے لیے ہر قسم کی خیر کی دعا۔

(۵) بقدرِ استطاعت ذِکر واَوراد، نوافل اور تلاوتِ قرآن پاک کا اہتمام۔

---

(۱) "المَدخل" ليلة نصف شعبان، ۱/ ۲۹۹.

(۲) "البحر الرائق" كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ۲/ ۹۲، ۹۳ ملخّصاً.

(۶) اگر بآسانی ممکن ہو تو پندرہ ۱۵ شعبان کا روزہ رکھنا۔

واضح رہے کہ مذکورہ تمام اعمال شب براءَت کا لازمی حصہ نہیں، بلکہ ان کا ذکر محض اس لیے ہے کہ ان میں مشغولی کے سبب ہر قسم کے گناہوں سے بچ کر، اجر وثواب کا ذخیرہ اکٹھا کیا جا سکے۔

دعا

اے اللہ! ہمیں پندرہ ۱۵ شعبان المعظم میں بھی زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کی توفیق عطا فرما، باہمی اتحاد واتفاق اور محبت واُلفت کو اَور زیادہ فرما، ہمیشہ مخلوق کی محتاجی سے محفوظ فرما، اپنی محبت واِطاعت کے ساتھ اپنی سچی بندگی کی توفیق عطا فرما، خَلقِ خدا کے لیے ہمارا سینہ کشادہ اور دل نرم فرما، الٰہی ہمارے اَخلاق اچھے اور ہمارے کام عمدہ کر دے، ہمارے اعمالِ حسَنہ کو قبول فرما، ہمیں تمام گناہوں سے بچا، ہمارا خاتمہ بالخیر فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

اِقامتِ دین اور اس کے تقاضے

(جمعۃ المبارک ۱۶ شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ- ۱۰/۴/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبِهِ أجمعين.

اسلام ایک جامع اور کامل دین ہے

عزیزانِ محترم! اسلام صرف عبادات اور مذہبی رُسومات کی ادائیگی کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک جامع دین اور مکمل ضابطۂ حیات ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ پاک میں اس کے لیے دین کا لفظ ذکر ہوا، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ﴾[1] "یقیناً اللہ عزّوجلّ کے یہاں اسلام ہی دین ہے"۔

دین کی جامعیت اس کے مُعاشی، قانونی، ثقافتی، مُعاشرتی اور سیاسی کردار کے بغیر ممکن نہیں، اور انسانی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں، جس میں دینِ اسلام ہماری رَہنمائی نہ فرماتا ہو، قرآنِ کریم کا اَبدی نور آج بھی چمک رہا ہے، مصطفی جانِ رحمت ﷺ کی سیرتِ طیّبہ کی دائمی قندیلیں آج بھی اپنی آب وتاب کے ساتھ روشن تاباں ہیں، لہذا ہر

(۱) پ ۳، آل عمران: ۱۹.

مسلمان پر لازم ہے کہ دینِ اسلام کی روشن ودرخشاں تعلیمات پر عمل پیرا رہے، ان اَحکام کی بجاآوری کرکے انعاماتِ ربّانی کا مستحق اور اُسوۂ حسنہ کا سچا پیرو کار بن جائے۔

اللہ تعالی نے اپنے حبیبِ کریم ﷺ کے ذریعہ، دینِ اسلام کی تکمیل فرماکر، اس کے آخری اور پسندیدہ دین ہونے کا اعلان فرمایا، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾[1] "آج میں نے تمہارے لیے دین کامل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی، اور تمہارے لیے دینِ اسلام کو پسند کرلیا"۔

اِقامتِ دین سے کیا مراد ہے؟

برادرانِ اسلام! اِقامتِ دین سے مراد یہ ہے، کہ اسلامی اَحکام کو اس کے تمام مَعانی ومَفاہیم کے مطابق، عملی جامہ پہنایا جائے، اور اس کا پورا پورا حق ادا کیا جائے۔ اللہ رب العالمین نے اِقامتِ دین سے متعلق، ایسا ہی حکم اُممِ سابقہ کو بھی ارشاد فرمایا، اور اس بات کی خاص تاکید فرمائی، کہ دینی مُعاملات میں باہم پُھوٹ مت ڈالو، اور متفقہ طور پر اس کے اَحکام پر عمل کرو، اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمادیا، کہ کفّار ومشرکین پر تمہارا یہ عمل بہت ہی گراں گزرے گا، لیکن اگر کوئی بُھولا بھٹکا انسان بارگاہِ الٰہی عزّوجلّ میں رُجوع لانا چاہے، تو اس کے لیے واپسی کا راستہ کھلا ہے، ارشاد فرمایا: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ

(١) پ٦، المائدة: ٣.

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴾[۱] "تمہارے لیے دین کی وہ راہ ڈالی، جس کا حکم اس نے نُوح کو دیا، اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی، اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا، کہ دین کو ٹھیک رکھو، اور اس میں پُھوٹ نہ ڈالو، مشرکوں پر بہت ہی گراں ہے وہ جس کی طرف تم انہیں بلاتے ہو، اور اللہ جسے چاہے اپنے قرب کے لیے چُن لیتا ہے، اور اُسے اپنی طرف راہ دیتا ہے جو رُجوع لائے"۔

عزیزانِ گرامی! اسلام ایک سچا دین ہے، کفّار و مشرکین چاہے اسے کتنا ہی ناپسند کریں، اور اسے ختم کرنے کے لیے اس کے ماننے والوں پر، چاہے کتنا ہی ظلم وستم کیوں نہ کرلیں، بہرصورت یہ دین دیگر اَدیان پر غالب آکر رہے گا، یہ اللہ رب العزّت کا وعدہ ہے، ارشاد فرماتا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾[۲] "وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا؛ تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، اور اللہ گواہ کافی ہے"۔

ایک اَور مقام پر ارشاد فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾[۳] "وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا؛ تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، اگرچہ مشرکین پڑے بُرا مانیں"۔

---

(۱) پ ۲۵، الشُوری: ۱۳.

(۲) پ ۲٦، الفتح: ۲۸.

(۳) پ ۲۸، الصف: ۹.

اِقامتِ دین کا مفہوم

میرے عزیز! اِقامتِ دین کا تعلق عبادت، ریاضت اور زُہد وتقوی کے ساتھ ساتھ ہمارے سیاسی، مُعاشی، اور ثقافتی مُعاملات کے ساتھ بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایوانِ عدل واقتدار سے تعلق رکھنے والوں کو بھی، اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرنے کا حکم دیا گیا، اللہ تعالی نے اِقامتِ دین سے متعلق ان کی ذمہ داری بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ﴾(۱) "اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں، تو وہ نماز قائم کریں گے، زکات دیں گے، بھلائی کا حکم کریں گے، بُرائی سے منع کریں گے، اور تمام مُعاملات کا انجامِ کار اللہ تعالی کے اختیار میں ہے!"۔

اِقامتِ دین سے متعلق یہ حکم صرف اسلام کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ اسلام سے قبل جب بنی اسرائیل کو یہ ذمہ داری سونپی گئی، تو انہیں بھی یہی حکم دیا گیا تھا، کہ وہ توریت وانجیل اور دیگر صحائفِ سماویّہ میں، بیان کیے گئے اَحکام کو عملاً اپنی زندگی میں نافذ کریں، اللہ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے: ﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾(۲) "تم فرمادو کہ اے اہلِ کتاب! تم کچھ بھی نہیں ہو، جب تک قائم نہ کرو توریت وانجیل کو، اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اُترا"۔

حضراتِ محترم! اللہ ربّ العزّت نے دینِ اسلام کی صورت میں ہمیں ایک

---

(۱) پ۱۷، الحجّ: ٤١.

(۲) پ٦، المائدة: ٦٨.

مکمل اور فطری نظامِ زندگی عطا فرمایا ہے؛ تاکہ ہم اسے سمجھیں، اپنی عملی زندگی کو اس کے مطابق گزاریں، اس کے اصول، ضوابط اور اَحکام کو قانونی شکل دے کر لاگو کریں، مسلم حکمران اپنی رِعایا کو ان پر عمل کا پابند بنائیں، اور اس کے لیے جن ضروری اِقدامات کی حاجت ہو، علمائے دین اور قانونی ماہرین سے مُشاورت کے ساتھ، انہیں فی الفور عملی جامہ پہنائیں۔ دینِ اسلام ہی حقیقی طریقِ زندگی ہے، یہ بات ہمیں جتنی جلدی سمجھ میں آجائے، اتنا ہی ہمارے حق میں بہتر ہے، کہ اللہ تعالی قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾[1] "یہ سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔

خالقِ کائنات عزّوجلّ نے اسی دین کی اِقامت کے لیے، امّتِ مسلمہ کو خیرِ اُمت قرار دیتے ہوئے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا، ارشاد فرماتا ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾[2] "تم ان سب اُمتوں میں بہتر ہو، جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں؛ بھلائی کا حکم دیتے ہو، اور برائی سے منع کرتے ہو، اور اللہ پر یقین رکھتے ہو"۔

اِقامتِ دین کا یہ مقدّس فریضہ اجتماعیت اور نظم وضبط کے بغیر ممکن نہیں، تاجدارِ رسالت صلّی اللہ تعالی علیہ وسلّم نے اِقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے، جن تربیت یافتہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو منتخب فرمایا، اُنہوں نے بھی اجتماعی طور پر ریاستِ اسلامیہ میں ایسا نظام نافذ کیا، جس میں شریعتِ مطہَّرہ کے عین مطابق، عدل وانصاف کی فراہمی کو یقینی بنایا گیا، قوانینِ حدود، قِصاص

---

(۱) پ۱۲، یوسف: ٤٠.

(۲) پ٤، آل عمران: ١١٠.

اور تعزیرات کے نفاذ سے جرائم پر قابو پاکر، ایک پُرامن مُعاشرہ تشکیل دیا گیا، مالداروں سے زکات وصدقات وصول کرکے، مستحقین تک پہنچاکر غربت کا خاتمہ کیا گیا، باہمی بھائی چارے کی صورت میں محبت واُخوت کی فضا قائم کی گئی، یتیموں، مسکینوں اور غریبوں کی مناسب دیکھ بھال اور مالی مدد کے ذریعے، ان کی دِلجُوئی کرکے عملی طور پر بتا بھی دیا، کہ دینِ اسلام کی تعلیمات پر عمل کیسے کیا جاتا ہے۔ دنیا بظاہر جتنی بھی ترقی کرلے، اور مُعاشرہ بظاہر کتنا ہی ماڈرن (Modern) کیوں نہ ہوجائے، اسلام کے اَحکام تاقیامت قابلِ عمل اور مؤثر ہیں!۔

اِقامتِ دین اور ایک مسلم حکمران کی ذمہ داری

حضراتِ گرامی قدر! اِقامتِ دین کے مختلف پہلو ہیں، جن میں ارکانِ اسلام کی پابندی، اور عوام الناس کے بنیادی انسانی حقوق کی پاسداری کے ساتھ ساتھ، انہیں عدل وانصاف کی یقینی فراہمی بھی ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾[1] "جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو، تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو!"۔

اِقامتِ دین کے پیشِ نظر اپنی رِعایا سے عدل وانصاف کا مُعاملہ کرنے والے حکمران سے متعلق، رحمتِ عالمیان آقا کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ، يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: الإِمَامُ الْعَادِلُ ...»[2] "بروزِ قیامت جب کوئی سایہ نہیں ہوگا، سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالی اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائے گا: (ان خوش نصیبوں میں سے ایک) عدل وانصاف کرنے والا حاکم بھی ہے ..."۔

---

(١) پ٥، النساء: ٥٨.

(٢) "صحيح البخاري" كتاب الأذان، ر: ٦٦٠، صـ١٠٧.

اِقامتِ دین کا ایک پہلو یہ بھی ہے، کہ حکمران اپنی عوام کے ساتھ حسنِ سُلوک اور نرمی سے پیش آئیں، ان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھیں، ایسے حکمران سے متعلق رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «السُّلْطَانُ ظِلُّ اللهِ فِي الأَرْض»(۱) "حاکمِ اسلام زمین میں اللہ کی رَحمت کا سایہ ہے"۔

ایک اَور مقام پر سرکارِ دوعالم ﷺ نے ایسے حکمران کے لیے بارگاہِ الٰہی میں خاص طور پر یہ دعا فرمائی: «اللَّهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئاً فَرَفَقَ بِهِمْ، فَارْفُقْ بِهِ»(۲) "اے اللہ! جو کوئی میری امّت پر والی (حاکم) مقرّر ہو، اور وہ اِن کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، تو تُو بھی اُس پر نرمی فرما!"۔

اِقامتِ دین اور ہماری ذمہ داری

عزیزانِ محترم! بعض لوگوں کا یہ خیال ہے، کہ اَحکامِ دین کا عملی نفاذ صرف اسی صورت ممکن ہے، جب انسان صاحبِ اقتدار اور تمام اختیارات ووسائل کا مالک ہو، یہ سوچ شاید کسی حد تک درست بھی ہو، لیکن متعدّد ایسے ممالک ہمارے سامنے ہیں، جہاں مسلمان بادشاہتیں قائم ہیں، وہاں کے حکمران سیاہ وسفید کے مالک اور اسلامی نظامِ حکومت کے دعوی دار ہیں، لیکن اس کے باوُجود وہاں شَعائرِ اسلام کی مسلسل توہین کی جاتی ہے، شراب نوشی، زِناکاری، اور فحاشی وعُریانیت کا راج ہے، آخر کیوں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دینِ اسلام کی تعلیمات کا، کماحقہ نفاذ اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک ہر مسلمان اپنی اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے، اسے ادا کرنے کی بھرپور کوشش نہ کرے۔

---

(۱) "السنّة" لابن أبي عاصم، ر: ١٠٢٤، ٢/ ٤٩٢.

(٢) "السنن الكبرى" للبَيهقي، باب ما على الوالي من أمر الجيش، ٩/ ٤٣.

عزیزانِ محترم! ربِ کریم عَزَّوَجَلَّ نے اِقامتِ دین کا یہ فریضہ پہلے بنی اسرائیل کو سونپا تھا، لیکن انہوں نے اپنی ڈیوٹی (Duty) اور فرائض سے غفلت کا مظاہرہ کرکے اللہ تعالی کی نافرمانی کی، اور اس کی ناراضگی کے سبب اس کی رحمت اور خاص انعام واکرام سے محروم ہوگئے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ﴾[1] "اگر وہ قائم رکھتے توریت وانجیل کو، اور جو کچھ ان کی طرف اُن کے رب کی طرف سے اُترا، تو انہیں اوپر سے اور ان کے پیروں کے نیچے سے رزق ملتا، ان میں کوئی گروہ تو اعتدال پر ہے، اور اکثر ان میں بہت ہی برے کام کر رہے ہیں"۔

میرے عزیز دوستو، بھائیو اور بزرگو! بحیثیت مسلمان یہ ذمہ داری اب اللہ رب العالمین نے ہمیں سونپ رکھی ہے، لہذا ہمیں یہ فریضہ مکمل ایمانداری کے ساتھ ادا کرنا ہے، ورنہ کل بروزِ قیامت اس کوتاہی کے سبب ہماری بھی پکڑ ہوسکتی ہے، اور ہم سب سے اس بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔ حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے، مصطفی جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہر شخص کو اس ذمہ داری سے آگاہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْؤُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ: فَالأَمِيرُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ، فَهُوَ رَاعٍ عَلَيْهِمْ، وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْهُمْ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْهُمْ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا

(١) پ٦، المائدة: ٦٦.

وَوَلَدِهِ، وَهِيَ مَسْؤُوْلَةٌ عَنْهُمْ، وَالعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ، وَهُوَ مَسْؤُوْلٌ عَنْهُ، أَلاَ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ»[1].

"تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے، اور اس سے اس کے ماتحت کے بارے میں پوچھا جائے گا: تو لوگوں کا حقیقی امیر (۱) ایک حاکم ہے، اور اس سے اُس کی رِعایا کے بارے میں سوال ہوگا، (۲) ہر آدمی اپنے گھر والوں پر حاکم ونگہبان ہے، اور اس سے اس کے اہل وعِیال کے بارے میں سوال ہوگا، (۳) عورت اپنے شَوہر کے گھر اور اس کے بچوں پر نگہبان ہے، اس سے اس بارے میں پوچھا جائے گا، (۴) غلام (وملازم) اپنے آقا (مالک) کے مال کا نگہبان ہے، اور اس سے بھی اس بارے میں پوچھا جائے گا، لہذا جان لو کہ تم میں سے ہر ایک حاکم ونگہبان ہے، اور ہر ایک سے اس کی رعیت (ماتحت) کے بارے میں (قیامت کے دن) بازپُرس ہوگی"۔

اِقامتِ دین سے متعلق اپنی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والے سے متعلق، رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «لَا يَسْتَرْعِي اللهُ عَبْدًا رَعِيَّةً، يَمُوتُ حِينَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لَهَا، إِلَّا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ»[2] "اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو کسی رِعایا کا نگران (حاکم) بناتا ہے، اور وہ اس حال میں مرے کہ اپنی رِعایا کے حقوق پامال کرتا ہو، تو اللہ تعالیٰ اُس پر جنّت حرام کردیتا ہے!"۔

(۱) "صحيح البخاري" كتاب العتق، ر: ٢٥٥٤، صـ٤١٢.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، ر: ٣٦٤، صـ٧٣.

دعا

اے اللہ! ہمیں دینِ اسلام کے اَحکام کو قائم کرنے کے لیے، اپنی اپنی ذمہ داری کو، بخوبی ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرما، اسلام کے خلاف ہونے والی عالمی سازشوں کا شکار ہونے سے بچا، الیکٹرانک (Electronic) اور پرنٹ میڈیا (Print media) کے ذریعے دینِ اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کے اثرات سے محفوظ رکھ، ہمیں نیک صالح اور شریعت کے پابند عادِل و منصِف حکمراں عطا فرما، ہمیں اِقامتِ دین کے سلسلہ میں ہر ممکن کوشش کی توفیق عطا فرما، ملک و قوم کی خدمت اور اس کی حفاظت کی سعادت نصیب فرما، باہمی اتحاد واتفاق اور محبت واُلفت کو اَور زیادہ فرما، ہمیں اَحکامِ شریعت پر صحیح طور پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

مخلوط نظامِ تعلیم اور دینِ اسلام

(جمعۃ المبارک ۲۳شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ- ۱۷/۴/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمٰنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

دینِ اسلام میں علم کی اہمیت

عزیزانِ محترم! علم نُور ہے، علم اَقوامِ عالَم کی ترقّی، بلندئ درجات، دل ودماغ کی کشادگی، جنّت کے حصول اور اللہ تعالی کی طرف سے اِنعام واِکرام کے حصول کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ علم ایک ایسا نور ہے کہ جو اس کے دائرے میں آجائے وہ روشن ہو جاتا ہے، علم ایک ایسی روشنی ہے جس کی بدَولت انسان کا دل جگمگا اُٹھتا ہے، اِس نُور کی روشنی میں انسان اپنی منزل تلاش کرتا ہے، علم ہمیں اعلی اَخلاقی اَقدار سے نہ صرف رُوشناس کراتا ہے، بلکہ انسانی کردار کی عظمت، اور پستی کی گہرائیوں سے بھی آگاہ کرتا ہے، علم کی بدَولت ابوالبشر حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر برتری عطا ہوئی، علم ایک ایسی دَولت ہے جس کی، ابتدائے زندگی سے لے کر انتہاء تک ہر موڑ پر اشد ضرورت رہتی ہے، تاریخ شاہد ہے کہ علم نے اَقوامِ عالم کی تاریخ بدل ڈالی۔

دینِ اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے جو وحی نازل ہوئی، وہ علم سے متعلق تھی، اللہ رب العالمین نے اس وحی میں رسولِ اکرم ﷺ سے ارشاد فرمایا: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَۚ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍۚ ۞ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُۙ ۞ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِۙ ۞ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾[1] "اپنے رب تعالی کے نام سے پڑھیے، جس نے پیدا کیا، آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا، پڑھیے اور آپ کا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے لکھنا سکھایا، آدمی کو (وہ) سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا"۔

خالقِ کائنات عزّوجلّ کی بارگاہ میں علم کی اہمیت اور مقام کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، کہ اُس نے اپنے حبیبِ کریم اور تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے سردار ﷺ کو، معلّمِ کائنات بناکر اس جہاں میں بھیجا؛ تاکہ وہ ہمیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں، اور ہمیں اُن اَسرار ورُموز سے آگاہ فرمائیں جن کا ہمیں علم نہیں۔ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿كَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَ یُزَكِّیْكُمْ وَ یُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾[2] "جیسے ہم نے تم میں سے تم میں ایک رسول بھیجا، کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے، اور تمہیں پاک کرتا ہے، اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے، اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا"۔

اللہ ربّ العزّت نے علم کی اہمیت کو مزید اُجاگر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾[3] "اللہ تعالی تمہارے

---

(۱) پ ۳۰، العلق: ۱-۵.
(۲) پ ۲، البقرة: ۱۵۱.
(۳) پ ۲۸، المجادلة: ۱۱.

ایمان والوں، اور اُن کے جن کو علم دیا گیا، درجے بلند فرمائے گا"۔

مصطفی جانِ رَحمت ﷺ نے ہر مسلمان کے لیے حصولِ علم کولازمی قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: «طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ»[1] "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"۔

ایک اَور مقام پر حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، تاجدارِ رسالت ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ سَلَكَ طَرِيْقاً يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْماً، سَهَّلَ اللهُ لَهُ بِهِ طَرِيْقاً إِلَى الْجَنَّةِ»[2] "جو علم کی طلب میں کسی راہ پر چلے، اللہ تعالی اس کے لیے جنّت کا راستہ آسان فرمادے گا"۔

اسی طرح حضرت سیّدنا عثمان بن عفّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، سروَرِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: «خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَه»[3] "تم میں سے بہترین شخص وہ ہے، جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے"۔

چونکہ قرآنِ پاک میں ہر چیز کا بیان ہے، لہٰذا جس نے قرآنِ مجید صحیح معنی میں سیکھ لیا، قرآنی علوم پر مہارت حاصل کرلی، اس نے دنیاوآخرت کے سب سے بہتر علم پر دسترس حاصل کرلی۔

تعلیمِ نسواں اور دینِ اسلام

برادرانِ اسلام! کسی بھی قوم کی دین سے شناسائی، اور تہذیب وثقافت سے آگاہی کا پہلا فریضہ ماں کی صورت میں، اس قوم کی خواتین ادا کرتی ہیں، اسی لیے ماں

---

(١) "سنن ابن ماجه" باب فضل العلماء والحثّ ...إلخ، ر: ٢٢٤، صـ٤٧.
(٢) "صحيح مسلم" كتاب الذكر والدعاء والتوبة، ر: ٢٦٩٩، صـ١١٧٣.
(٣) "صحيح البخاري" باب: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ ...إلخ، ر: ٥٠٢٧، صـ٩٠١.

کی گود کو حصولِ علم اور تربیت کا اوّلین مرکز بھی قرار دیا جاتا ہے، لہٰذا مَردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کا بھی تعلیم یافتہ ہونا انتہائی ضروری ہے۔ دینِ اسلام کی دیگر امتیازی خصوصیات کے ساتھ ساتھ ایک خصوصیت یہ بھی ہے، کہ اس دین میں ہر مسلمان عورت، بہو بیٹی کے لیے حصولِ علم کا دَر ہمیشہ کھلا رہا ہے؛ اسی لیے اَحکامِ شریعت کی پاسداری کرتے اور انہیں ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے، خواتینِ اسلام کو ہر قسم کے مفید علم کے حصول کی پوری طرح آزادی حاصل ہے۔

عزیزانِ گرامی قدر! دینِ اسلام جہاں ایک عورت کو ہر علمِ نافع کے حصول کی اجازت دیتا ہے، وہیں بے پردگی، اور مخلوط نظامِ تعلیم کی حوصلہ شکنی بھی فرماتا ہے؛ کیونکہ جہاں ایک عورت خوب بناؤ سنگھار کر کے، دیدہ زیب ملبوسات پہن کر بے پردہ، بیسیوں مَردوں کے بیچ آکر بیٹھے گی، اور ان کی توجہ حاصل کرنے کا ساماں مہیا کرے گی، وہاں تعلیم وتعلّم کیسے ممکن ہو گا؟!

مخلوط تعلیمی نظام اور دینِ اسلام

حضراتِ محترم! اسلام عورت کو حصولِ علم سے ہرگز منع نہیں کرتا، لیکن حصولِ علم کے اُن طور طریقوں سے منع ضرور کرتا ہے، جن سے عورت کی نسوانیت کا تقدُّس پامال ہوتا ہو، یا عورت کا دامنِ عصمت داغدار ہونے کا خدشہ ہو۔ حصولِ علم کے لیے اسلام مرد وعورت کے لیے الگ الگ تعلیمی اداروں کے قیام کا حکم دیتا ہے؛ کیونکہ ہر ذی شُعور اس بات سے بخوبی آگاہ ہے، کہ جہاں جہاں مخلوط تعلیمی نظام (Co-Education System) رائج ہے، وہاں گمراہی، آوارگی اور باہم لڑائی جھگڑوں کا بازار ہمہ وقت گرم رہتا ہے، فحاشی، عُریانیت اور بے حیائی کے واقعات روز مرہ معمول

کا حصہ بنتے جارہے ہیں، شریف گھرانوں کی خواتین ایسے تعلیمی اداروں میں خود کو ہر وقت غیر محفوظ محسوس کرتی ہیں، پردے کا اہتمام کرنے والی بیٹیوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے، ان کے مذہبی رجحان کو بنیاد بناکر ان پر آوازیں اور پھبتیاں کَسی جاتی ہیں، جس کے باعث حصولِ علم پر توجہ دینا در کنار، انسانی رُوپ میں چلتے پھرتے جنسی بھیڑیوں سے انہیں اپنی عزّت و عصمت بچانا بھی مشکل ہوجاتا ہے!۔

مخلوط تعلیمی نظام کے نقصانات

عزیزانِ مَن! مخلوط طرزِ تعلیم سے آج ہماری نئی نسل بہت متاثر ہورہی ہے، کوایجوکیشن (Co-Education) کے سبب آجکل کے بچے اَخلاقیات سے عاری ہوئے جارہے ہیں، ان میں شرم وحیاء جیسی عمدہ صفات ناپید ہورہی ہیں، جنسی تشدُّد پر مبنی واقعات میں اضافہ ہورہاہے، تعلیمی معیار کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ رہا ہے، ہماری تہذیب وثقافت قصۂ پارینہ ہوتی جارہی ہے، بحیثیتِ قوم ہم مُعاشرتی زوال کا شکار ہو رہے ہیں، مخلوط نظامِ تعلیم کے بظاہر ہزار فائدے ہوں، لیکن ایک مسلم مُعاشرے کے لیے یہ کسی لعنت سے کم نہیں؛ کیونکہ اس مغربی نظامِ تعلیم میں ایک مسلمان عورت کی عزّت وآبرُو اور عفّت وحیاء محفوظ نہیں، لہذا دینِ اسلام ایک مسلمان بہن بیٹی کو ایسی غیر محفوظ جگہ بھیجنے کا ہرگز رَوادار نہیں ہوسکتا!۔

جانِ برادر! اگر غیر جانبدارانہ نقطۂ نظر سے دیکھیے، تو مخلوط نظامِ تعلیم کثیر خواتین کی تعلیم میں رکاوَٹ، اور یہ چیز اَخلاقی گراوَٹ (Moral decay) کا بھی باعث بن رہاہے، لہذا جتنا جلد ہوسکے ہمیں اس نظامِ تعلیم کو ترک کردینا چاہیے، فطرت کے اصول سے بغاوت کے باعث، اب حال یہ ہوچکا کہ خود مغرب دنیا (Europe) بھی

اس کے منفی اَثرات کو محسوس کررہی ہے۔ تقریبًا پندرہ ۱۵ سالہ ریسرچ سروے رپورٹس (Research survey reports) کے مطابق، یہ بات سامنے آئی ہے کہ "مخلوط تعلیمی ادارے صِنفِ نازک کے لیے دراصل شکار گاہیں ہیں، ان تعلیمی اداروں کے ماحول، اور مرد وخواتین کے لیے آزادانہ اختلاط کے زیادہ مواقع سے، جنسی تشدُد (Sexual violence) کے واقعات میں تشویشناک حد تک اضافہ ہوا ہے، اور مخلوط تعلیمی اداروں کے ماحول نے، تعلیمی معیار کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے"[۱]۔

شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال نے ایسے ہی بوسیدہ مغربی نظام سے متعلق اپنے ایک شعر میں کہا تھا: ع

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے[۲]

حضراتِ گرامی قدر! مخلوط نظامِ تعلیم چونکہ دینِ فطرت کے اصول وقوانین کو نظر انداز کرکے بنایا گیا ہے، لہذا جہاں جہاں یہ نظام نافذ کیا گیا، وہاں وہاں مذہب بے زاری، تہذیبی اَقدار سے دست برداری، اور جنسی اَنارکی جیسے مہلک وسنگین نتائج دیکھنے کو ملے۔ اِنہی وُجوہ کی بنا پر دینِ اسلام میں، مخلوط نظامِ تعلیم کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

میرے عزیز دوستو، بھائیو اور بزرگو! مخلوط نظامِ تعلیم کی تمام تر خباثتوں اور مضر اثرات کے باوُجود بھی، اگر مسلمان خواتین ایسے اداروں میں زیرِ تعلیم رہیں، تو قوی اندیشہ ہے کہ (معاذ اللہ) ان کی عزّت وناموس کی پامالی کے رُوح فرسا واقعات کا سلسلہ بڑھتا ہی چلا جائے گا، لہذا اپنی بیٹیوں کو زیورِ تعلیم سے ضرور آراستہ کیجیے، لیکن اس کے ساتھ

---

(۱) "مخلوط تعلیمی ادارے... آنکھیں کب کھلیں گی" روزنامہ جنگ ۱۱ نومبر ۲۰۱۵ء۔
(۲) "کُلیاتِ اقبال" بانگ درا، حصّہ سوم ۳، ظریفانہ، صـ۳۲۰۔

ساتھ اَحکامِ شریعت کو بھی ملحوظِ خاطر رکھیے، اور انہیں وقتاً فوقتاً پردے کے اہتمام کی تلقین بھی کرتے رہیے، اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں وہ دینی تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب بھی دیجیے، جو ہمارے مذہب اور فطرت کے عین مطابق ہے۔

دعا

اے اللہ! ہمیں قرآن وسنّت کا علم حاصل کرنے کی سعادت عطا فرما، اپنے بچے بچیوں اور بھائی بہنوں کو دینی تعلیم دلانے کی توفیق دے، انہیں مخلوط نظامِ تعلیم پر مبنی اسکول، کالجز میں ایڈمیشن سے احتراز کرنے کی سوچ عطا فرما، ہماری ماؤں، بہنوں اور بہو بیٹیوں کو ہر جگہ پردے کا اہتمام کرنے کی توفیق دے۔ ہمیں ملک وقوم کی خدمت اور اس کی حفاظت کی سعادت نصیب فرما، باہمی اتحاد واتفاق اور محبت واُلفت کو اَور زیادہ فرما، ہمیں اَحکامِ شریعت پر صحیح طور پر عمل کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

استقبالِ رمضان

(جمعۃ المبارک ۳۰ شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ- ۲۴/۴/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبِهِ أجمعين.

میرے بزرگو ودوستو! جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں، کہ عنقریب دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے، رَحمتوں والے مہینے رمضان شریف کی آمد آمد ہے۔ رمضان المبارک میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے، سمجھنے، اس پر عمل کرنے، اور اس کی تعلیمات وبرکات دوسروں تک پہنچانے کے بے شمار مَواقع میسر آتے ہیں۔ روزہ، نماز، قرآنِ پاک، نوافل اور دیگر اَذکار واَوراد، انسان کے اندر تقویٰ اور خوفِ الٰہی پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ آئیے ہم سب مل کر رمضان المبارک کا استقبال کریں، اور اس کے مبارک لمحات بہترین انداز سے گزارنے کا عہد کریں!۔

روزے کی فرضیت وتعریف

روزوں کی فرضیت کا بیان کرتے ہوئے، خالقِ کائنات جَلّ جلالہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ

﴿قَبۡلِكُمۡ﴾(۱) "اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے"۔ اس آیتِ مبارکہ میں روزے کی فرضیت کا بیان ہے، روزہ شریعتِ اسلامیہ میں اس بات کا نام ہے، کہ مسلمان صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک، بہ نیّتِ عبادت، کھانا پینا اور مُجامَعت ترک کر دے۔ اس آیتِ مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا، کہ روزہ عبادتِ قدیمہ ہے، زمانۂ سیّدنا آدم علیہ السلام سے تمام شریعتوں میں فرض ہوتا چلا آیا ہے، اگرچہ ایّام واَحکام مختلف تھے، مگر اصلاً روزے سب امّتوں پر لازم رہے(۲)۔

روزے کی فرضیت کا مقصد

میرے محترم بھائیو! روزہ ہجرتِ نبوی کے دوسرے سال فرض ہوا، روزہ تقویٰ و پرہیزگاری کا ایک اَہم ذریعہ ہے؛ کیونکہ گناہوں کا ایک سبب نفسِ امّارہ بھی ہے، اور روزہ رکھنے سے نفسِ امّارہ کمزور پڑتا ہے، لہٰذا فرضیتِ صَوم کی اس پیاری سی حکمت کے بارے میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ﴾(۳) "تاکہ تم متقی و پرہیزگار بن جاؤ!"۔

مفسّرینِ کرام فرماتے ہیں کہ "روزے کا مقصدِ اعلیٰ، اور اس سخت رِیاضت کا پھل یہ ہے، کہ تم متقی اور پاکباز بن جاؤ، روزے کا مقصد یہ نہیں کہ صرف کھانے پینے اور جِماع سے پرہیز کرو، بلکہ تمام برے اَخلاق اور اعمالِ بد سے انسان

---

(۱) پ۲، البقرة: ۱۸۳.

(۲) "تفسیر خزائن العرفان" پ۲، البقرة، زیرِ آیت: ۱۸۳، صـ۶۰ ملتقطاً۔

(۳) پ۲، البقرة: ۱۸۳.

مکمل طَور پر کنارہ کشی اختیار کرے۔ تم پیاس سے تڑپ رہے ہو، تم بھوک سے بے تاب ہو رہے ہو، تمہیں کوئی دیکھ بھی نہیں رہا، ٹھنڈا پانی اور لذیذ کھانا پاس رکھا ہے، لیکن تم ہاتھ تو کُجا، آنکھ اُٹھا کر اُدھر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے، اس کی وجہ صرف یہی ہے نا، کہ تمہارے رب کا یہ حکم ہے! اب جب حلال چیزیں اپنے رب کے حکم سے تم نے ترک کر دیں، تو وہ چیزیں جن کو تمہارے رب تعالی نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا ہے، مثلاً چوری، بدکاری، رشوت، بددیانتی وغیرہ حرام کاریاں، اگر یہ خیال پختہ ہو جائے، تو کیا تم ان کا اِرتکاب کر سکتے ہو؟ ہرگز نہیں![1]۔

مہینہ بھر کی اس مشقّت کا مقصد یہی ہے، کہ تم سال کے باقی گیارہ ۱۱ ماہ بھی اللہ تعالی سے ڈرتے ہوئے حرام سے اجتناب کرو۔ لہذا جو لوگ روزہ تو رکھ لیتے ہیں، لیکن جھوٹ، غیبت، بدنظری، فحش کلامی اور گالی گلوچ وغیرہ برائیوں سے باز نہیں آتے، ان سے متعلق سرکارِ اَبد قرار ﷺ نے واضح الفاظ میں فرمادیا: «مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ، فَلَيْسَ لله حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ!»[2] "(جس نے روزہ رکھنے کے باوُجود) جھوٹ اور اُس پر عمل نہیں چھوڑا، رب تعالی کو اُس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں"[3]۔

میرے بزرگو ودوستو! روزے میں جہاں مسلمان کھانے پینے، اور نفسانی خواہشات سے اپنے آپ کو روکے رکھتا ہے، وہیں اسے چاہیے کہ جھوٹ غیبت وغیرہ

---

(۱) "تفسیر ضیاء القرآن" البقرہ، زیرِ آیت: ۱۸۳، ۱/۱۲۳، ۱۲۴، مختصراً۔

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الصّوم، ر: ۱۹۰۳، صـ۳۰٦.

(۳) "تفسیر ضیاء القرآن" البقرہ، زیرِ آیت: ۱۸۳، ۱/۱۲۳، ۱۲۴، مختصراً۔

گناہوں سے بھی باز رہے؛ تاکہ تقویٰ وپرہیزگاری حاصل ہو، اور یہی روزے کا مقصد بھی ہے۔ حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ سے روایت ہے: «إِنَّ الصِّيَامَ لَيْسَ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ، وَلكِنْ مِنَ الْكَذِبِ وَالْبَاطِلِ وَاللَّغْوِ»[1] "روزہ صرف کھانے پینے سے باز رہنے کا نام نہیں، بلکہ روزہ جھوٹ، گناہوں، اور بے کار چیزوں سے بھی بچنے کا نام ہے"۔

لہذا چاہیے کہ ہم ابھی سے رمضان شریف کی تیاری شروع کر دیں، نمازوں کی پابندی کریں، اپنی زبان کی حفاظت کریں، غیبت وچغلی، گالی گلوچ، سخت کلامی اور بدنگاہی سے اجتناب کریں۔ حضرت سیّدنا جابر بن عبد اللہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ سے روایت ہے: «إِذَا صُمْتَ فَلْيَصُمْ سَمْعُكَ وبَصَرُكَ وَلِسَانُكَ عَنِ الْكَذِبِ وَالْمَحَارِمِ، ودَعْ أَذَى الخادمِ، وَلْيَكُنْ عَلَيْكَ وَقَارٌ وَسَكِينَةٌ يَوْمَ صِيَامِكَ، وَلَا تَجْعَلْ يَوْمَ فِطْرِكَ وَصَوْمِكَ سَوَاءً!»[2] "جب تم روزہ رکھو تو اپنے کان، آنکھ اور زبان کو جھوٹ اور دیگر تمام گناہوں سے روکے رکھو! اور اپنے خادم وملازِم کو اَذیّت دینے سے بھی باز رہو! روزے میں وقار واطمینان سے رہو! رمضان اور غیر رمضان میں ایک جیسے مت رہو!"۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ روزہ رکھ کر انسان دوسروں کے لیے اَذیّت کا باعث، یا دوسروں پر بوجھ بن جائے!۔

ناصرف دن میں ٹائم پاس کرنے کے لیے، موبائل فونز وغیرہ کے ذریعے، فضولیات وبے حیائی کے ذرائع، فحش ومنکَرات پر مبنی لٹریچر، آڈیو یا وڈیو کلپس وغیرہ

---

(۱) "السنن الكبرى" للبيهقي، كتاب الصيام، ٤/ ٢٠٩.

(۲) "شعب الإيمان" باب في الصوم، ر: ٣٦٤٩، ٣/ ١٣٤٤.

سننے اور دیکھنے سے اجتناب کرنا ہے، بلکہ رمضان المبارک کی راتوں میں بھی ایسے کاموں سے بچنا ہے، جو لوگوں یا خود اپنی آخرت کے لیے نقصان اور اَذیّت کا باعث ہوں۔ جیسا کہ بعض شہری علاقوں میں باقاعدہ کرکٹ، فٹ بال وغیرہ کے میچز کی زینت بننا، خود کھیلنا یا تماشائی بن کر کھیلنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا، شور شرابا کرکے کسی کے آرام، یا کسی کی عبادت میں خلل انداز ہونا قابلِ مذمّت ہے، یہ وہ کام ہیں جن کے باعث روزے کی برکات زائل ہو جاتی ہیں، بلکہ روزے کا زندگی پر یہ اثر ہونا چاہیے، کہ نرمی وآسانی، عفو ودرگزر کا مُظاہرہ کرے؛ تاکہ اللہ ورسول کی نافرمانی سے ہمیشہ کے لیے نَجات مل جائے!۔

حضراتِ محترم! خالقِ کائنات جلّ جلالہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ﴾[1] "گنتی کے دن ہیں"۔ یعنی انتیس۲۹، یا تیس۳۰ دن (تقریبًا ایک ماہ فقط) اس لیے گھبرانا مت، جس رب تعالی نے تمہیں گیارہ۱۱ ماہ کھلایا پلایا، اگر ایک ماہ، وہ بھی صرف دن کے وقت، کھانے پینے سے منع فرمادے، تو ضرور اُس کی اطاعت کرو، اور اس میں بھی تمہارا ہی فائدہ ہے!۔

روزہ اور انسان کی صحت

محترم بھائیو! بعض لوگ رمضان المبارک کے روزے رکھنے میں بھی حیلے بہانوں سے کام لیتے ہیں کہ "ہم سے نہیں رکھے جاتے، ہماری ڈیوٹی سخت ہے، روزہ رکھنا بہت مشکل کام ہے، ہم روزہ رکھتے ہیں تو بیمار پڑ جاتے ہیں"... وغیرہ وغیرہ۔ اِسی

---

(۱) پ۲، البقرة: ۱۸٤.

طرح کے اَور بھی بہت سے حیلے بہانے کرکے، رَحمتِ الٰہی سے خود ہی محروم رہتے ہیں۔ جبکہ حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، مصطفیٰ جانِ رَحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «صُومُوا تَصِحُّوا!»[1] "روزہ رکھو صحت مند ہو جاؤ گے!"۔

اس سے معلوم ہوا کہ خرابئ صحت کے اندیشے سے، روزہ نہ رکھنے کی سوچ غلط اور خام خیالی ہے، اس طرح بندہ خالقِ کائنات جلّ جلالہ کی رَحمت سے دُور ہو جاتا ہے۔ لہذا فیصلہ ہمارے ہاتھ میں ہے، کہ بدبختی ومحرومی کو گلے لگائیں، یا پھر ربِ ذوالجلال کے حکم، اور حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمانِ صحت نشان پر عمل کرتے ہوئے، روزے کی برکتیں رَحمتیں حاصل کرکے، نیک بختی وسعادت مندی، کامیابی وکامرانی اور صحت کو اپنے دامن میں سمیٹ کر، اُن کے پیارے بن جائیں۔

بیمار اور مسافر کے لیے روزے کی رخصت

عزیز دوستو! جو شخص ایسا بیمار ہو کہ روزہ نہ رکھ سکتا ہو، اس کے لیے دینِ اسلام میں رخصت ہے، ارشادِ خداوندی ہے: ﴿فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾[2] "تو تم میں سے جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو، تو اتنے روزے اَور دنوں میں پورے کرے"۔ یعنی ایسا بیمار ہو کہ روزہ اُسے شدید نقصان دے، تو اسے صحتیابی تک روزہ مؤخّر کرنے کی اجازت ہے، لیکن جس بیمار کو روزہ شدید نقصان نہ دے، اسے روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔

اور وہ سفر جس پر شرعی اَحکام مرتَّب ہوں، یعنی ۹۲ کلومیٹر مَسافت طَے کرنے کی نیّت سے چلا ہو، یا اس کے علاوہ اگر کوئی اَور شرعی عذر ہے، یا حاملہ، یا دودھ پلانے والی

---

(۱) "المعجم الأوسط" باب الميم، بقية اسمه ميم، ر: ۸۳۱۲، ٦/ ١٤٧.

(۲) پ۲، البقرة: ۱۸٤.

خاتون، تو اِن تمام خواتین و حضرات کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، ان کے جتنے روزے چُھوٹیں، وہ رمضان کے بعد اُن کی قضا کرلیں، لیکن پھر بھی رمضان شریف میں روزہ رکھنا ہی ان کے حق میں زیادہ بہتر ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[1] "اگر تم جانو تو روزہ رکھنا تمہارے لیے زیادہ بھلا ہے!"۔ تو معلوم ہوا کہ مسافر کو اگرچہ روزہ قضا کرنے کی اجازت ہے، مگر روزہ رکھ لینا اس کے لیے زیادہ بہتر ہے[2]۔

رمضان شریف کی آمد

عزیز دوستو! ہمارے گھر، خاندان اور مُعاشرے میں کئی اَفراد ایسے تھے، جو پچھلے رمضان المبارک میں ہمارے ساتھ تھے، لیکن آج وہ ہمارے درمیان نہیں رہے، وہ حضرات اپنی منزل کو پہنچ چکے ہیں، یقیناً ہم سب کو بھی ایک دن اِس دارِ فانی سے دارِ آخرت کی طرف کُوچ کرنا ہے، لہٰذا جسے یہ مبارک مہینہ نصیب ہو، وہ بڑا ہی خوش بخت اور سعادت مند ہے۔ حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ، فُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ»[3] "جب رمضان کا مہینہ آتا ہے، تو جنّت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اور شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے"۔

---

(۱) پ۲، البقرة: ۱۸٤.

(۲) "تفسیر نور العرفان" پ۲، البقرۃ، زیرِ آیت: ۱۸۴، صـ۴۲۔

(۳) "صحيح البخاري" باب صفة إبليس وجنوده، ر: ٣٢٧٧، صـ٥٤٦.

رمضان شریف اور نُزولِ قرآن کریم

اللہ تعالی نے اس ماہِ مبارک کو بہت سے فضائل وخصوصیات کے ساتھ، دیگر مہینوں سے ممتاز مقام ومرتبہ عطا فرمایا ہے، اس مبارک ماہ میں قرآن مجید کا نُزول ہوا، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ﴾[1] "رمضان وہ مبارک مہینہ ہے، جس میں قرآن پاک اُتارا گیا"۔

روزے سے متعلّق مسائل واَحکام سیکھنا

اس ماہِ مبارک کے استقبال کی ایک صورت یہ بھی ہے، کہ ہم اس کی آمد سے پہلے ہی روزے سے متعلّق مسائل واَحکام سیکھ لیں۔ چنانچہ حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «إِذَا نَسِيَ فَأَكَلَ وَشَرِبَ، فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ؛ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ»[2] "جب کوئی روزہ دار بُھول کر کھاپی لے، تو وہ اپنا روزہ پورا کرے؛ کیونکہ اُسے اللہ تعالی نے کھلایا اور پلایا"۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ "یہی حکم ہر اُس چیز کا ہے، جو دوا یا غذا نہ ہو، اور بلا قصد واختیار حَلق میں اُتر جائے، جیسے دھواں اور غُبار وغیرہ۔ البتہ قصداً دھواں وغیرہ نگلنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، جیسے حقّہ، سگریٹ، بیڑی، بخور، اگربتی وغیرہ کا دھواں، اس میں قضا بھی ہے اور کفّارہ بھی"[3]۔ یعنی رمضان شریف کے بعد اس روزہ کی قضا کے طور پر ایک روزہ، اور کفّارہ کے ساٹھ ۶۰ روزے مسلسل رکھنے ہوں گے۔

---

(۱) پ۲، البقرة: ۱۸۵.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الصّوم، ر: ۱۹۳۳، صـ۳۱۰.

(۳) "نزہۃ القاری" باب الصائم إذا أكل أو شرب ناسياً، تحت ر: ۳۴۳، ۵/۵۴۔ و"بہارِ شریعت" کن چیزوں سے روزہ نہیں جاتا، حصہ۵، ۱/۹۸۲۔

روزہ دار کی شان

عزیزانِ محترم! روزہ دار کے لیے خوشخبری ہے، حضرت سیّدنا سہل بن سعد رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ، فِيهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانَ، لَا يَدْخُلُهُ إِلَّا الصَّائِمُوْنَ»(۱) "جنّت کے آٹھ ۸ دروازے ہیں، ان میں سے ایک کا نام "ریّان" ہے، اس دروازے سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے"۔

روزے کی جزا

حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور نبئ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَاناً وَاحْتِسَاباً، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»(۲) "جو ایمان کے ساتھ، ثواب کی خاطر رمضان کے روزے رکھے، اس کے گزشتہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں"۔

برکت والا مہینہ

رفیقانِ گرامی قدر! ان شاء اللہ العزیز ہم سب مسلمان عنقریب رمضان المبارک کے استقبال کی سعادت حاصل کریں گے، یہ ایسا مبارک مہینہ ہے جس میں برکات عام ہوتی ہیں، رحمتیں نازل ہوتی ہیں، نیکیوں کا ثواب کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے، لغزشیں مُعاف کی جاتی ہیں، دعائیں قبول ہوتی ہیں، جنّت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنّم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ لہذا آپ سب کو یہ عظیم مہینہ

---

(۱) "صحيح البخاري" باب صفة أبواب الجنّة، ر: ۳۲۵۷، صـ۵٤۳.

(۲) المرجع نفسه، كتاب الصّوم، ر: ۱۹۰۱، صـ۳۰٦.

مبارک ہو! اور آپ تمام مسلمانوں کے لیے خوشخبری ہو، جو اللہ رب العزّت نے آپ حضرات کے اِعزاز میں دی ہے، جس کی بِشارت ہمارے پیارے آقا ومَولا ﷺ نے اپنے اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دی۔

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ فرماتے ہیں: «أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرٌ مُبَارَكٌ، فَرَضَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ، تُفْتَحُ فِيهِ أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَتُغْلَقُ فِيهِ أَبْوَابُ الْجَحِيمِ، وَتُغَلُّ فِيهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِينِ، لله فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ»[۱] "تمہارے پاس رمضان کا مبارک مہینہ آیا، اللہ جلّ جلالہٗ نے تم پر اس کے روزے فرض کیے ہیں، اس مہینے میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنّم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اور شریر جن وشیاطین قید کر دیے جاتے ہیں، اس ماہِ مبارک میں اللہ تعالی کی طرف سے ایک ایسی بابرکت رات ہے، جو ہزار مہینوں سے افضل وبہتر ہے یعنی شبِ قدر، تو جو اِس کے ثواب سے محروم رہا وہ حقیقۃً محروم ہے"۔

اجرِ عظیم

حضراتِ محترم! بلاشبہ ماہِ رمضان کا تشریف لانا، رب تعالی کی ایک عظیم نعمت ہے، لہٰذا ہم سب پر لازم ہے کہ اس سے وہ فوائد حاصل کریں، جو ہمارے لیے دنیا وآخرت میں بھلائی کا ذریعہ ہوں۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «قَالَ اللهُ: كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ؛ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ، وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ، فَلاَ يَرْفُثْ وَلاَ يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ

(۱) "سنن النَّسائي" كتاب الصيام، ر: ۲۱۰۲، الجزء ٤، صـ۱۳۱-۱۳۲.

أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ: إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، لِلصَّائِمِ فَرحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا: (١) إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ، (٢) وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ»[1].

"اللہ تعالی فرماتا ہے، کہ آدمی کا ہر عمل اُس کی اپنی ذات کے لیے ہے سوائے روزے کے؛ کہ وہ میرے لیے ہے، اور اُس کا بدلہ میں خود دُوں گا۔ روزہ عذاب سے بچانے والی ڈھال ہے، اور جب تم میں سے کوئی روزے سے ہو، تو نہ فحش بات کرے، اور نہ کسی سے جھگڑے، اگر اُسے کوئی گالی دے یا جھگڑے، تو اُس سے کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! روزہ دار کے منہ کی بُو، اللہ تعالی کو مُشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے، روزہ دار کے لیے دو ۲ خوشیاں ہیں جن سے اُسے فرحت ہوتی ہے: (۱) ایک اِفطار کی خوشی، (۲) اور دوسری اپنے رب تعالی سے ملاقات کی خوشی"۔

جہنم سے آزادی

عزیزانِ گرامی قدر! ہم سب مسلمان اس عظیم موسمِ عبادات وبرکات کے اشتیاق میں ہیں؛ تاکہ بھلائی کے میدان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں اور اجرِ عظیم پائیں۔ تو کون ہے جو اپنے رب تعالی کی جنّت کا امیدوار ہے؟! اور کوشش کرتا ہے کہ اُسے جہنّم سے آزاد کردہ لوگوں میں شمار کر لیا جائے؟! سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: «إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ، صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ، وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النِّيرانِ، فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ،

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب الصّوم، ر: ١٩٠٤، صـ٣٠٦.

وَفُتِّحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ، وَيُنَادِي مُنَادٍ: يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ! وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ! وَلله عُتَقَاءُ مِن النَّارِ، وَذَلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ»[1] "جب ماہِ رمضان کی پہلی رات آتی ہے، تو شیاطین اور سرکش جنّات کو بیڑیاں ڈال دی جاتی ہیں، جہنّم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، کہ اُن میں سے کوئی بھی دروازہ نہیں کھولا جاتا، جنّت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور اُن میں سے کوئی بھی دروازہ بند نہیں کیا جاتا، اور ایک مُنادی پکارتا ہے، کہ اے طالبِ خیر آگے بڑھو! اور اے شرّ کے متلاشی باز آجاؤ! اور اللہ تعالی کئی لوگوں کو جہنّم سے آزاد فرماتا ہے، اور اسی طرح کا مُعاملہ رمضان کی ہر رات میں رہتا ہے"۔

چاند دیکھ کر پڑھنے کی دعا

عزیز دوستو! جب ہم اس مبارک ماہ کو پائیں، اور اس مہینے کا چاند دیکھیں، تو اس وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے، ہمارے آقا رحمتِ عالمیان ﷺ دعا کرتے: «اللَّهُمَّ أَهْلِلْهُ عَلَيْنَا بِالْيُمْنِ وَالإِيمَانِ، وَالسَّلاَمَةِ وَالإِسْلاَمِ، رَبِّي وَرَبُّكَ اللهُ!»[2] "الٰہی! اس نئے چاند کا طلوع ہونا ہمارے لیے امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کا ذریعہ بنا، اے چاند میرا اور تیرا رب اللہ ہے!"۔

لہذا ہمیں رمضان کا بہترین استقبال کرنا ہے، اس میں خوب عبادات واعمالِ صالحہ کرنے ہیں، اللہ و رسول کو خوب راضی کرنا ہے، اور اس ماہِ مبارک کی آمد سے پہلے ہی نیک کاموں کی طرف رُجوع وسبقت کرنی ہے، ان شاء اللہ!۔

(۱) "سنن الترمذي" باب ما جاء في فضل شهر رمضان، ر: ٦٨٢، صـ١٧٤.

(۲) المرجع نفسه، باب ما يقول عند رؤية الهلال، ر: ٣٤٥١، صـ٧٨٨.

دعا

اے اللہ !شعبان کے ان بقیہ لمحات میں ہمیں دے، اور ہمیں بخیر وعافیت رمضان تک پہنچادے، روزوں اور نمازِ تراویح میں ہماری مدد فرما، ہمیں تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں ملک وقوم کی خدمت اور اس کی حفاظت کی سعادت نصیب فرما، باہمی اتحاد واتفاق اور محبت واُلفت کو اَور زیادہ فرما، ہمیں اَحکامِ شریعت پر صحیح طور پر عمل کی توفیق عطا فرما۔ ہماری دعائیں اپنی بارگاہِ بے کس پناہ میں قبول فرما، آمین یا ربّ العالمین !۔

زکات ایک بنیادی فریضہ ہے

(جمعۃ المبارک ۳۰ شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ- ۲۴ / ۴ / ۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

زکات کی فرضیت اور حکم

محترم بھائیو! زکات ایک اہم دینی اسلامی فریضہ ہونے کے ساتھ ساتھ، مُعاشی واقتصادی مشکلات کے حل کا ایک بہترین ومؤثر ذریعہ بھی ہے۔ زکات کا لُغوی معنی ہے پاک کرنا، درست کرنا، بڑھنا، جبکہ شریعتِ اسلامیہ میں زکات کا معنی "مال کا ایک مخصوص حصّہ، جو شریعتِ مطہّرہ نے مقرّر کیا ہے، اللہ تعالی کی رِضا کی خاطر، کسی مسلمان شرعی فقیر کو اُس کا مالک بنادینا ہے"[1]۔

زکات فرض ہے، اور اس کی فرضیت قرآن، سنّت اور اِجماعِ امّت سے ثابت ہے، جو اِس کی فرضیت کا انکار کرے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ جو زکات کو فرض جاننے اور ماننے کے باوُجود ادا نہ کرے، وہ مستحقِ عذاب ہے۔ اور جو اس کی ادائیگی

---

(١) "الدرّ المختار" كتاب الزكاة، ٥/ ٤١٤-٤١٩.

میں تاخیر کرے وہ گنہگار ہے، اُس پر توبہ لازم ہے۔ زکات نہ دینے والے سے حاکمِ اسلام زبردستی بھی وصول کر سکتا ہے۔ زکات اسلام کا تیسرا رُکن ہے، جو ہجرت کے دوسرے سال فرض کیا گیا۔

زکات کس پر فرض ہے؟

زکات ہر اُس عاقل وبالغ مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے، جو صاحبِ نصاب ہو، یعنی جس کے پاس ضروریاتِ زندگی وحاجاتِ اصلیہ سے زائد، کم از کم ساڑھے سات تولہ سونا، یا ساڑھے باوَن تولہ چاندی، یا اس کے برابر نقدی یا مالِ تجارت ہو۔ اور جب اس نصاب پر مکمل ایک قمری سال، یعنی چاند کے اعتبار سے گزر جائے، تب اُس مال پر ڈھائی فیصد، یعنی چالیسواں حصّہ زکات لازم ہوتی ہے۔

زکات کی ادائیگی کا حکم

اللہ تعالی نے مسلمانوں کو زکات کی ادائیگی کا حکم نماز سے متّصل فرمایا:

﴿ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾(۱) "نماز قائم رکھو، زکات ادا کرو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو!"۔ یعنی نماز باجماعت ادا کیا کرو۔

زکات امن وامان، مسکینوں، محتاجوں کی مدد وتعاوُن، اور غمزدوں کی دِلجوئی، شہروں، وطنوں، عزّتوں کی حفاظت، اور اللہ ورسول کی رِضا کے حصول کا ایک اہم اور بہترین ذریعہ ہے۔

رفیقانِ گرامی قدر! زکات کا اسلام میں بہت اعلیٰ اور عظیم مرتبہ ومقام ہے، اللہ تعالی اور اس کے حبیبِ کریم ﷺ نے کئی مقامات پر زکات کا ذکر نماز کے

(۱) پ۱، البقرة: ٤٣.

ساتھ فرمایا۔ مصطفی جانِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اتَّقُوْا اللهَ رَبَّكُمْ، وَصَلُّوا خَمْسَكُمْ، وَصُومُوا شَهْرَكُمْ، وَأَدُّوا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ، وَأَطِيعُوْا ذَا أَمْرِكُمْ، تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ!»[۱] "اپنے رب سے ڈرتے رہو! پنج وقتہ نماز قائم رکھو! رمضان کے روزے رکھو! اپنے مال کی زکات ادا کرو! اور حاکمِ اسلام وعالمِ دین کی اِطاعت کرو! تواپنے رب کی جنّت میں داخل ہوجاؤ گے!"۔

زکات ادا کرنے کا فائدہ

رفیقانِ ملّتِ اسلامیہ! دیگر فرائض وواجبات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ، زکات دینے والے نیک مسلمانوں کو، آخرت میں نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ ہی کچھ رنج وغم، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾[۲] "یقیناً وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے، نماز قائم کی اور زکات ادا کی، اُن کا انعام اُن کے رب تعالی کے پاس ہے، نہ انہیں کچھ خوف ہوگا اور نہ کوئی غم!"۔

ایک اَور مقام پر زکات دینے والے مؤمن مسلمان کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ﴾[۳] "میری رحمت ہر چیز کا اِحاطہ کیے ہوئے ہے، تو عنقریب میں اپنی رحمت اُن کے لیے لکھ دوں گا، جو مجھ سے ڈرتے اور زکات دیتے

(۱) "سنن الترمذي" أبواب الجمعة، باب منه، ر: ٦١٦، صـ١٥٨.

(۲) پ۳، البقَرة: ۲۷۷.

(۳) پ۹، الأعراف: ١٥٦.

ہیں، اور وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں!"۔

حضراتِ گرامی! صدقہ وزکات دینے سے مال میں اضافہ وبرکت ہوتی ہے، بلکہ یہ کام مال کے ضائع ہونے اور نقصان سے حفاظت وامان کا ذریعہ بنتا ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ﴾(۱) "اللہ کی رضا چاہتے ہوئے جو تم خیرات دو، تو ایسے ہی لوگوں کے لیے دُگنا ہے"۔

میرے بھائیو! زکات ایک اہم دینی فریضہ ہونے کے ساتھ ساتھ، دینِ اسلام کے ماننے والوں کی اجتماعی مشکلات کے حل کے لیے، ایک بہترین ومؤثر کوشش بھی ہے، اور یہ پیاری کوشش محتاجوں کی مدد وتعاوُن کا ایک آسان طریقہ، اور اللہ جَلَّ جَلالُہٗ کی رضا کے حصول کا بہترین ذریعہ بھی ہے، ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ﴾(۲) "ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ خالص اللہ ہی پر عقیدہ رکھتے ہوئے، ایک طرف کے ہو کر، اللہ تعالی کی بندگی کریں، نماز قائم کریں اور زکات ادا کریں، اور یہ سیدھا دِین ہے"۔

ایک مقام پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكَاةَ، إِلّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ أَمْوَالِكُمْ»(۳) "اللہ تعالی نے زکات کو اس لیے فرض فرمایا، کہ وہ تمہارے باقی مال کو پاک کر دے"۔

(۱) پ۲۱، الرُّوم: ۳۹.

(۲) پ۳۰، البيّنة: ٥.

(۳) "سُنن أبي داود" كتابُ الزكاة، بابُ في حقوق المال، ر: ١٦٦٤، صـ٢٤٧.

ہمارے آقا و مولا ﷺ مزید فرماتے ہیں: «مَنْ أَدَّى زَكَاةَ مَالِهِ، فَقَدْ ذَهَبَ عَنْهُ شَرُّهُ»(۱) "جس نے اپنے مال کی زکات ادا کردی، اُس سے اُس مال کا شر دُور ہو جاتا ہے"۔

امّ المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدّیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، سرکارِ ابدِ قرار ﷺ نے ارشاد فرمایا: «حَصِّنُوا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكَاةِ! وَدَاوُوا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ!»(۲) "زکات ادا کرکے اپنے اَموال محفوظ کر لو! اور صدَقات دے کر اپنے بیماروں کا علاج کیا کرو!"۔ یعنی صدَقات وخیرات وزکات دینے سے مال میں کمی نہیں ہوتی، بلکہ اس کی حفاظت ہوتی ہے، نقصان سے بچ جاتا ہے، بلکہ اس میں مزید برکت واضافہ ہوتا ہے، اور مصیبت، بیماری، دُکھ، درد وتکلیف دُور ہوتے ہیں۔

زکات ادا نہ کرنے کا وَبال

حضراتِ محترم! جو لوگ اپنے مال کی زکات ادا نہیں کرتے، ایسوں سے متعلق اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۴ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾(۳) "وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں، اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ! جس دن وہ جہنم کی

(۱) "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد، ر: ۱۵۷۹، ۱/ ۴۳۱.

(۲) المرجع نفسه، ر: ۱۹۶۳، ۱/ ۵۳۲.

(۳) پ۱۰، التوبة: ۳۴، ۳۵.

آگ میں تپایا جائے گا، پھر اُس سے اُن کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں داغیں گے، (اور کہیں گے:) یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا، اب اس جمع کرنے کا مزا چکھو!"۔

عزیزانِ محترم! زکات ادا نہ کرنے والے کا مال، آخرت میں بھیانک سانپ کی شکل اختیار کر کے اُسے ڈستا رہے گا۔ حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَنْ آتَاهُ اللهُ مَالاً فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ، مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعاً أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا مَالُكَ! أَنَا كَنْزُكَ!» "جسے اللہ تعالی نے مال دیا اور اُس نے زکات ادا نہیں کی، اُس کا وہ مال قیامت کے دن گنجا سانپ بنا دیا جائے گا، جس کے سر پر دو کالے نشان ہوں گے، وہ سانپ اُس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا، پھر وہ اُس کے دونوں جبڑے پکڑ کر کہے گا: میں تیرا مال ہوں! میں تیرا خزانہ ہوں!"۔

اس کے بعد رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۸۰ تلاوت فرمائی: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾[1] "جو اُس چیز میں بخل کرتے ہیں، جو اللہ تعالی نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمائی، وہ ہرگز اُسے اپنے لیے اچھا نہ سمجھیں، بلکہ وہ اُن کے لیے بُرا ہے، عنقریب جس میں بخل کیا وہ بروزِ قیامت اُن کے گلے کا طوق ہوگا!"۔

عزیزانِ محترم! زکات کی ادائیگی نہ کرنا، دیگر خرابیوں کے ساتھ ساتھ، لوگوں کو بارش کی نعمت سے بھی محروم کرتا ہے۔ اس بارے میں اللہ کے حبیب جنابِ احمدِ مجتبیٰ

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، ر: ۱۴۰۳، صـ۲۲۶.

ﷺ نے فرمایا: «وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ، إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ»[۱] "جب لوگ زکات کی ادائیگی نہیں کرتے، تواللہ تعالی بارش روک لیتا ہے"۔

رفیقانِ گرامی قدر! جو لوگ اپنے مال کی زکات ادا نہیں کرتے، وہ خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، بروزِ قیامت اُن کو سخت نَدامت کا سامنا ہوگا، وہ لوگ عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔ حضرت سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، مصطفی کریم ﷺ نے فرمایا: «ما تلفَ مالٌ في برٍّ ولا بحرٍ، إلّا بحبسِ الزّكاةِ»[۲] "بحر وبَر میں جو بھی مال ہلاک وبرباد ہوتا ہے، وہ زکات نہ دینے کی وجہ سے ہوتا ہے"۔

زکات کی ادائیگی بھی جنّت میں جانے کا ذریعہ ہے

حضراتِ گرامی قدر! ایک شخص نے نبئ کریم ﷺ کی بارگاہِ بےکس پناہ میں حاضر ہوکر عرض کی: یارسولَ اللہ! مجھے ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنّت سے قریب، اور دوزخ سے دُور کردے! نبئ اکرم ﷺ نے فرمایا: «تَعبُدُ اللهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئاً، وَتُقِيْمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ ذَا رَحِمِكَ»[۳] "صرف اللہ تعالی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکات ادا کرو اور رشتہ داروں سے صِلہ رحمی کرو"۔ اس سے معلوم ہوا کہ زکات کی ادائیگی بھی جنّت میں جانے کا ذریعہ ہے، اور اس کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام لینا یا بالکل نہ دینا، عذابِ الٰہی کا سبب ہے!۔

---

(١) "سنن ابن ماجه" كتاب الفتن، باب العقوبات، ر: ٤٠١٩، صـ٦٨٢، ٦٨٣.

(٢) "مجمع الزوائد" كتاب الزكاة، باب فرض الزكاة، ر: ٤٣٣٥، ٣/ ١٥٠.

(٣) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، ر: ١٠٦، صـ٢٨.

زکات کا حقدار کون ہے؟

عزیزانِ محترم! زکات کے مَصارف کو واضح فرماتے ہوئے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾[۱] "زکات تو انہی لوگوں کے لیے ہے، جو (۱) محتاج (۲) اور بالکل نادار ہوں، (۳) اور وہ جو اُسے لوگوں سے وصول کر کے لائیں، (۴) اور وہ غیر مسلم جن کے دل اسلام کی طرف مائل ہوں، (۵) اور غلام آزاد کرانے میں، (٦) اور قرضداروں کو، (۷) اور اللہ کی راہ میں، (۸) اور مسافر کو۔ یہ وہ ہے جو اللہ تعالی نے مقرّر کیا ہے، اور اللہ علم وحکمت والا ہے!"۔

مفسّرینِ کِرام فرماتے ہیں کہ "نبئ کریم رؤف ورحیم ﷺ جب صدَقات تقسیم فرماتے، تو منافقین طرح طرح کے اعتراضات کرتے، اللہ تعالی نے صدَقات کے مستحقین کا ذکر فرما کر، معترضین کو ہمیشہ کے لیے خاموش فرما دیا، نیز ان مَصارف کو تفصیل سے بیان کر دینے میں ایک حکمت یہ بھی ہے، کہ شاید کسی وقت کوئی حاکم زکات کی آمدنی کو بے جا صرف کرنے لگے، نیز زکات چونکہ شریعتِ اسلامیہ کا ایک اہم ترین رُکن ہے، اس لیے بھی اس کو وضاحت سے بیان کرنا ضروری تھا"[۲]۔

زکات کے مَصارف

اب زکات کے مَصارف سات ۷ ہیں:

---

(۱) پ۱۰، التوبة: ٦۰.

(۲) "تفسیر ضیاء القرآن" ۲/۲۲۲۔

(۱) فقیر: وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو، مگر نہ اتنا کہ نصاب کو پہنچ جائے، یا نصاب کی قدر ہو تو اُس کی حاجتِ اصلیہ میں مستغرق (ڈوبا ہوا) ہو۔

(۲) مسکین: وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، یہاں تک کہ کھانے اور بدن چھپانے کے لیے اِس کا محتاج ہے، کہ لوگوں سے سوال کرے (مانگے)، اور اسے سوال حلال ہے۔

(۳) عاملِ زکات: یہ وہ ہے جسے بادشاہِ اسلام نے زکات اور عُشر وصول کرنے کے لیے مقرّر کیا، اسے کام کے لحاظ سے اتنا دیا جائے کہ اسے اور اس کے مددگاروں کو متوسط طور پر کافی ہو۔

(۴) رِقاب سے مراد مُکاتَب غلام (وہ جسے آقا و مالک نے لکھ دیا ہو، کہ اتنی رقم کی ادائیگی کے بعد تم آزاد ہو) کو دینا کہ اس مالِ زکات سے بدلِ کتابت ادا کرے، اور غلامی سے رہا ہو جائے۔

(۵) غارِم سے مُراد مقروض و مدیون ہے، یعنی جس پر اتنا قرض ہو کہ اُسے نکالنے کے بعد نصاب باقی نہ رہے، اگرچہ اس کا اَوروں پر باقی ہو، مگر لینے پر قادر نہ ہو۔

(۶) فی سبیل اللہ: یعنی راہِ خدا میں خرچ کرنا۔ اس کی چند صورتیں ہیں، مثلاً:

* کوئی شخص محتاج ہے کہ جہاد میں جانا چاہتا ہے، سواری اور زادِ راہ اُس کے پاس نہیں، تو اُسے مالِ زکات دے سکتے ہیں؛ کہ یہ راہِ خدا میں دینا ہے، اگرچہ وہ کمانے پر قادر ہو۔

* یا کوئی حج کو جانا چاہتا ہے، اور اُس کے پاس مال نہیں، اُس کو زکات دے سکتے ہیں، مگر خود اسے حج کے لیے مانگنا جائز نہیں۔

* یا طالبِ علم جو علمِ دین پڑھتا یا پڑھنا چاہتا ہے، اسے دے سکتے ہیں؛ کہ یہ بھی راہِ خدا میں دینا ہے، بلکہ طالبِ علم مانگ کر بھی مالِ زکات لے سکتا ہے، جبکہ اُس نے اپنے آپ کو اسی کام کے لیے فارغ کر رکھا ہو، اگرچہ کمانے پر قدرت رکھتا ہو۔

* اسی طرح ہر نیک کام میں زکات صَرف کرنا فی سبیل اللہ ہے، جبکہ بطور تملیک (یعنی مستحق کو مالک بنانا) ہو؛ کہ بغیر تملیک زکات ادا نہیں ہو سکتی۔

بہت سے لوگ مالِ زکات دینی مدارس میں دیتے ہیں، انہیں چاہیے کہ متوّلیٔ مدرسہ کو اطلاع کریں کہ یہ مالِ زکات ہے؛ تاکہ متوّلی اس مال کو جُدا رکھے، دیگر مال میں نہ ملائے، اور اس مال کو صرف غریب طلبہ پر صَرف کرے، کسی کام کی اُجرت میں نہ دے، ورنہ زکات ادا نہیں ہوگی۔

(۷) ابنِ سبیل، یعنی مسافر جس کے پاس مال نہ رہا، زکات لے سکتا ہے، اگرچہ اُس کے گھر مال موجود ہو، مگر اُسی قدر لے جس سے حاجت پوری ہو جائے، زیادہ کی اجازت نہیں[1]۔

چند مسائل واَحکامِ زکات

(۱) زکات دینے والے کو یہ بھی جائز ہے، کہ وہ ان تمام اَقسام کے لوگوں کو زکات دے جنہیں دینا رَوا ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ ان میں سے کسی ایک ہی قسم کے لوگوں کو دے۔

(۲) زکات انہی لوگوں کے ساتھ خاص کی گئی جن کا ابھی ذکر ہوا، لہٰذا ان کے علاوہ دیگر مَصارف میں زکات کا مال خرچ نہیں کیا جا سکتا، نہ کسی مسجد کی تعمیر میں، نہ

(۱) "بہارِ شریعت" مالِ زکات کن لوگوں پر صرف کیا جائے، حصّہ ۵، ۱/ ۹۲۳-۹۲۶، ملخصًا۔

مُردے کے کفن دفن میں، نہ اُس میّت کے قرض کی ادائیگی میں؛ کہ اب وہ اس مال کا مالک نہیں کیا جاسکتا، جبکہ زکات کی ادائیگی کے لیے مستحق کو مالک بنانا ضروری ہے[1]۔

(۳) زکات بنی ہاشم (حضرت سیّدنا علی وجعفر وعقیل اور حضرت سیّدنا عبّاس وحارث بن عبد المطلب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنہُم کی اولاد) اور غنی (مالدار) کو نہیں دی جائے گی، اور نہ ہی آدمی اپنی بیوی، اولاد اور ماں باپ کو زکات دے گا[2]۔

لہٰذا زکات کی فرضیت کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے، مذکورہ بالا مسائل پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ انتہائی سخت حاجت واجازتِ شرعیہ کے بغیر مالِ زکات کا حیلہ کرکے، کسی مسجد ومدرسہ کی تعمیر، یا اس کے متعلقین کی تنخواہوں، اور دیگر فلاحی، تنظیمی وذاتی کاموں میں صرف کرنا بالکل جائز نہیں؛ کہ اسلام کا عظیم فلاحی مقصد انہی مَصارف میں (جن کا بیان قرآن واحادیث اور اقوالِ فقہاء کے حوالے سے گزرا) خرچ کرکے، مُعاشرے سے غربت وافلاس کو ختم کرنا، یا کم از کم اس میں کمی لانے کی بھرپور کوشش کرنا ہے، اور یہ بات صرف شریعتِ مطہّرہ کے بیان کردہ، اصول وضوابط پر عمل ہی سے ممکن ہے۔ مزید معلومات اور پیش آمدہ مسائلِ زکات کے لیے، علمائے کرام سے رابطے میں رہنا، دین ودنیا کی عظیم بھلائی کا ذریعہ ہے۔

دعا

اے اللہ! ہم میں صاحبِ استطاعت مسلمانوں کو اپنے مال کی پوری پوری زکات ادا کرنے، اور دیگر تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی، بحسن وخوبی انجام دینے کی

(۱) ایضاً، ۱/ ۹۲۷، ملخصاً۔

(۲) ایضاً، ۱/ ۹۳۱، ملخصاً۔

توفیق عطا فرما، بخل وکنجوسی سے محفوظ فرما، خوشی سے غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں ملک وقوم کی خدمت اور اس کی حفاظت کی سعادت نصیب فرما، باہمی اتحاد واتفاق اور محبت واُلفت کو اَور زیادہ فرما، ہمیں اَحکامِ شریعت پر صحیح طور پر عمل کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین !۔

مزدوروں کا عالمی دن

(جمعۃ المبارک ۷ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ - ۱/۵/ ۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُر نور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

بہترین کمائی آدمی کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے

عزیزانِ محترم! خالقِ کائنات جل جلالہ کا کروڑہا کروڑ احسان، کہ اُس نے دنیا میں لوگوں کو بسایا، آسمان کو ان پر چھت بنایا، زمین کو بطور بچھونا کیا، لوگوں کے رہنے سہنے، کھانے پینے کا انتظام فرمایا، دن ورات پیدا فرمائے، رات کو اپنے بندوں کے آرام کا باعث، اور دن کو ذریعۂ روزگار بنایا؛ تاکہ بندہ فضلِ الٰہی کی تلاش، اپنے اور اپنے اہل وعِیال کی ضروریات کی تکمیل کے لیے کوشش ومحنت، کھیتی باڑی، تجارت، ملازمت اور دیگر حلال ذرائع سے رزق حاصل کرکے بآسانی گزر بسر کرسکے، اور اسے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ پڑے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ﴾[1] "وہی اللہ ہے جس نے

(۱) پ۲۹، الملك: ۱۵.

تمہارے لیے زمین تابع کردی، تو اس کے بنائے ہوئے راستوں میں چلو، اور اس کے دیے ہوئے رِزق میں سے کھاؤ، اور اُسی کی طرف تمہیں اُٹھنا ہے"۔

محترم بھائیو! قرآن وحدیث میں رزقِ حلال کمانے، کھانے اور اس کے لیے کوشش کرنے کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے، حضرت سیّدہ عائشہ صدّیقہ طیبّہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے، سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ، مِنْ كَسْبِهِ»[1] "سب سے پاکیزہ کمائی وہ ہے، جسے آدمی اپنی محنت سے کماکر کھائے"۔

وقتِ مقرّر پر اُجرت کی ادائیگی

میرے عزیز دوستو! مزدوری کرنا، اور مزدور کی مقرّرہ اُجرت و حقوق کو وقت پر ادا کر دینا بھی انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی سنّت ہے، حضرت سیّدنا موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے حضرت سیّدنا شعیب عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی بکریاں چَرائیں، حضرت سیّدنا شعیب عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے ان کی قوّت، طاقت اور شرافت دیکھ کر ان سے اپنی ایک بیٹی کا نکاح کر دیا، اور فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے پاس کچھ عرصہ کام کریں، اس واقعہ کو اللہ تعالی نے اس طرح بیان فرمایا: ﴿قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ﴾[2] "(حضرت شعیب عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) نے کہا، کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح آپ سے کر دُوں، اس شرط پر کہ آپ آٹھ ۸ برس میری ملازمت کریں، پھر اگر پورے دس برس کرلیں تو یہ آپ کی طرف سے اضافہ ہو گا"۔

---

(١) "سنن النَّسائي" كتاب البيوع، ر: ٤٤٥٦، الجزء ٧، صـ٢٥٥.

(٢) پ٢٠، القصص: ٢٧.

مزدور کے حقوق کی ادائیگی

محترم بھائیو! مزدور کے حقوق کی ادائیگی میں سستی اور تاخیر کرنا، چاہے وہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، ناجائز وگناہ ہے، بلکہ اس کی حق تلفی ہے، اور جس کا حق مارا ہوگا بروزِ قیامت وہ بارگاہِ الٰہی میں اپنے حق کا دعویٰ کرے گا، مزدور کا حق پورا اور وقت پر دینے کے بارے میں مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے فرامین ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں، حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، تاجدارِ ختمِ نبوّت ﷺ نے ارشاد فرمایا: «قَالَ اللهُ تَعَالَى: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: (١) رَجُلٌ أَعْطٰى[1] بِيْ ثُمَّ غَدَرَ، (٢) وَرَجُلٌ بَاعَ حُرّاً فَأَكَلَ ثَمَنَه، (٣) وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيْراً فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَه»[2] "اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن میں تین ۳قسم کے لوگوں کا مخالف ہوں گا: (۱) ایک وہ جس نے میرے نام پر عہد کیا پھر اسے توڑ دیا، (۲) دوسرا وہ جس نے کسی آزاد کو غلام بنا کر بیچا اور اس کی قیمت کھائی، (۳) اور تیسرا وہ جس نے کسی کو اپنے ہاں مزدوری پر رکھا، اس سے پورا کام لیا، اور مزدوری نہیں دی"۔

لہٰذا ہر وہ شخص جس کے ہاں لوگ اُجرت اور تنخواہ پر کام کرتے ہیں، اسے چاہیے کہ ان کے حقوق کا خاص خیال رکھے؛ تاکہ روزِ قیامت کی نَدامت وپشیمانی سے محفوظ رہے۔ کام کی اُجرت پوری پوری ادا کرے، مقرّر وقت سے زیادہ کام لینے پر اس

---

(١) بحذف المفعول، أي: أعطى يمينه بي، أي: عاهَد عهداً وحلفَ عليه ثمّ نقضه ("فيض القدير" حرف القاف، تحت ر: ٦٠١٣، ٤/ ٤٧١).

(٢) "صحيح البخاري" باب إثم من منع أجر الأجير، ر: ٢٢٧٠، صـ٣٦١.

زائد وقت کی بھی اُجرت دینا لازم ہے، کام کرنے والے کی اُجرت کا کچھ فیصد اپنے قبضے میں رکھنا یا دَبا لینا، یا جان بوجھ کر ادائیگی میں ٹال مٹول یا تاخیر سے کام لینا، سراسر ظلم، گناہ اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے، حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے، اللہ کے حبیب صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَه، قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُه»[1] "مزدور کی اُجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دیا کرو"۔ مقصد یہ ہے کہ جب کام کرنے والے نے اپنا کام پورا کر لیا ہے، تو اَب اس کی تنخواہ واُجرت وغیرہ بھی اسے وقتِ مقرّر پر ضرور دے دی جائے۔

اسی طرح ملازم اور مزدور پر بھی لازم ہے، کہ جس کے ہاں کام کر رہا ہے، اس سے وفاداری کا ثبوت دے، کام میں کمی، کوتاہی اور غفلت نہ برتے، جو اوقات کار مقرّر ہیں انہیں ہر حال میں پورا کرے، الغرض کام کرنے والا اور کام لینے والا، ہر ایک اپنا اپنا فرض پورا کرے۔

ملازمین پر ظلم وزیادتی سے بچو

عزیزانِ مَن! دنیوی لالچ وحرص میں اندھا ہو کر، ملازمین کو کم تنخواہیں دینا، ڈانٹ ڈپَٹ اور بے جا سختی، شک وشُبہ، تنقید دَر تنقید، حقوق میں کوتاہی کرنے کے ساتھ ساتھ مزدور وملازم کی طاقت سے زیادہ کام لینا بھی ظلم ہے، جس سے بچنا ہر ایک پر لازم ہے، حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، رَحمتِ عالَمیان صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فرمانِ عالی شان ہے: «... وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيقُ»[2] "ملازِم

---

(١) "سنن ابن ماجه" باب أجر الأجراء، ر: ٢٤٤٣، صـ٤١٢.

(٢) "صحيح مسلم" كتاب الأيمان، ر: ٤٣١٦، صـ٧٣٢.

کوایسے کام پر مجبور نہ کیا جائے، جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا"۔ لہٰذا جس کی جتنی طاقت ہواُس سے اُتنا ہی کام لینا چاہیے۔

کسی سے کام پورا لے کر مُعاوَضہ کم دینا، یا کام کروانے کے بعد کم اُجرت یا ریٹ بتانا، دھوکا ہے ناجائز ہے، حضرت سیّدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: «أَنَّ رَسُولَ الله ﷺ نَهىٰ عَنِ اسْتِئْجَارِ الْأَجِيْرِ حَتَّى يُبَيَّنَ لَه أَجْرُه»[1] "رسول اللہ ﷺ نے مزدور سے ایسا اِجارہ کرنے سے منع فرمایا ہے، جس کی اُجرت واضح نہ کی گئی ہو"۔

اپنے ماتحتوں کا ہر طرح سے خیال رکھو

عزیز دوستو! مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے اپنے ماتحتوں کا ہر طرح سے خیال رکھنے کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: «يَا أَبَا ذَرٍّ! ...مَنْ كَانَ أَخُوْهُ تَحْتَ يَدِه فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِيْنُوْهُمْ»[2] "اے ابوذر! جس کے ماتحت اس کا کوئی مسلمان بھائی کام کرتا ہو، اسے چاہیے کہ جو خود کھائے ویسا اسے بھی کھلائے، جیسا خود پہنے ویسا اسے بھی پہنائے، ان سے ایسا کام نہ لو جواُن کی طاقت سے زیادہ ہو، اور اگر ایسا کوئی کام ان کے ذمہ لگاؤ، تو خود بھی ان کی مدد کیا کرو"۔

(١) "مسند الإمام أحمد" مسند أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، ر: ١١٥٦٥، ٤/ ١١٩.

(٢) "صحيح البخاري" باب المعاصي من أمر الجاهلية، ر: ٢٢، صـ٨.

اسلام میں ملازم وملازَمت کا مفہوم

حضراتِ محترم! دینِ اسلام نے رزقِ حلال کمانے، کھانے کے لیے کوشش اور محنت کرنے پر زور دیا ہے، ایسے شخص کو اللہ تعالی اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے، اور وہ اللہ تعالی کی راہ میں شمار کیا جاتا ہے، حضرتِ سیّدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، ایک شخص بڑی پُھرتی اور تیزی سے سرورِ کونین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے اُسے دیکھا تو انہیں تعجب ہوا، عرض کی: یارسولَ اللہ! اگر یہ اَیسی ہمت اور تیزی اللہ کی راہ میں دکھاتا تو کیا ہی اچھا ہوتا! حضورِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنْ كَانَ خَرَجَ يَسْعىٰ عَلىٰ وَلَدِهِ صِغَاراً فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ الله، وَإِنْ خَرَجَ يَسْعىٰ عَلَى أَبَوَيْنِ شَيْخَيْنِ كَبِيرَيْنِ فَهُوَ فِيْ سَبِيلِ الله، وَإِنْ كَانَ يَسْعىَ عَلىٰ نَفْسِهِ يُعِفُّهَا فَهُوَ فِيْ سَبِيلِ الله، وَإِنْ كَانَ خَرَجَ رِيَاءً وَمُفَاخَرَةً فَهُوَ فِيْ سَبِيلِ الشَّيْطَانِ»[1].

"اگر وہ اپنے چھوٹے بچوں کے لیے روزی کمانے کی خاطر نکلا ہے تو اللہ کی راہ میں ہے، اگر اپنے بوڑھے والدَین کے لیے کمانے کو نکلا ہے تب بھی اللہ کی راہ میں ہے، اگر یہ کوشش اس لیے ہے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے تب بھی اللہ کی راہ میں ہے، اور اگر رِیاکاری اور دوسروں پر فخر کے لیے کمانے نکلا ہے تو شیطان کے راستے پر ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ ملازَمت، مزدوری، رزقِ حلال اور جائز کام کاج کے لیے کوشش اور بھاگ دَوڑ کرنا، ضروری اور اعلیٰ وعظیم نیکی اور اَجر وثواب کا کام ہے۔

(۱) "المعجم الكبير" كعب بن عجرة الأنصاري، باب، ۱۹/ ۱۲۹.

حضرت سیّدنا داود علیہ السلام کا پیشہ

حضرت سیّدنا داود علیہ السلام لوہار کا کام کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ کرم فرمایا کہ لوہا آپ کے ہاتھوں میں آکر موم یا گوندھے ہوئے آٹے کی مانند نرم ہو جایا کرتا، آپ لوہے سے جو چاہتے بغیر گرم کیے اور بغیر کاٹے پیٹے بنا لیا کرتے، یہ اس لیے ہوا کہ ایک فرشتے نے آپ علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ بہت ہی اچھے ہیں، کاش آپ بیت المال سے اپنی روزی نہ لیتے! اس پر آپ نے دعا کی: اے اللہ! مجھے روزی کا سامان غیب سے عطا فرما؛ تاکہ میں بیت المال سے کچھ نہ لیا کروں، تب آپ علیہ السلام کو یہ معجزہ ملا کہ لوہا آپ کے لیے نرم کر دیا گیا، لوہے سے آپ جنگ میں پہننے کا لباس "زِرہ" بنا کر فروخت کرتے، اور اس طرح اپنی گزر بسر کیا کرتے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر استاد کے محض اپنے کرم سے زِرہیں بنانا سکھائیں، ارشاد فرمایا: ﴿وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ۝۱۰ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ﴾[1] "ہم نے ان کے لیے لوہا نرم کر دیا؛ کہ اس سے وسیع زِرہیں بنائیں، اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھیں"۔

دعا

اے اللہ! ہمیں مزدوروں کے حقوق ادا کرنے کی سعادت نصیب فرما، اور دیگر تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی بحسن وخوبی انجام دینے کی بھی توفیق عطا فرما، بخل وکنجوسی سے محفوظ فرما، خوشی سے غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں ملک وقوم کی خدمت اور اس کی حفاظت کی سعادت نصیب فرما، باہمی اتحاد واتفاق اور محبت واُلفت کو اَور زیادہ فرما، ہمیں اَحکامِ شریعت پر صحیح طور پر عمل کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

---

(۱) پ: ۲۲، سبأ: ۱۰، ۱۱.

برکاتِ اعتکاف

(جمعۃ المبارک ۱۴رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ - ۸/۵/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُر نور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبِهِ أجمعين.

اعتکاف کی تاریخ

حضراتِ گرامی قدر! اعتکاف ایک ایسی عبادت ہے جو سابقہ اُمتوں کے ہاں بھی پائی جاتی تھی، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآىٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾[1] "ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم واسماعیل کو کہ طواف والوں، اور اعتکاف والوں، اور رکوع وسجود والوں کے لیے میرا گھر خوب ستھرا کرو!"۔

اعتکاف کا معنی ومفہوم

عزیزانِ محترم! یوں تو رمضان المبارک کا پورا مہینہ ہی رَحمتیں برکتیں سمیٹنے کا مہینہ ہے، مگر اس کے آخری دس۱۰ دن پہلے بیس۲۰ دنوں سے زیادہ اہمیت اور انفرادی شان رکھتے ہیں، ان میں شبِ قدر کو پانے کے لیے اہلِ ایمان اعتکاف بھی

(۱) پ۱، البقرة: ۱۲۵.

کرتے ہیں۔ اِعتکاف کے لُغوی معنی ہیں دَھرنا دینا، مطلب یہ کہ معتکِف اللہ تعالی کی بارگاہ میں، عبادت پر کمربستہ ہوکر مسجد میں بیٹھ جاتا ہے، ڈیرے ڈال دیتا ہے، اس کی یہی آرزُو ہوتی ہے کہ کسی طرح پروَردگارِعالَم عَزَّوَجَلَّ مجھ سے راضِی ہوجائے۔

رمضان المبارک کی بیس۲۰ تاریخ کا سورج ڈوبتے ہی اِعتکاف کا وقت شروع ہوجاتا ہے، دنیا کے سارے کاروبار چھوڑ کر رمضان شریف کے آخری دنوں میں اللہ تعالی کے قُرب واطاعت کی غرض سے، مَرد حضرات کی مسجد اور خواتین کی اپنے گھروں میں گوشہ نشینی کا نام اِعتکاف ہے۔ اِعتکاف کی تعریف بیان کرتے ہوئے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ "مسجد میں اللہ تعالی کی رضا کے لیے ٹھہرنا اِعتکاف ہے، اور اس کے لیے مسلمان کا عاقل اور جَنابت وحیض ونَفاس سے پاک ہونا شرط ہے، بُلوغت شرط نہیں، بلکہ وہ نابالغ جو نماز ومسجد کے آداب کی سُوجھ بُوجھ رکھتا ہو، اگر بہ نیّتِ اِعتکاف مسجد میں ٹھہرے، تواُس کا یہ اِعتکاف بھی صحیح ہے۔

علمائے کرام اعتکاف کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ "اِعتکاف کی تین ۳قسمیں ہیں: (۱) واجب، (۲) سنتِ مؤکَّدہ (۳) اور مستحب۔ اگر کسی نے اِعتکاف کی نذر ومنت مانی تو اُس پر اِعتکاف واجب ہے۔ رمضان المبارک میں آخری عشرہ کا اِعتکاف سنّتِ مؤکَّدہ علی الکفایہ ہے۔ واجب اور سنّتِ مؤکَّدہ کے علاوہ جو اِعتکاف ہو مستحَب ہے"[1]۔

رمَضان المبارک کے آخری عشرہ کا اِعتکاف

برادرانِ اسلام! ہم اَہلِ ایمان پر خالقِ کائنات جَلَّ جَلالُہ کا اِنعام، اِکرام اور کرم بالائے کرم ہے، کہ وہ ذاتِ اقدس عَزَّوَجَلَّ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں ہمیں

(۱) "ردّ المحتار" کتابُ الصَّوم، بابُ الاعتکاف، ٦/ ٤١٢.

خوب نیکیوں اور بھلائیوں کا موقع فراہم کرتا ہے، کہ اس عشرے میں مسلمان طلبِ ثواب، شبِ قدر کی تلاش اور اس کے حصول کے لیے اعتکاف کرتے ہیں۔ مصطفی جانِ رحمت ﷺ بھی ہر سال اعتکاف کیا کرتے، حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے: «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ، حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللهُ ﷻ، ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُه مِنْ بَعْدِه»[1] "حضور نبئ کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرمایا کرتے، یہاں تک کہ اللہ عزّوجلّ سے جا ملے، پھر آپ کے بعد آپ کی اَزواجِ مطہّرات اعتکاف کرتی رہیں"۔

اِعتکاف کی فضلیت

رفیقانِ ملّتِ اسلامیہ! رحمتِ کونین ﷺ خود اِعتکاف کرنے کے ساتھ ساتھ، دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے، کہ جو اَہلِ ایمان رمضان کریم کے آخری عشرہ کا اِعتکاف کرتے ہیں، انہیں دو ۲ حج اور دو ۲ عُمروں کا ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا: «مَنِ اعْتَكَفَ عَشْراً فِيْ رَمَضَانَ، كَانَ كَحَجَّتَيْنِ وَعُمْرَتَيْنِ»[2] "جس نے رمضان میں دس ۱۰ دن اِعتکاف کیا، وہ اَیسا ہے جیسے اس نے دو ۲ حج اور دو ۲ عُمرے کیے"۔

اعتکاف کا فائدہ

میرے بھائیو! جو شخص اِعتکاف کرے وہ گناہوں سے محفوظ رہتا ہے، اور اُسے کثیر نیکیاں عطا کی جاتی ہیں۔ حضرت سیّدنا ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے:

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب الاعتكاف، ر: ٢٧٨٤، صـ٤٨٣.

(٢) "شُعب الإيمان" بابُ في الاعتكاف، ر: ٣٩٦٦، ٣/ ١٤٤٥.

«هُوَ يَعْكِفُ الذُّنُوبَ، وَيُجْرٰى لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا»[(۱)] "معتکف گناہوں سے باز رہتا ہے، اور تمام تر نیک کام انجام دینے والے کی طرح، اُسے نیکیاں عطا کی جاتی ہیں"۔

اِعتکاف کے چند مسائل واَحکام

جانِ برادر! اِعتکاف کا سارا وقت رَحمتیں برکتیں سمیٹنے، نیکیوں، بھلائیوں، تلاوتِ قرآن، فرائض ونوافل، صدَقات وخیرات، تراویح، تہجد اور دیگر اَعمالِ صالحہ کی کثرت کا عشرہ ہے۔ شبِ قدر پانے کے لیے اس عشرے میں اِعتکاف کیا جاتا ہے، لہٰذا اس کے مسائل واَحکام سیکھنا بھی معتکِف حضرات پر لازم ہیں۔ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ﴾[(۲)] "جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو، تو عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ"۔ صدر الاَفاضل علّامہ نعیم الدین مرادآبادی رحمہ اللہ تعالی علیہ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "اس میں بیان ہے کہ اعتکاف میں عورتوں سے قربت اور بوس وکنار حرام ہے، اور مَردوں کے اعتکاف کے لیے مسجد ضروری ہے"[(۳)]۔

حضراتِ محترم! اُمّ المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدّیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا روایت فرماتی ہیں: «السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ أَنْ لَا يَعُودَ مَرِيضاً، وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً، وَلَا يَمَسَّ امْرَأَةً وَلَا يُبَاشِرَهَا، وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ إِلَّا لِمَا لَابُدَّ مِنْهُ، ولا اعتكافَ إلّا بِصَوْمٍ»[(٤)] "معتکف کے لیے صحیح طریقہ یہ ہے، کہ وہ نہ

---

(۱) "سُنن ابن ماجه" كتابُ الصِّيام، ر: ۱۷۸۱، صـ۲۹۷.
(۲) پ۲، البقَرة: ۱۸۷.
(۳) "تفسیر خزائن العرفان" پ۲، البقرۃ، زیرِ آیت: ۱۸۷، صـ۶۲ ملتقطاً۔
(٤) "سنن أبي داود" باب المعتكف يعود المريض، ر: ۲٤۷۳، صـ۳٥۸.

کسی مریض کی عِیادت کو جائے، نہ کسی جنازے میں شرکت کرے، نہ کسی عورت کو چُھوئے، نہ اُس کے ساتھ مِلاپ کرے، نہ ہی ناگُزیر ضروریات کے سوا کسی کے لیے باہَر نکلے، اور بغیر روزہ کے اعتکاف درست نہیں"۔

اعتکاف کی فضلیت بیان کرتے ہوئے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ "اِعتکاف کے لیے سب سے افضل مقام مسجدِ حرام ہے، پھر مسجدِ نبوی، پھر مسجدِ اقصیٰ یعنی بیت المقدس، پھر اس جگہ جہاں بڑی جماعت ہوتی ہو۔ عَورت کا مسجد میں اِعتکاف مکروہ ہے، بلکہ وہ گھر میں ہی ایک جگہ مقرّر کر کے وہاں اِعتکاف کرے"[۱]۔

"بالغ ہونا اعتکاف کے لیے شرط نہیں، بلکہ ایسا نابالغ جو تمیز اور اچھے برے کا شُعور رکھتا ہے، اگر اعتکاف کی نیّت سے مسجد میں ٹھہرے، تو اس کا اعتکاف صحیح ہے"[۲]۔

اعتکاف کا وقت بیان کرتے ہوئے، صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا، کہ جو اِعتکاف کرنا چاہتا ہو، وہ "بیسویں ۲۰ روزہ کو سورج غروب ہونے سے پہلے، بہ نیّتِ اِعتکاف مسجد میں حاضر ہو، اور تیس ۳۰ کے غروب، یا انتیس ۲۹ کو عید کا چاند ہونے کے بعد وہاں سے باہر آئے۔ اگر بیس ۲۰ تاریخ کو بعد نمازِ مغرب اِعتکاف کی نیّت کی، تو یہ اِعتکافِ سنّتِ مؤکّدہ ادا نہ ہوگا۔ رمَضان کا اِعتکاف سنّتِ کفایہ ہے، کہ اگر سب ترک کریں تو سب سے مطالبہ ہوگا، اور پورے شہر میں کسی ایک نے کر لیا تو سب بریُ الذِمّہ ہو گئے"[۳]۔

---

(۱) "الفتاوى الهنديّة" كتابُ الصَّوم، البابُ السابع في الاعتكاف، ١/ ٢١١.

(۲) "ردّ المحتار" كتابُ الصَّوم، بابُ الاعتكاف، ٦/ ٤٠٩.

(۳) "بہارِ شریعت" اِعتکاف کا بیان، حصّہ پنجم ۵، ۱/۱۰۲۱۔

"سنّتِ اعتکاف یعنی رمضان شریف کے آخری دس۱۰ دنوں میں جو اعتکاف کیا جاتا ہے، اُس میں روزہ شرط ہے، لہٰذا اگر کسی مریض یا مسافر نے اعتکاف تو کیا مگر روزہ نہ رکھا، توسنّت ادا نہ ہوئی بلکہ نفلی اعتکاف ہوا"(۱)۔

بلاعذر معتکِف کو مسجد سے باہر جانا ٹھیک نہیں، اس طرح اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، علّامہ حصکفی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ "اِعتکافِ واجب میں معتکِف کو مسجد سے بلاعُذر نکلنا حرام ہے، اگر نکلا تو اُس کا اِعتکاف ٹوٹ جائے گا، اگرچہ بھول کر نکلا ہو۔ یونہی اِعتکافِ سنّت بھی بلاعُذر مسجد سے باہر نکلنے پر ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح عَورت بھی اِعتکافِ واجب و مسنون میں بلاعُذر نہیں نکل سکتی"(۲)۔

اگر کسی عذر کے سبب باہر جانا ہو، تو اس میں بھی احتیاط ضروری ہے، علمائے کرام فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی قضائے حاجت کے لیے باہر گیا تھا، اور کسی نے اسے باہر روک لیا، تو اِعتکاف ٹوٹ گیا"(۳)۔

علّامہ شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے لکھا کہ "معتکِف مسجد ہی میں کھائے، پیے اور سوئے، ان اُمور کے لیے مسجد سے باہر گیا تو اِعتکاف ٹوٹ جائے گا"(۴)۔ علماء فرماتے ہیں کہ "معتکِف نے دن میں بھول کر کھالیا، تو اعتکاف فاسد نہ ہوا، گالی گلوچ یا جھگڑنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، مگر بے نور و بے برکت ہو جاتا ہے"(۵)۔

---

(۱) "ردّ المحتار" كتابُ الصَّوم، بابُ الاعتكاف، ٦/ ٤١٥.
(۲) المرجع نفسه، ٦/ ٤١٢.
(۳) "الفتاوى الهندية" كتابُ الصَّوم، البابُ السابع في الاعتكاف، ١/ ٢١٢.
(٤) "ردّ المحتار" كتابُ الصَّوم، بابُ الاعتكاف، ٦/ ٤٣٥.
(٥) "الفتاوى الهندية" كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ١/ ٢١٣.

معتکِف کو مسجد سے نکلنے کے دو ۲ عذر ہیں، جن سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا:

ایک: حاجتِ طبعی جو مسجد میں پوری نہ ہو سکے، جیسے پاخانہ، پیشاب، استنجاء، وضو اور غسل کی ضرورت ہو تو غسل۔ اگر مسجد میں وضو وغسل کے لیے جگہ بنی ہو یا حوض ہو، تو باہر جانے کی اب اجازت نہیں۔ **دوسرا:** حاجتِ شرعی، مثلاً نمازِ جمعہ کے لیے جانا (جبکہ اس مسجد میں جہاں اعتکاف کیا، جمعہ نہ ہوتا ہو)، یا اذان کہنے کے لیے (خارجِ مسجد) جانا، جبکہ (وہاں) جانے کے لیے باہر ہی سے راستہ ہو، اور اگر اس کا راستہ اندر سے ہو، تو غیرِ مؤذِّن بھی جا سکتا ہے، مؤذِّن کی تخصیص نہیں[1]۔

"بُری بات زبان سے نہ نکالنا واجب ہے، اور جس بات میں نہ ثواب ہو نہ گناہ، یعنی مُباح (جائز) بات بھی معتکِف کو مکروہ ہے سوائے ضرورت کے، اور بے ضرورت مسجد میں مُباح کلام، نیکیوں کو ایسے کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔ معتکِف قرآنِ مجید کی تلاوت، حدیث شریف کی قراءَت، اور درود شریف کی کثرت، علمِ دِین کا درس وتدریس، نبئ رحمت ﷺ ودیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سیر واذکار، اور اولیاء وصالحین کی حکایات اور اُمورِ دین کی کتابت (تصنیف وتالیف) کرے"[2]۔

لہذا جو بھی اعتکاف کرے اسے اعتکاف کے مسائل پہلے ہی سیکھ لینا لازم ہیں؛ تاکہ اس کا اعتکاف شریعتِ مطہّرہ کے مطابق ہو۔

---

(۱) "ردّ المحتار" كتابُ الصَّوم، بابُ الاعتكاف، ٦/ ٤٢٣-٤٢٧، مُلّخصاً.

(۲) "الدرّ المختار" كتابُ الصَّوم، بابُ الاعتكاف، ٦/ ٤٣٩، ٤٤٠.

دعا

اے اللہ ! اعتکاف کا ارادہ رکھنے والوں کو، اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق مرحمت فرما، انہیں اس کی برکتوں سے مالا مال فرما، انہیں اور ہم سب کو مساجد کا خوب ادب واحترام کرنے کی سعادت نصیب فرما، اور دیگر تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی بحسن وخوبی انجام دینے کی بھی توفیق عطافرما، آمین یا ربّ العالمین !۔

خلیفۂ چہارُم امیر المؤمنین سیّدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

(جمعۃ المبارک ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ - ۱۵/۵/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبِهِ أجمعين.

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا نامِ نامی اسمِ گرامی

عزیز دوستو! امیر المؤمنین حضرت سیّدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی والدہ فاطمہ بنت اَسد نے، اپنے والد کے نام پر آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا نام "حَیدر" رکھا، چنانچہ حضرت سیّدنا علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنے ایک رجز میں خود فرماتے ہیں: «أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَهْ»[(۱)] "میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا"۔ آپ کے والد ابوطالب نے آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا نام "علی" رکھا۔

آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے فضائل مناقب میں صحیح روایات، دیگر صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم کے فضائل سے تعداد میں زیادہ ہیں؛ کیونکہ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے زمانۂ اقدس میں جب خوارج (خارجی گمراہ فرقہ) نے آپ کے خلاف بکواسات کیں، تب اہلِ سنّت وجماعت نے

(۱) "صحيح مسلم" باب غزوة ذي قرد وغيرها، ر: ٤٦٧٨، صـ٨١٠.

آپ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے فضائل میں احادیث نبویّہ بڑی تحقیق کے ساتھ جمع کر لیں[۱]۔

بچوں میں سب سے پہلے مشرّف باسلام ہونے والے

عزیز دوستو! بچوں میں سب سے پہلے مشرّف باسلام ہونے والے حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں۔ حضرت سیّدنا زَید بن اَرقم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فرماتے ہیں: «أَوَّلُ مَنْ أَسْلَمَ عَلِيٌّ»[۲] "سب سے پہلے حضرت علی ایمان لائے"۔

آپ اہلِ بیتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم میں سے ہیں

جانِ برادر! حضرت سیّدنا علی شیرِ خدا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کو اہلِ بیتِ نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم میں سے ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ حضرت سیّدہ صفیہ بنت شَیبہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا سے روایت ہے، حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا فرماتی ہیں، کہ حضور نبیٔ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک صبح اس حال میں اپنے کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لائے، کہ مصطفیٰ جانِ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی، جس پر سیاہ اُون سے کجاووں کے نقش بنے ہوئے تھے، حضرت سیّدنا حسن بن علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا آئے، تو نبیٔ رحمت صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں اُس چادر میں لے لیا، پھر حضرت سیّدنا حسین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ آئے اور اُسی چادر میں داخل ہو گئے، پھر سیّدہ فاطمہ زَہراء رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا تشریف لائیں، تو رحمتِ عالمیان صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں بھی چادر میں لے لیا، پھر حضرت سیّدنا علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم- تشریف لائے، تو سرکارِ دو عالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں بھی اسی چادر میں داخل کر کے، یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی: ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ

---

(١) "المرقاة" باب مناقب علي بن أبي طالب رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، ١٠/ ٤٥٣، ملتقطاً.
(٢) "سنن الترمذي" أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ، ر: ٣٧٣٥، صـ٨٤٩.

﴿وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾[۱] "اے نبی کے گھر والو! اللہ تعالی تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرمادے، اور تمہیں پاک کرکے خُوب ستھرا کردے!"۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ حضرت سیِّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان پاک ہستیوں میں سے ہیں، جنہیں اللہ تعالی نے اہلِ بیت کے نام سے خطاب فرمایا۔

حضرت سیّدنا عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، کہ جب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی: ﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾[۲] "اے حبیب! فرمادیجیے کہ میں اس (تبلیغِ رسالت اور ارشاد وہدایت) پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، صرف اپنی قرابت کے ساتھ محبت کا سوال کرتا ہوں"۔ تب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کی قرابت والے کون ہیں؟ جن کی محبت ہم پر واجب کی گئی ہے؟ مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ وَابْنَاهُمَا»[۳] "حضرت علی، فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے (حسن وحسین)"۔

مؤمن ومنافق کی پہچان

میرے محترم بھائیو! حضرت سیّدنا مولا علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم- کے فضائل بے شمار ہیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت مؤمن کی پہچان، اور آپ سے بُغض وعداوَت نِفاق کی علامت ہے۔ حضرت سیّدنا زِر بن حُبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا (اور اس سے اناج

---

(۱) "صحیح مسلم" باب فضائل أهل بيت النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ر: ٦٢٦١، صـ١٠٦٧.

(۲) پ٢٥، الشُورى: ٢٣.

(۳) "المعجم الكبير" بقية أخبار الحسن بن علي رضي الله تعالى عنهما، ر: ٢٦٤١، ٣/ ٤٧.

اور نباتات اُگائے!) اور جس نے ہر جاندار کو پیدا کیا! حضور نبیٔ امّی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا مجھ سے عہد ہے: «أَنْ لَا يُحِبَّنِي إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضَنِي إِلَّا مُنَافِقٌ»[1] "کہ مجھ (علی) سے صرف ایمان والا ہی محبت کرے گا، اور مُنافق ہی مجھ سے عداوت دشمنی رکھے گا!"۔

مقامِ سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ

حضرت سیّدنا حُبشی بن جُنادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «عَلِيٌّ مِنِّي وَأَنَا مِنْ عَلِيٍّ، وَلَا يُؤَدِّي عَنِّي إِلَّا أَنَا أَوْ عَلِيٌّ»[2] "علی میرا ہے اور میں علی کا ہوں، اور سوائے میرے یا پھر علی کے میری طرف سے کوئی کسی قسم کی (صلح کرنے، یا کوئی پیغام پہنچانے، یا کسی معاہدہ کے خاتمہ کا اعلان) نہیں کرے گا!"۔

حضرت سیّدنا ابو رافع رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہ غزوۂ اُحُد میں جب کفّار نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو گھیر لیا، تو اُن میں سے بعض لوگ جھنڈے لیے ہوئے تھے، حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے جھنڈے والوں کو قتل کر دیا، اس پر حضرت سیّدنا جبریلِ امین علیہ السلام نے حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے عرض کی، کہ آج تو علی رضی اللہ تعالی عنہ نے حق ادا کر دیا! مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّهُ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ» "علی میرا ہے اور میں علی کا ہوں!" تب حضرت سیّدنا جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ میں آپ دونوں کا ہوں[3]۔

مخلوق میں سے پسندیدہ ترین شخص

حضرت سیّدنا انَس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں، کہ تاجدارِ رسالت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی بارگاہِ بےکس پناہ میں کھانے کے لیے، پرندے کا گوشت پیش کیا گیا، اُس وقت

---

(١) "صحيح مسلم" كتابُ الإيمان، ر: ٢٤٠، صـ٥٠.
(٢) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، ر: ٣٧١٩، صـ٨٤٦.
(٣) "المرقاة" كتاب المناقب والفضائل، تحت ر: ٦٠٩٠، ١٠/ ٤٦٣.

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس طرح دعا کی: «اللَّهُمَّ ائْتِنِي بِأَحَبِّ خَلْقِكَ إِلَيْكَ، يَأْكُلُ مَعِي هَذَا الطَّيْرَ» "الٰہی! تیری مخلوق میں سے پسندیدہ ترین شخص کو بھیج؛ کہ میرے ساتھ یہ گوشت کھائے!" تب حضرت سیّدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، اور نبیٔ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ساتھ کھانا تناوُل کیا[1]۔

علم کے گھر کا دروازہ

حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «أَنَا دَارُ الحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا»[2] "میں علم کا گھر ہوں، اور علی اُس کا دروازہ ہیں" یعنی حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے علم کے دروازوں میں سے ایک اہم دروازہ، حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ بھی ہیں[3]۔ لہذا ان سے کامل محبت کے بغیر، کوئی بھی مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ورثۂ علم سے حصہ نہیں پاسکتا۔

علمِ ظاہر وباطن کے امین

بعض اکابر صحابۂ کرام -رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین- نے گواہی دی کہ مولیٰ علی رضی اللہ تعالی عنہ علمِ ظاہر وباطن دونوں کے امین تھے۔ حضرت سیّدنا ابنِ مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: «إِنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ عِنْدَهُ عِلْمُ الظَّاهِرِ والبَاطِنِ»[4] "یقیناً علی بن ابی طالب کے پاس علمِ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی"۔ اور آپ رضی اللہ تعالی عنہ سے اسی علمِ

(١) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، ر: ٣٧٢١، صـ٨٤٧.

(٢) المرجع نفسه، ر: ٣٧٢٣، صـ٨٤٧.

(٣) "المرقاة" كتاب المناقب والفضائل، تحت ر: ٦٠٩٦، ١٠/ ٤٦٩.

(٤) "حلية الأولياء" ٤- علي بن أبي طالب، ر: ٢٠٠، ١/ ١٠٥.

ظاہر و باطن کا فیض اولیائے کرام قُدِّسَتْ أَسْرَارُہُمْ کو حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالی کی سرگوشی

حضرت سیّدنا جابر بن عبد اللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے طائف کے دن حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بلا کر اُن سے سرگوشی کی، تو لوگوں نے کہا کہ حضور سیّدِ عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی سرگوشی اپنے چچا زاد کے ساتھ بہت دراز ہوگئی، تب رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: «مَا انْتَجَيْتُهُ وَلَكِنَّ اللهَ انْتَجَاهُ»[1] "علی سے میں نے سرگوشی نہیں کی، بلکہ اللہ تعالی نے ان سے سرگوشی فرمائی ہے"۔

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں دعائے مصطفی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت سیّدہ امِّ عطیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں، کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک لشکر بھیجا، جن میں جناب سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بھی تھے، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو دعا کرتے سنا، جبکہ رسولِ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے: «اللَّهُمَّ لَا تُمِتْنِي حَتَّى تُرِيَنِي عَلِيّاً»[2] "الٰہی! مجھے اُس وقت تک مَوت نہ دینا، جب تک علی کو دیکھ نہ لوں!"۔

رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے قُرب و منزلت

حضرت سیّدنا علی المرتضی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: «كَانَتْ لِي مَنْزِلَةٌ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ تَكُنْ لِأَحَدٍ مِنَ الْخَلَائِقِ، فَكُنْتُ آتِيهِ كُلَّ سَحرٍ فَأَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللهِ! فَإِنْ تَنَحْنَحَ انْصَرَفْتُ إِلَى أَهْلِي، وَإِلَّا

---

(١) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، ر: ٣٧٢٦، صـ٨٤٨.

(٢) المرجع نفسه، ر: ٣٧٣٧، صـ٨٥٠.

دَخَلْتُ عَلَيْهِ»[1] "مجھے رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے وہ قُرب ومنزلت حاصل تھی، جو مخلوقِ خدا میں کسی کو نہیں تھی، میں آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں سویرے سویرے حاضر ہوکر باہر سے عرض کرتا: "اے اللہ کے نبی آپ پر سلام ہو!" اگر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کھنکار دیتے، تو میں اپنے گھر لَوٹ جاتا، ورنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتا"۔

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا حضرت سیّدہ فاطمہ زہراء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے نکاح

حضرت سیّدنا بُریدہ اسلمی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، کہ حضرت سیّدنا ابو بکر وسیّدنا عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُما نے حضرت سیّدہ فاطمہ زہراء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے لیے پیغامِ نکاح بھیجا، تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «إِنَّهَا صَغِيرَةٌ» "(تم دونوں کے مقابلہ میں) وہ بہت چھوٹی ہے"، پھر جب حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پیغامِ نکاح بھیجا، تب حضور سیّدِ عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کا نکاح سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کر دیا"[2]۔

جب حضرت سیّدہ فاطمہ زہراء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی عمر پندرہ ۱۵ برس ہوئی، تب حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے پیغامِ نکاح دیا، حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «إِنَّ اللهَ تَعَالَى أَمَرَنِي أَنْ أُزَوِّجَ فَاطِمَةَ بِنْتَ خَدِيجَةَ مِنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ»[3] "مجھے اللہ تعالی نے حکم دیا ہے، کہ فاطمہ بنت خدیجہ کا نکاح علی بن ابی طالب سے کر دُوں!"۔

اللہ تعالی نے حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذُرّیت حضرت علی کی پشت میں رکھی ہے

حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی نسبت، مصطفی جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے:

---

(١) "سنن النَّسائي" كتاب النكاح، ر: ٣٢١٨، الجزء ٦، صـ٦٢.

(٢) المرجع نفسه.

(٣) "المرقاة" تحت ر: ٦١٠٤، ١٠/ ٤٧٦، ٤٧٧، ملتقطاً.

«إِنَّ اللهَ ﷻ جعَلَ ذُرِّيَّةَ كُلِّ نَبِيٍّ فِي صُلْبِهِ، وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى جعَلَ ذُرِّيَّتِي فِي صُلْبِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه»[1] "یقیناً اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ہر نبی کی ذُرِّیت اُس کی صُلب میں رکھی، اور میری ذُرِّیت علی بن ابی طالب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی پشت میں رکھی ہے"۔

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاکت میں پڑیں گے

حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے میرے بارے میں ارشاد فرمایا: «فِيكَ مَثَلٌ مِنْ عِيسَى، أَبْغَضَتْهُ الْيَهُودُ حَتَّى بَهَتُوا أُمَّهُ، وَأَحَبَّتْهُ النَّصَارَى حَتَّى أَنْزَلُوهُ بِالْمَنْزِلَةِ الَّتِي لَيْسَ بِهِ» "تم میں حضرت عیسیٰ کی مثال پائی جاتی ہے، جن سے یہود نے بُغض رکھا، حتی کہ ان کی ماں پر تہمت تک لگادی، جبکہ نصاریٰ نے اُن سے محبت کی، یہاں تک کہ انہیں اُس درجہ میں پہنچادیا جو اُن کا تھا ہی نہیں "یعنی ان کو خدا کا بیٹا کہہ ڈالا۔

پھر سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: "میرے بارے میں دو۲ قسم کے لوگ ہلاکت میں پڑیں گے: (۱) محبت میں حد سے آگے نکلنے والے، مجھے اُن اَوصاف سے بڑھائیں گے جو مجھ میں نہیں (جیسے روافض)، (۲) اور بُغض وعداوَت رکھنے والے، جن کا بُغض انہیں اس بات پر اُبھارے گا کہ مجھ پر تہمت لگائیں"[2] (جیسے خوارج وہابیہ وغیرہم)۔

جس نے سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بُرا کہا

حضرت سیّدہ اُمِّ سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے، حضور رحمتِ عالمیان

---

(۱) "المعجم الكبير" بقية أخبار الحسن بن علي رضي الله عنهما، ر: ۲۶۳۰، ۳/ ٤٤.

(۲) "مسند الإمام أحمد" ر: ۱۳۷٦، ۱/ ۳۳٦، ۳۳۷.

صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «مَنْ سَبَّ عَلِيّاً، فَقَدْ سَبَّنِي»[۱] "جس نے علی کو بُرا کہا، اس نے مجھے بُرا کہا"۔

حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ذکر، خیر کے ساتھ کرو

حضرت سیّدنا عروہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، کہ ایک شخص نے امیر المؤمنین حضرت سیّدنا عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سامنے، حضرت سیّدنا علی المرتضی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بُرائی کی، اس پر حضرت سیّدنا عمر نے حضور رحمتِ عالمیان صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی قبرِ انور کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: «أَتعرِفُ صَاحِبَ هَذَا الْقَبرِ؟! هَذَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الله بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، لَا تَذْكُرْ عَلِيّاً إِلَّا بِخَيْرٍ؛ فَإِنَّكَ إِنْ تَنْقُصْهُ آذَيْتَ صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّم»[۲] "کیا تم اس قبرِ انور کے مکین کو جانتے ہو؟ یہ (ہمارے پیارے نبی) محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں! جب بھی علی کا ذکر کرو تو خیر کے ساتھ کرو؛ کیونکہ اگر تم نے حضرت علی کی اِہانت کی، تو گویا تم نے حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اَذیت دی!"۔

حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ بھی مددگار ہیں

حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو رحمتِ عالمیان صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کثیر دعاؤں سے نوازا۔ حضرت سیّدنا حُبشی بن جُنادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، مصطفی جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے غدیرِ خُم کے موقع پر فرمایا: «اللَّهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ! اللَّهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ، وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ، وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَهُ، وأَعِنْ مَنْ

---

(۱) المرجع نفسه، ر: ۲٦٨١٠، ١٠/ ٢٢٨.

(۲) "المرقاة" تحت ر: ٦١٠١، ١٠/ ٤٧٤.

أَعَانَهُ!»[١] "اے اللہ! جس کا میں مددگار ہوں، علی بھی اس کے مددگار ہیں، الٰہی! علی سے محبت رکھنے والے سے محبت فرما! اور علی سے عداوت (دشمنی) رکھنے والے سے عداوت رکھ! اور اُس کی مدد فرما جو علی کی مدد کرے!"۔

محبتِ خدا و مصطفی

حضرت سیّدنا مولا علی -کرّم اللہ تعالی وجہہ الکریم- اللہ ورسول سے سچا پیار کرتے ہیں۔ حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں، کہ غزوۂ خیبر کے روز نبیٔ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لَأُعْطِيَنَّ هَذِهِ الرَّايَةَ رَجُلاً يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، يَفْتَحُ اللهُ عَلَى يَدَيْهِ» "میں یہ جھنڈا اُس شخص کے ہاتھ میں دُوں گا، جو اللہ ورسول سے سچا پیار کرتا ہے، اللہ تعالی اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا"، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کو بلا کر جھنڈا عطا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: «امْشِ وَلَا تَلْتَفِتْ! حَتَّى يَفْتَحَ اللهُ عَلَيْكَ!» "جاؤ اور جب تک اللہ تعالی تمہیں فتح یاب نہ کردے، اِدھر اُدھر متوجّہ مَت ہونا!"۔

پھر حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ بڑی توجہ سے کچھ دُور تک چلتے رہے، اور عرض کی: یارسولَ اللہ! میں لوگوں سے کب تک قِتال کرتا رہوں؟ ارشاد فرمایا: «قَاتِلْهُمْ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللهِ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ فَقَدْ مَنَعُوا مِنْكَ دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ، إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ!»[٢] "جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں،

(١) "المعجم الكبير" حبشي بن جنادة السلولي، ر: ٣٥١٤، ٤/ ١٧.
(٢) "صحيح مسلم" كتاب فضائل الصحابة، ر: ٦٢٢٢، صـ١٠٦٠.

اور محمد اللہ کے رسول ہیں، تم ان سے لڑتے رہو! اور جب وہ ایسا کرلیں، تو سوائے حقِ شریعت کے ان کی جان ومال تم پر حرام ہے، اور ان کا حساب اللہ تعالی پر ہے!"۔

فتحِ خیبر

"مرقات شرحِ مشکاۃ" میں ہے کہ "پہلے دن حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں لشکر بھیجا، سخت جنگ ہوئی مگر کامیابی نہ ملی، دوسرے دن حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں لشکر بھیجا، اس دن بہت گھمسان کارَن پڑا، مگر خیبر فتح نہ ہوا، تیسرے دن فتح کی بِشارت دی اور حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں لشکر بھیجا، تب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر خیبر فتح ہوا"[۱]۔

مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام سیّدنا ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

«خَرَجْنَا مَعَ عَلِيٍّ حِينَ بَعَثَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِرَايَتِهِ، فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْحِصْنِ خَرَجَ إِلَيْهِ أَهْلُهُ فَقَاتَلَهُمْ، فَضَرَبَهُ رَجُلٌ مِنَ الْيَهُودِ وَطَرَحَ تُرْسَهُ مِنْ يَدِهِ، فَتَنَاوَلَ عَلِيٌّ بَاباً كَانَ عِنْدَ الْحِصْنِ فَتَرَّسَ بِهِ نَفْسَهُ، فَلَمْ يَزَلْ بِيَدِهِ حَتَّى فُتِحَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَلْقَاهُ مِنْ يَدِهِ حِينَ فَرَغَ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي نَفَرٍ مَعَ سَبْعَةٍ أَنَا ثَامِنُهُمْ، نَجْتَهِدُ عَلَى أَنْ نَقْلِبَ ذَلِكَ الْبَابَ، فَمَا نَقْلِبُهُ»[۲].

"ہم لوگ حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ نکلے، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں خیبر کے لیے روانہ فرمایا، جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلعۂ خیبر کے پاس پہنچے تو یہود قلعہ سے نکل آئے، سخت جنگ ہوئی، یہاں تک کہ ایک یہودی کی ضرب سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

(۱) "المرقاة" تحت ر: ٦٠٨٩، ١٠/ ٤٦٠ ملتقطاً.

(۲) المرجع نفسه.

کے ہاتھ سے ڈھال گر گئی، آپ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے قلعہ کا دروازہ اُکھیڑ لیا، اور اُسے ڈھال کی طرح استعمال فرماتے رہے، پھر خیبر فتح ہونے کے بعد اُس دروازے کو ایک طرف ڈال دیا۔ بعد میں سات ۷ آدمیوں نے مل کر اُس دروازے کو پلٹنا چاہا، جن کے ساتھ آٹھواں میں بھی تھا، مگر سب کے زور لگانے کے باوُجود، وہ دروازہ ہل تک نہ سکا"۔ یہ ہے وہ طاقتِ ربّانی جو حیدرِ کرّار کو حاصل تھی! ع

شیرِ شمشیر زن شاہِ خیبر شکن پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

مسجدِ نبوی میں بحالتِ جنابت گزرنا

مصطفیٰ جانِ رحمت صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّم نے حضرت سیّدنا علی رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے فرمایا: «يَا عَلِيُّ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ يُجْنِبُ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ غَيْرِي وَغَيْرُكَ»[1] "اے علی! اس مسجدِ اقدس میں میرے اور تمہارے سوا، بحالتِ جنابت گزرنا کسی اَور کے لیے جائز نہیں!"۔

دنیا وآخرت میں بھائی بھائی

جب مصطفی کریم صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اپنے اصحابِ کرام رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُم کو آپس میں بھائی بھائی بنایا، تو حضرت سیّدنا علی رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ روتے ہوئے آئے، کہ آپ نے مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا! حضور نبئ کریم صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «أَنْتَ أَخِي فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ»[2] "تم تو دنیا وآخرت میں میرے بھائی ہو!"۔

آپ کا لقب ابوتُراب

رفیقانِ گرامی قدر! حضرت سیّدنا علی رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ کی ایک کنیت ابو تراب بھی

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب المناقب، ر: ۳۷۲۷، صـ۸٤۸.

(۲) المرجع نفسه.

ہے۔ حضرت سیّدنا سہل بن سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ نے فرمایا کہ سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کو "ابو تراب" لقب سے زیادہ کوئی نام پسند نہ تھا، اور وہ اس نام کے ساتھ پکارے جانے پر بہت خوش ہوا کرتے۔ راویٔ حدیث نے حضرت سیّدنا سہل بن سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ سے عرض کی: آپ ہمیں بتائیے کہ ان کا نام ابو تراب کیسے پڑا؟ حضرت سیّدنا سہل بن سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ نے فرمایا، کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّم حضرت سیّدۂ کائنات فاطمہ زہراء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہَا کے گھر تشریف لائے، تو حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کو موجود نہ پا کر ارشاد فرمایا: «أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ؟» "تمہارا چچا زاد کہاں ہے؟" عرض کی: ہمارے درمیان کچھ ناراضگی ہوئی، جس کے سبب وہ خفا ہو کر گھر سے باہر چلے گئے ہیں، نبیٔ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّم نے کسی کو حکم دیا: «انْظُرْ أَيْنَ هُوَ!» "دیکھو وہ کہاں ہیں!" اس نے آکر عرض کی کہ اے اللہ کے حبیب! وہ مسجد میں آرام فرما رہے ہیں، رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّم حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کے پاس گئے تو وہ کروَٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے، ان کی چادر ایک طرف کو ڈھلکی ہوئی تھی، اور ان کے بدن پر مٹی لگی تھی، آقا کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّم ان سے وہ مٹی جھاڑتے ہوئے ارشاد فرمانے لگے: «قُمْ أَبَا التُّرَابِ! قُمْ أَبَا التُّرَابِ!»[1] "اے ابو تراب اٹھو! اے ابو تراب اٹھو!" اس وقت سے آپ "ابو تراب" لقب سے بھی پکارے جانے لگے۔

حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کو حضور سیّدِ عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّم نے اپنے کندھوں پر سوار کیا

حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّم نے مجھ سے ارشاد فرمایا: «اصْعَدْ عَلَى مَنْكِبَيَّ» "میرے کندھوں پر چڑھ (کر کعبہ کا چھت سے بُت گرا دو!)" اور جب سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡہُ مصطفیٰ جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّم کے کندھوں پر سوار

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب فضائل الصحابة، ر: ٦٢٢٩، صـ١٠٦٢، ملتقطاً.

ہوئے، تو اپنے آپ کو ایسے مقامِ رفیع پر پایا کہ فرمایا: "مجھے خیال آتا تھا کہ اگر چاہوں تو آسمان کا کنارہ چُھو لُوں"[1]۔

نَیابتِ رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

جب رسولِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کو غزوۂ تبوک کے موقع پر، مدینۂ منوّرہ میں اپنا نائب بنا کر رخصت ہونے لگے، تو سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی: مجھے آپ کے ساتھ جانا زیادہ پسند ہے، ارشاد ہوا: «أَوَمَا تَرْضَى أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى، غَيْرَ أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي!»[2] "کیا تم اس بات راضی نہیں کہ تم مجھ سے موسیٰ سے بمنزلہ ہارون کے ہو، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں!" یعنی جس طرح موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تیس ۳۰ راتوں کے وعدے پر حق سبحانہ وتعالی سے کلام کرنے گئے، تو ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرما گئے تھے کہ ﴿اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي﴾[3] "میری قوم میں میرے بعد نَیابت کرنا!" یونہی ہم بھی جہاد کو تشریف لے جاتے ہیں، اور تمہیں پسماندوں پر اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر چھوڑے جاتے ہیں، تو تمہاری ہماری نسبت اِس وقت بالکل ایسی ہوئی، جیسی اُس وقت موسیٰ وہارون کی تھی، فرق اس قدر ہے کہ ہارون صرف نائب ہی نہ تھے، بلکہ امامِ مستقل بھی تھے، کہ خود بھی نبوّت رکھتے تھے، تم فقط نائب ہو، امامت بالاستقلال نہیں رکھتے؛ کہ ہمارے بعد کوئی نبی ہے ہی نہیں، جو بذاتِ خود والی ہو۔ یہ ہیں معنیٔ حدیث، اور اس کے سوا جو معنیٰ اَوہام تراشیں، وہ ان پر مردود ہیں، واللہ أعلم[4].

---

(۱) "مسند الإمام أحمد" مسند علي بن أبي طالب، ر: ٦٤٤، ١/ ١٨٣، ملتقطاً.

(٢) المرجع نفسه، مسند أبي إسحاق ...إلخ، ر: ١٥٣٢، ١/ ٣٧٥.

(٣) پ٩، الأعراف: ١٤٢.

(۴) "فتاوی رضویہ" "کتاب الرد والمناظرۃ، رسالہ "مطلع القمرین" ۲۱/۱۰۳۔

حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت

عزیزانِ گرامی قدر! حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہِ سفر تھے، مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «أَلَا أُحَدِّثُكُمَا بِأَشْقَى النَّاسِ رَجُلَيْنِ؟» "کیا میں بتادوں کہ سب سے بڑے دو ۲ بدبخت کون ہیں؟" لوگوں نے عرض کی کہ جی ہاں یا رسول اللہ بتائیے! رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «أُحَيْمِرُ ثَمُودَ الَّذِي عَقَرَ النَّاقَةَ، وَالَّذِي يَضْرِبُكَ يَا عَلِيُّ عَلَى هَذِهِ -يَعْنِي قَرْنَهُ-»[1] "ایک قومِ ثمود کا سرخ رنگت والا وہ بدبخت، جس نے حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں، اور دوسرا وہ جو اے علی! تمہارے یہاں (یعنی گردن) پر مارے گا!"۔

برادرانِ اسلام! یہ غیب کی خبر اس طرح ظہور پذیر ہوئی، کہ ۱۹ رمضان المبارک ۴۰ھ کو عبد الرحمٰن بن ملجم خارجی نے، حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خنجر سے قاتلانہ حملہ کیا، جس سے زخمی ہو کر دو ۲ دن بعد اکیس ۲۱ رمضان المبارک کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جامِ شہادت نوش فرمایا[2]۔ چنانچہ ہر سال اس دن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یومِ شہادت بڑی عقیدت واحترام سے منایا جاتا ہے۔

دعا

اے اللہ! ہمیں تمام صحابۂ کرام، بالخصوص سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرتِ پاک پر عمل پیرا ہوتے ہوئے، دینِ متین کے لیے ہر قسم کی قربانی کا جذبہ عطا فرما، تمام فرائض

---

(١) "مستدرَك الحاكم" كتاب معرفة الصحابة، ر: ٤٦٧٩، ٥/ ١٧٦٠، ملتقطاً.
(٢) "البداية والنهاية" صِفَةُ مَقْتَلِهِ رضي الله تعالى عنه، ٧/ ٣٣٠، ملتقطاً.

وواجبات کی ادائیگی بحسن وخوبی انجام دینے کی بھی توفیق عطا فرما، بخل وکنجوسی سے محفوظ فرما، خوشی سے غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں ملک وقوم کی خدمت اور اس کی حفاظت کی سعادت نصیب فرما، باہمی اتحاد واتفاق اور محبت واُلفت کو اَور زیادہ فرما، ہمیں اَحکامِ شریعت پر صحیح طور پر عمل کی توفیق عطا فرما۔ ہماری دعائیں اپنی بارگاہِ بے کس پناہ میں قبول فرما، آمین یا ربّ العالمین !۔

شبِ قدر

(جمعۃ المبارک ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ - ۱۵/۵/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضورِ پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

ہزار مہینوں سے افضل رات

میرے بزرگو ودوستو! ہم رمَضان المبارک کے آخری عشرہ کی طرف گامزن ہیں، اس آخری عشرے میں لیلۃ القدر بھی ہے، جو ہزار مہینوں سے بہتر ایک رات ہے۔ وَیسے تو رمَضان کا آخری عشرہ سارا ہی برکتوں اور رِفعتوں والا ہے، مگر شبِ قدر کی قدر ومنزلت بہت ہی افضل واعلیٰ ہے، احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے کہ یہ مبارک رات رمَضانِ کریم کے آخری عشرے کی پانچ ۵ طاق راتوں (یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ ویں) میں سے کوئی ایک رات ہے۔ بہت سے مفسّرین ومحدّثینِ کِرام کی رائے ہے، کہ شبِ قدر رمَضان کی ستائیسویں رات ہے۔ یہ رات آسمانوں میں فرشتوں کی عید، اور زمین میں انسانیّت کی معراجِ کمال کے حصول کی رات ہے، اس رات اللہ تعالی کا دریائے رَحمت خُوب جوش پر ہوتا ہے، رات بھر صبح تک رَحمتوں کی

بَرسات اور خیر وبرکات کا نُزول رہتا ہے، صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم شبِ قدر میں عبادت کا خُوب اہتمام فرماتے۔

پورے عشرے میں اس مبارک رات کی تلاش سنّتِ کریمہ ہے، حضرت سیّدنا ابنِ عبّاس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے، تاجدارِ رسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «الْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ»[1] "شبِ قدرُ کو رَمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو"۔ لہٰذا ان طاق راتوں میں خصوصیت کے ساتھ عبادت کی کوشش کرنی چاہیے، جو کوئی اس مبارک رات میں سچی توبہ کرلے، اپنے گناہوں پر نَدامت سے آنسو بہالے، یقیناً ربِ کریم عَزَّوَجَلَّ اُسے مُعاف فرمادیتا ہے۔ حضرت سیّدنا ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، حضور نبئ کریم رؤف رحیم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَاناً وَاحْتِسَاباً، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»[2] "جو ایمان اور نیّتِ ثواب کے ساتھ، شبِ قدرُ میں عبادت کرے، اس کے پچھلے گناہ مُعاف کردیے جاتے ہیں"۔

عزیز دوستو! لیلۃ القدر میں عبادت کا ثواب ہزار مہینوں کی عبادت سے بھی زیادہ ہے، فرمانِ خداوندی ہے: ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾[3] "شبِ قدرُ ہزار مہینوں سے بہتر رات ہے"۔ جو مسلمان اس رات عبادت کرے، اسے ہزار ماہ کی عبادت سے بھی زیادہ ثواب دیا جاتا ہے، اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جس تاریخ میں کوئی اعلیٰ کام ہو وہ دن، وقت اور تاریخ، تاقیامت افضل واعلیٰ رہتے ہیں،

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب فضل ليلة القدر، ر: ٢٠٢١، صـ٣٢٤.

(٢) المرجع نفسه، كتاب الصوم، ر: ١٩٠١، ٣/ ٢٦.

(٣) پ٣٠، القدر: ٣.

دیکھیے شبِ قدر میں ایک بار ہی قرآنِ مجید نازل ہوا، مگر یہ رات قیامت تک افضل واعلیٰ قرار پائی، ہر سال مسلمان ذَوق وشَوق سے عبادت کرتے رہیں گے، اور اللہ تعالی اپنے بندوں کی بخشش ومغفرت فرماتا رہے گا!۔

مُفَسِّرینِ کرام فرماتے ہیں کہ "حضرت مجاہد نے فرمایا: بنی اسرائیل کا ایک شخص جو تمام رات عبادت کرتا، اور تمام دن جہاد میں مصروف رہتا، اس طرح اُس نے ہزار مہینے گزارے تھے، تب اللہ تعالی نے یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی: ﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾ "شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر رات ہے" کہ اس رات کی عبادت اُس شخص کے عمل سے بہتر ہے"[1]، یعنی شبِ قدر میں عبادت کرنا بنی اسرائیل کے اُس شخص کے عمل سے بھی بہتر ہے۔

فرشتوں کے نُزول کی رات

عزیزانِ گرامی قدر! اس مبارک رات میں حضرت سیّدنا جبرائیل علیہ السلام فرشتوں کے جمِ غفیر کے ساتھ زمین پر اُترتے ہیں، اور فرشتوں کا یہ گروہ ہر مسلمان کے لیے دعائے مغفرت والتجائے رَحمت کرتا ہے۔ کیا شان ہے اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی پیاری امّت کی! کہ فرشتے از خود نہیں اُترتے، بلکہ گویا انہیں اللہ تعالی حکم فرماتا ہے کہ زمین پر جاؤ، اور اس کے مَشارق ومَغارب کا چکر لگاؤ، اس رات میں فرشتے اس قدر نازل ہوتے ہیں کہ زمین تنگ پڑ جاتی ہے۔ کتنا خوش نصیب وبلند اقبال ہے وہ مسلمان، جو اس رات سستی وتھکاوٹ کو پرے ہٹاکر، اپنے پروَردگار جلّ جلالہ کی یاد میں بسر کرتا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ

---

(۱) "جامع البیان" پ۳۰، القدر، تحت الآیة: ۳، الجزء الثلاثون، صـ۳۲۹.

﴿رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴾[۱] "اس رات میں فرشتے اور جبریل اُترتے ہیں اپنے رب کے حکم سے، ہر کام کے لیے"۔

مسلمان بھائیو! بلاشبہ لیلۃ القدر کا فضل عظیم اور اس کی بھلائی عام ہے، اس لیے کہ اس میں فرشتے نازل ہوتے ہیں، سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ الْمَلاَئِكَةَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فِي الأَرْضِ أَكْثَرُ مِن عَدَدِ الْحَصَى»[۲] "یقیناً فرشتے اس رات زمین میں، کنکریوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوتے ہیں"۔

سلامتی کی رات

میرے بزرگو ودوستو! یہ رات مغرب سے لے کر فجر تک سلامتی وبرکت والی ہے، ارشادِ خداوندی ہے: ﴿سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴾[۳] "وہ سلامتی ہے صبح چمکنے تک"، یعنی یہ پوری رات اَمن وسلامتی کی ہے، اس مبارک رات میں مسلمان بڑی تعداد میں اپنے ربِ کریم سے لَو لگائے رہتے ہیں، ذکرِ خدا ورسول سے لُطف اندوز ہوتے ہیں، اور یہ رُوح پرور وایمان اَفروز کیفیت، رات بھر طلوعِ صبح تک جاری وساری رہتی ہے، اس رات جو دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔

رفیقانِ ملتِ اسلامیہ! شبِ قدر انتہائی مبارک ہے، اللہ تعالی نے اس رات میں ایک بڑی قدر ومنزلت والی کتاب، بڑی قدر ومنزلت والے رسول پر، بڑی قدر ومنزلت والی اُمّت کے لیے نازل فرمائی۔ اس مبارک رات میں خالقِ کائنات جَلَّ جَلالُہ نے اُمّتِ مُسلمہ کے لیے عظیم تحفہ قرآنِ پاک نازل فرمایا، جس سے مسلمان بلکہ ساری

---

(۱) پ۳۰، القدر: ٤.

(۲) "مسند الإمام أحمد" مسند أبي هريرة، ر: ۱۰۷۳۹، ۳/ ٦۰٦.

(۳) پ۳۰، القدر: ٥.

کائنات کے سوئے نصیب جاگ اُٹھے، اس کتاب قرآنِ مجید نے بنی نَوعِ انسان کو اپنی پہچان، اور اپنے خالق ومالک جَلَّ جَلالُہٗ کا عرفان عطا فرمایا، ہر مسلمان پر لازم ہے کہ قرآنِ پاک کی کثرت سے تلاوت، اور اس کے اَحکام پر عمل کرکے برکتیں حاصل کرے۔

نُزولِ قرآن سے متعلق ارشادِ خداوندی ہے: ﴿إِنَّآ أَنزَلۡنَٰهُ فِي لَيۡلَةِ ٱلۡقَدۡرِ﴾[1] "یقیناً ہم نے اسے شبِ قدر میں اُتارا"، یعنی شبِ قدر میں لَوحِ محفوظ سے، آسمانِ اوّل کے بیتُ العزّت کی طرف قرآنِ کریم نازل فرمایا۔

دوسری جگہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿إِنَّآ أَنزَلۡنَٰهُ فِي لَيۡلَةٖ مُّبَٰرَكَةٍۚ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ﴾[2] "یقیناً ہم نے قرآنِ پاک کو برکت والی رات میں اُتارا، یقیناً ہم ڈر سنانے والے ہیں"۔ "اس برکت والی رات سے مراد شبِ قدر ہے، اس رات میں پورا قرآن پاک لَوحِ محفوظ سے یکبارگی، آسمانِ دنیا کی طرف اُتارا گیا، پھر وہاں سے تئیس ۲۳ برس کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا حضورِ اکرم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم کے قلبِ اَطہر پر اُترا۔ اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا، کہ جس رات قرآنِ کریم اُترا وہ رات بھی مبارک ہے"[3]۔

لیلۃ القدر کی بعض علامات

حضرتِ سَیِّدُنا عُبادہ بن صامِت رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے سرکارِ والاتَبار صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم کی خدمت میں، شبِ قدر کے بارے میں سوال کیا، تو مصطفی جانِ رحمت صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: «لَيْلَةُ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْبَوَاقِيْ، مَنْ قَامَهُنَّ ابْتِغَاءَ حِسْبَتِهِنَّ، فَإِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَغْفِرُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ، وَهِيَ لَيْلَةُ وِتْرٍ تِسْعٍ، أَوْ سَبْعٍ، أَوْ

(۱) پ۳۰، القدر: ۱.

(۲) پ۲۵، الدُّخان: ۳.

(۳) "تفسیر نور العرفان" ص۷۹۰ ملتقطاً۔

خَامِسَةٍ، أَوْ ثَالِثَةٍ، أَوْ آخِرِ لَيْلَةٍ، إِنَّ أَمَارَةَ لَيْلَةِ الْقَدْرِ أَنَّهَا صَافِيَةٌ بَلْجَةٌ كَأَنَّ فِيهَا قَمَراً سَاطِعاً سَاكِنَةٌ سَاجِيَةٌ، لَا بَرْدَ فِيهَا وَلَا حَرَّ، وَلَا يَحِلُّ لِكَوْكَبٍ أَنْ يُرْمَى بِهِ فِيهَا حَتَّى تُصْبِحَ، وَإِنَّ أَمَارَتَهَا أَنَّ الشَّمْسَ صَبِيْحَتَهَا تَخْرُجُ مُسْتَوِيَةً، لَيْسَ لَهَا شُعَاعٌ مِثْلَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، لَا يَحِلُّ لِلشَّيْطَانِ أَنْ يَخْرُجَ مَعَهَا يَوْمَئِذٍ»[1].

"شبِ قدر رَمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں، یعنی اِکیس ۲۱، تئیس ۲۳، پچیس ۲۵، ستائیس ۲۷ یا اُنتیسویں ۲۹ یا رَمضان کی آخِری شب میں ہے۔ تو جو کوئی اِیمان کے ساتھ بہ نیّتِ ثواب اِس مبارک رات میں عبادت کرے، اللہ تبارک وتعالیٰ اُس کے تمام گزشتہ وآئندہ گناہ بخش دے گا۔ اس رات کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ مبارک شب روشن اور بِالکل صاف وشفّاف ہوتی ہے، گویا کہ اس میں چاند پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا ہو، اس رات میں نہ گرمی ہوتی ہے نہ سَردی، اِس رات صبحِ صادق تک شیاطین کو آسمان کے ستارے نہیں مارے جاتے، مزید نشانیاں یہ ہیں کہ اِس رات کے بعد صبح سورج بغیر شُعاع کے طُلوع ہوتا ہے، وہ اَیسا ہوتا ہے گویا کہ چَودھویں کا چاند، اس دن طُلوعِ آفتاب کے ساتھ شیطان نہیں نکلتا"۔

عمدہ وافضل واعلیٰ شخص وہی ہے جس نے اپنے دل کے تصفیہ، اپنی نفسانی خواہشات کے تزکیہ، اور اپنی توبہ کی تجدید کے ساتھ لیلۃ القدر کی تلاش کی، جھگڑے وفضول کلام سے بچا رہا، کہ لڑائی جھگڑا ایسا بُرا فعل ہے کہ اسی کے باعث ہم سے لیلۃ القدر کو پوشیدہ رکھا گیا۔ حضرت سیّدنا عُبادہ بن صامِت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں شبِ قدر سے متعلق بتانے کے لیے باہر تشریف لائے، تو مسلمانوں

---

(١) "مسند الإمام أحمد" مسند الأنصار، ر: ٢٢٨٢٩، ٨/ ٤١٤.

میں سے دو۲ شخص جھگڑ رہے تھے، فرمایا: «خَرَجْتُ لأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، فَتَلَاحَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ، فَرُفِعَتْ وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْراً لَكُمْ، فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ، وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ»(۱) "میں تمہیں شبِ قدر بتانے کے لیے نکلا تھا، لیکن فُلاں فُلاں جھگڑ رہے تھے تو وہ اُٹھالی گئی، اور ممکن ہے کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہو، لہٰذا اُسے اکیسویں، تئیسویں اور پچیسویں راتوں میں تلاش کرو!"۔

لیلۃ القدر کے اَعمالِ صالحہ

عزیزانِ گرامی قدر! حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے، کہ میں نے عرض کی: یارسولَ اللہ! اگر مجھے شبِ قدرؔ معلوم ہو جائے تو میں اُس میں کونسی دعا کروں؟ سرکارِ دو عالَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «قُوْلِيْ: اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ [كَرِيمٌ] تُحِبُّ الْعَفْوَ، فَاعْفُ عَنِّيْ»(۲) "یُوں کہو: اے اللہ! یقیناً تُو بہت مُعاف کرنے والا، کرم فرمانے والا ہے، عَفو ودَرگزر کو پسند فرماتا ہے، مجھے بھی مُعاف فرمادے!"۔

برادرانِ اسلام! اس رات میں اجر کا حصول کسی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہر مسلمان عبادت گزار، ذکر کرنے والے، یاقرآنِ کریم کی تلاوت کرنے والے کو اجر وثواب حاصل ہوتا ہے، چاہے اسے شبِ قدر کا علم ہو یا نہ ہو، دیگر ایّام کی طرح اس رات میں بھی نمازوں کی پابندی کریں، کہ اس رات انعام واِکرام سے نواز دیا جائے گا، حضرت سعید بن مسیّب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: "جو شبِ قدر کو عشاء کی نماز میں شریک ہوا، اُس نے اس مبارک رات سے اپنا حصّہ لے لیا"(۳)۔

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب فضل ليلة القدر، ر: ۲۰۲۳، صـ۳۲٤.

(۲) "سنن الترمذي" كتابُ الدَّعوات، ر: ۳۵۱۳، صـ ۸۰۱.

(۳) "الموطّأ" باب ما جاء في ليلة القدر، ر: ۷۰۸، صـ۱۹۰.

محروم لوگ

عزیزانِ محترم! جن لوگوں پر بدبختی وبدنصیبی طاری ہو، وہی اس رات میں عبادت، بخشش اور عطائے ربّانی سے محروم رہتے ہیں، جو لوگ غفلت وسستی کرتے ہیں، انہیں مصطفیٰ جانِ رَحمت ﷺ کے اس فرمان پر غور کرکے، اپنے آپ کو درست کرلینا چاہیے، رَحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ هَذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ، وَلاَ يُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا مَحْرُومٌ»(۱) "یہ مبارک مہینہ تم پر آگیا ہے، اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے، جو اس رات سے محروم رہا وہ ہر خیر سے محروم رہا، اور محروم وہی رہے گا جس کی قسمت میں محرومی ہے"۔ لہٰذا اس رات میں خوب عبادت، توبہ واستغفار کریں، اور آئندہ عبادت پر استقامت، اور گناہوں سے بچنے کا پختہ عہد کریں۔

دعا

اے اللہ! لیلۃ القدر میں خوب عبادت پر ہماری مدد فرما، ہمیں نیک اَعمال کی توفیق اور درجۂ قبولیت عطا فرما، اس آخری عشرہ کو ہمارے لیے ذریعۂ نَجات وبخشش بنا، تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی بحسن وخوبی انجام دینے کی بھی توفیق عطا فرما، بخل وکنجوسی سے محفوظ فرما، خوشی سے غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

---

(۱) "سنن ابن ماجه" كتاب الصيام، ر: ١٦٤٤، صـ٢٧٧.

استقامت کرامت سے بہتر ہے

(جمعۃ المبارک ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ - ۲۲/۵/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلِهِ وصحبِهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُر نور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلِهِ وصَحبِهِ أجمعين.

اعمالِ صالحہ پر ثابت قدمی کے فضائل

عزیزانِ محترم! اِستقامت کا لُغوی معنی ڈَٹ جانا ہے، اِصطِلاحِ شرع میں دِینِ اسلام پر مضبوطی سے قائم رہنے، اللہ ورسول کو ماننے، اِن کے حکم پر ثابت قدم رہنے، اِن کی فرمانبرداری کرنے، اِن کی اِطاعت کو لازم پکڑ لینے کا نام اِستقامت ہے۔ اِستقامت ایک جامع لفظ ہے، جس میں دِین ودنیا کے تمام کام داخل ہیں، اللہ تعالی ورسولِ کریم ﷺ کے فرمان پر عمل، ممنوعہ اَقوال واَفعال واشیاء واُمور سے بچنا، اسلامی عقائد پر پختگی، اللہ ورسول کی رَسی کو مضبوطی سے تھامے رہنا، اور حقیقی بندگی اختیار کرنا اِستقامت ہے۔

اِستقامت صالحین وبندۂ مؤمن کی عمدہ وعظیم صفت وخاصّہ ہے، جو لوگ گناہوں سے بچ کر دینِ اسلام کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، انہیں دونوں جہاں میں

برکتیں نصیب ہوتی ہیں، اُن پر سکینہ نازل ہوتا ہے، مَوت کے وقت انہیں جاں کَنی کی سختی محسوس نہیں ہوتی، قبر وحشر میں آرام وسکون نصیب ہوتا ہے، اور اَیسے لوگوں کے لیے اللہ تعالی نے جنّت کا وعدہ فرمایا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ﴾[1] "یقیناً جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اُس پر قائم بھی رہے، اُن پر فرشتے اُترتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہوجاؤ اُس جنّت پر، جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا"۔

برادرانِ اسلام! ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اللہ تعالی اور اس کے پیارے نبیٔ کریم جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان رکھتے ہوئے مَرتے دَم تک اس پر قائم رہیں، اِن کے اَحکام پر عمل بجالائیں، اِخلاص سے عمل کریں، رَنج وخوشی، راحت وتکلیف کے وقت صبر وشکر کا دامن تھامے رہیں، تب ہماری دنیا وآخرت دونوں ہی پُرسکون ہوں گی، خالقِ کائنات جَلَّ جَلالُہ نے اپنے حبیبِ کریم ﷺ کو، اور آپ ﷺ کے ذریعے اس اُمّت کو اِستقامت کا حکم دیا، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿فَاسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ وَ مَنۡ تَابَ مَعَکَ وَ لَا تَطۡغَوۡا ؕ اِنَّہٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ﴾[2] "قائم رہو جیسا تمہیں حکم ہے، اور جو تمہارے ساتھ رُجوع لایا ہے، اے لوگو سرکشی نہ کرو! یقیناً اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے!"۔

اسلامی تعلیمات پر قائم وسختی سے جمے رہنا ہی استقامت ہے، جب یہ استقامت دل میں پیدا ہو جاتی ہے، تو ایمان وعقیدہ مضبوط ہو جاتا ہے، اس آیتِ

---

(١) پ٢٤، حم السجدة: ٣٠.

(٢) پ١٢، هود: ١١٢.

کریمہ میں اللہ تعالی نے حکم دیا ہے، کہ اے لوگو! وَیسی ہی اِستقامت اختیار کرو، جیسی اِستقامت کا تمھیں حکم دیا گیا ہے، اور اس حکم سے اِدھر اُدھر مت ہٹنا، اور نہ ہی شریعت سے تجاوُز کرنا۔ مُفسّرینِ کرام فرماتے ہیں: "اِستقامت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے، اِستقامت یہ ہے کہ بندہ رَنج وغم اور مصیبت وراحت میں، اللہ تعالی کی بندگی سے منہ نہ موڑے، ہر حال میں راضی بہ رِضائے الٰہی رہے، اِستقامت ہی ولایت کی جڑ ہے، جس سے حضورِ اکرم ﷺ کی ہمراہی ملتی ہے"[1]۔

عزیز دوستو! رب تعالی کی اِطاعت وبندگی پر صبر واِستقامت اور ہمیشگی اختیار کرنا، اللہ تعالی کی طرف سے امتحان میں کامیابی حاصل کرنا، لوگوں کی طرف سے تکلیف ومصیبت پر رِضائے الٰہی کی خاطر صبر کرنا، اور خواہشاتِ نفسانی کی مخالَفت پر ڈَٹ جانا اِستقامت ہے۔ اللہ کریم جلّ جلالہ نے اِستقامت کو متقین کی علامت بتایا ہے، فرمانِ خداوندی ہے: ﴿وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾[2] "جو لوگ سختی، فقیری اور لڑائی کے وقت صبر کرتے ہیں، وہی لوگ سچے ہیں، اور وہی لوگ متّقی ہیں"۔

مصیبت پر صبر کرنا، عبادات پر ہمیشگی اختیار کرنا، اور گناہ کو چھوڑ دینا بھی اِستقامت ہے، سرورِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الصَّبْرُ ثَلَاثَةٌ: (۱) فَصَبْرٌ عَلَى الْمُصِيْبَةِ، (۲) وَصَبْرٌ عَلَى الطَّاعَةِ، (۳) وَصَبْرٌ عَنِ المَعْصِيَةِ»[3]

---

(۱) "تفسیر نُورُ العرفان" پ ۱۲، ھود، زیرِ آیت: ۱۱۲، ص۳۷۲۔

(۲) پ۲، البقرة: ۱۷۷.

(۳) "الصبر والثواب عليه" لابن أبي الدنيا، ر: ۲٤، صـ۳۰.

"صبر تین ۳ طرح کا ہے: (۱) مصیبت کے وقت صبر، (۲) اللہ و رسول کی اِطاعت پر صبر، (۳) اور ترکِ گناہ پر صبر"۔ یعنی بندہ مصیبت کے دُور ہونے تک صبر کرے، اَحکامِ الٰہیہ پر عمل اور گناہوں سے بچنے پر ہمیشہ ثابت قدم رہے۔

الغرض ہر جگہ اِستقامت کا دامن تھامے رکھے، اور نفس کی شرارتوں اور شیطان کے وَسوَسوں سے بچ کر، اپنی زندگی شریعت کے مطابق گزارتا رہے، یہ عمل اللہ و رسول کو بہت پسند ہے، اور اسی میں دونوں جہاں کی کامیابی و کامرانی ہے!۔

اللہ تعالی کے محبوب بن جائیں

حضراتِ گرامی قدر! دنیا میں کیسی ہی تکلیف و مصیبت پہنچے، قید و بند اور بُھوک و پیاس کی اَذیت ہو، لیکن اللہ تعالی کے کاملین وصالحین بندے، ہر حال میں ایمان کے تقاضے پورے کرتے ہیں، اللہ و رسول سے سچی محبت کرتے ہیں، اُن کی اِطاعت وفرمانبرداری کو لازم پکڑے رہتے ہیں، اُس پر دَوام و ہمیشگی اختیار کرتے ہیں، سنن، واجبات وفرائض کی بجا آوری والتزام، اَوامر ونَواہی کی پابندی کرتے ہیں، اور محرّمات ومعصیت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ آج اگر ہم بھی ان حضرات کے نقشِ قدم پر چلیں، تو ہم بھی خالقِ کائنات جَلَّ جَلالُہٗ اور رسولِ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے محبوب بن سکتے، لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو اعمالِ صالحہ پر استقامت اختیار کرکے، صالحین میں شامل ہوجانا چاہیے۔

حضرت سیّدنا سفیان بن عبد اللہ ثَقَفی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کی: یا رسولَ اللہ! مجھے اسلام سے متعلق کچھ اَیسا ارشاد فرمایئے، کہ پھر مجھے آپ کے بعد کسی اَور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے، مصطفی جانِ رَحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «قُل آمَنْتُ بِاللهِ،

ثُمَّ اسْتَقِمْ»(۱) "کہو کہ میں اللہ تعالی پر ایمان لایا، پھر اُس پر قائم رہو!"۔ یہی کامیابی کی ضمانت ہے، ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ یقینِ کامل کے ساتھ ایمان وعقائدِ اسلامیہ، اور اعمالِ صالحہ پر مضبوطی سے کاربند رہے!۔

محترم بھائیو! جب بندہ تقویٰ وپرہیزگاری کو لازم پکڑ لیتا ہے، اَعمالِ صالحہ پر اِستقامت اختیار کرتا ہے، تب اللہ تعالی کا محبوب بن جاتا ہے، اور کریم پروَردگار عزّوجلّ کی مدد ونُصرت اس بندے کے ساتھ ہوتی ہے، فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾(۲) "اللہ سے ڈرتے رہو! اور جان رکھو کہ اللہ تعالی متقیوں کے ساتھ ہے!"۔

عبادت سے منہ پھیرنا

رفیقانِ ملّتِ اسلامیہ! بندۂ مؤمن پر لازم ہے کہ ایمان وعبادت پر اِستقامت اختیار کرے، عقائد کی دُرستگی، عبادت کی ادائیگی اور مُعاملات کی بہتری، حقوقُ اللہ وحقوقُ العباد کی ادائیگی کا اہتمام کرے، جو اِن میں سے کسی بات میں سُستی وکوتاہی کرے، وہ سیدھے راستے پر نہیں۔ مُعاملات کی خرابی، عبادات کی خرابی تک پہنچا دیتی ہے، اور عبادات کی خرابی عقائد کی خرابی کا بھی سبب بن سکتی ہے!۔

عموماً ترکِ مستحب ترکِ سنّت کا، اور ترکِ سنّت ترکِ فرائض کا سبب بنتا ہے، اَیسا نہ ہو کہ رمضان المبارک کے رُخصت ہونے کے بعد، اکثر لوگوں کی طرح ہمارا رُخ بھی اَعمالِ صالحہ سے پھر جائے! خالقِ کائنات جلّ جلالہ نے ہمیں راہِ حق سے رُوگردانی

---

(۱) "صحيح مسلم" بابُ جامع أوصاف الإسلام، ر: ۱۵۹، صـ۳۹.

(۲) پ۲، البقرة: ۱۹٤.

کرنے سے منع فرمایا، اور سیدھے راستے پر چلنے کا حکم دیا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾(۱) "یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو، اور دوسری راہیں نہ چلو، یہ تمہیں اللہ تعالی کی راہ سے جُدا کر دیں گی، یہ تمہیں حکم فرمایا؛ تاکہ تمہیں پرہیزگاری ملے"۔ نیکیوں کی برکت سے بُرائیاں مُعاف ہو جاتی ہیں، فرمانِ الٰہی ہے: ﴿اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ﴾(۲) "یقیناً نیکیاں بُرائیوں کو مِٹا دیتی ہیں"۔ لہٰذا ہر مؤمن کو چاہیے کہ اَعمالِ صالحہ پر اِستقامت رکھے؛ کیونکہ نیک اَعمال کی ہر ایک کو، ہر وقت ضرورت رہتی ہے، اور یہ گناہوں کی مُعافی کا ذریعہ بھی ہیں۔

دعا

اے اللہ! ہمیں ایمان وعبادات پر اِستقامت نصیب فرما، ان کو اپنی شایانِ شان ہم سے قبول فرما، ہمیں اپنے محبوب بندوں میں شمار فرما، اَعمالِ صالحہ اور تیری عبادت سے رُوگردانی اور سُستی وغفلت سے محفوظ فرما، بعدِ رمضان بھی گناہوں کو مِٹانے والے اَعمال پر اِستقامت نصیب فرما، تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی بحسن وخوبی انجام دینے کی بھی توفیق عطا فرما، بخل وکنجوسی سے محفوظ فرما، خوشی سے غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں ملک وقوم کی خدمت اور اس کی حفاظت کی سعادت نصیب فرما، باہمی اتحاد واتفاق اور محبت واُلفت کو اَور زیادہ فرما، ہمیں اَحکامِ شریعت پر صحیح طور پر عمل کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

---

(۱) پ۸، الأنعام: ۱۵۳.

(۲) پ۱۲، هود: ۱۱٤.

جوانی کی عبادت

(جمعۃ المبارک ۲۸رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ- ۲۰۲۰/۵/۲۲ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُر نور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

مقصدِ تخلیق

برادرانِ اسلام! نوجوانی عزم وقوّت اور نوخیزی کا دوسرا نام ہے، لہٰذا ہر نوجوان کو چاہیے کہ اپنی نفسانی خواہشات کی جَولانیوں کو قابو رکھے اور ضبط سے کام لے، اپنے نفس کی خواہشات کو خیر وبھلائی کے اُمور کی طرف متوجّہ رکھے، عبادت وریاضت اور فکرِ آخرت سے متعلق اپنی زندگی کے کچھ اَہداف مقرّر کرے، اور پھر ان اَہداف تک رَسائی کے لیے جستجو کرتا رہے۔

جس کی زندگی ان اَہداف سے خالی ہے، اُسے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ایک بے مقصد زندگی جی رہا ہے، حالانکہ خالقِ کائنات جَلَّ جَلالُہ نے ہمیں ایک خاص مقصد کے لیے اس دنیا میں بھیجا ہے، لہٰذا دن ہو یا رات، ہمیں اپنے مقصدِ تخلیق کو ہرگز نہیں بھولنا چاہیے، اللہ ربّ العالمین ہماری زندگی کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا

ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾[1] "میں نے جن اور آدمی اسی لیے بنائے؛کہ میری بندگی کریں!"۔

ایک اَور مقام پر اللہ رب العزّت ارشاد فرماتا ہے، ان لوگوں کو جگانے کے لیے، جو دنیا کی رنگینیوں میں کھوکر، اپنے مقصدِ تخلیق کو بھول کر، خوابِ غفلت میں ہیں: ﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾[2] "یہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کُود، اور یقیناً آخرت کا گھر ضرور وہی سچی زندگی ہے، کیا ہی اچھا تھا اگر جانتے!"۔

اسی طرح بھُولے بھٹکے مسلمانوں کو گناہوں بھری زندگی چھوڑ کر، زُہد وتقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾[3] "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے! اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان!"۔

عزیزانِ محترم! جو شخص اپنی جوانی کو سنبھالنے، اور اسے زُہد وتقویٰ کی لگام دینے میں کامیاب ہو گیا، گویا اُس نے اپنی پوری زندگی کی کمائی محفوظ کر لی، اس کے برعکس جو شخص جوانی کو بے لگام چھوڑ تا ہے، ایّامِ زندگی گناہ وغفلت میں گزار دیتا ہے، وہ ناکام ونامراد ہے، اگرچہ وہ بظاہر کتنا ہی کامیاب کیوں نہ نظر آتا ہو، ایسے شخص کو ایّامِ شباب گزر جانے پر ندامت وکفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، مگر

(١) پ٢٧، الذاريات: ٥٦.

(٢) پ٢١، العنكبوت: ٦٤.

(٣) پ٤، آل عمران: ١٠٢.

اُس وقت یہ نَدامت اسے کوئی فائدہ نہ دے گی۔

حضراتِ گرامی قدر! بُلوغت سے لے کر چالیس ۴۰ سال کی عمر تک، شباب وجوانی کا زمانہ کہلاتا ہے، ایک انسان کی زندگی کا یہ قیمتی ترین وقت ہے، لہٰذا اسے کسی صورت ضائع نہیں کرنا چاہیے، اور ایک مسلمان نوجوان کو، اسے بڑھاپے سے پہلے غنیمت جانتے ہوئے، علمِ نافع، عملِ صالح اور رِضائے الٰہی جیسے اَہداف کے حصول کی کوشش کرنی چاہیے؛ کیونکہ اسی میں کامیابی اور سُرخ رُوئی ہے، بصورتِ دیگر ناکامی مقدّر ہو سکتی ہے! رَحمتِ عالم ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے: «اغْتَنِمْ خَمْساً قَبْلَ خَمْسٍ: (١) شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ، (٢) وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، (٣) وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، (٤) وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، (٥) وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ»[1] "پانچ ۵ چیزوں کو پانچ ۵ سے پہلے غنیمت جانو: (۱) جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، (۲) صحت کو بیماری سے پہلے، (۳) مالداری کو فقیری سے پہلے، (۴) فرصت کو مصروفیت سے پہلے، (۵) اور زندگی کو موت سے پہلے"۔

میرے محترم بھائیو! آج موقع ہے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمانے کا، جب بڑھاپا آئے گا، تو پھر کہو گے کہ کاش جوانی اور صحت وتندرستی ہوتی، تو سینکڑوں نوافل پڑھتا، قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا، تہجد پڑھتا، پانچوں وقت باجماعت نماز مسجد میں ادا کرتا، روزہ، جہاد وغیرہ سارے نیک اعمال بجالاتا، لیکن اُس وقت یہ آرزُو صرف آرزُو ہی رہے گی، اور ہم اپنے پَل پَل کا حساب وکتاب دینے کے لیے اگلے جہان کی طرف بڑھ رہے ہوں گے!۔

---

(١) "شُعَب الإيمان" باب في الزهد وقصر الأمل، ر: ١٠٢٤٨، ٧/ ٣٣١٩.

اس بارے میں مصطفی جانِ رحمت صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: «لا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يومَ الْقِيَامَةِ حتّى يُسْأَلَ عن أَرْبَعِ خِصَالٍ: (١) عن عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ، (٢) وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلاهُ، (٣) وَعَنْ مَالِهِ مِن أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ، (٤) وَعَنْ علمِهِ مَاذَا عَمِلَ فيه»[1] "بروزِ قیامت آدمی اُس وقت تک اپنی جگہ سے قدم نہیں ہٹا سکے گا، جب تک چار ۴ سوالوں کے جواب نہ دے دے: (۱) عمر کس کام میں گزاری؟ (۲) جوانی کیسے گزاری؟ (۳) مال کہاں سے کمایا اور کیسے خرچ کیا؟ (۴) اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا؟"۔

لہٰذا فکرِ آخرت پر مبنی اس فرمانِ رسول صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، ہر بندۂ مؤمن کو چاہیے کہ نفسانی خواہشات کی پیروی سے بچتا رہے، عِفّت، عصمت اور پاکدامنی کے حصول کے ذرائع اختیار کرتا رہے، بدنگاہی، فحش اَعمال وکلام، جھوٹ، غیبت، چغلی، حرام ومشتبہ چیزوں، فلموں، ڈراموں، گانے باجوں، بے پردگی وغیرہ وغیرہ گناہوں سے بچ کر، اَحکامِ شریعت، فرائض وواجبات واَعمالِ صالحہ وغیرہ کی بجاآوری میں خُوب کوشش کرے، نیک دوستوں کی صحبت اختیار کرے؛ کہ صالحین کی صحبت ونصیحت سے پارسائی، تقویٰ اور پرہیز گاری نصیب ہوتی ہے۔

اچھے دوستوں کا انتخاب اور اُس کی اہمیت

حضراتِ ذی وقار! عام مشاہدہ ہے کہ انسان نیک لوگوں کے پاس بیٹھتا ہے، تو اچھی صحبت وباتیں اس کی رُوح میں تازگی، اور دل میں سُرور پیدا کرتی ہیں، باہم اُلفت ومحبت بڑھتی ہے۔ دوستوں کی صحبت ایک ایسی چیز ہے، کہ اس سے انسان

(١) "المعجم الكبير" معاذ بن جبل الأنصاري، ر: ١١١، ٢٠/ ٦١.

سنوَرتا بھی ہے اور بگڑتا بھی ہے، اچھی صحبت اختیار کرنے والا اچھا، اور بُری صحبت میں بیٹھنے والا بُرا ہو جاتا ہے۔ نیک لوگوں کی دوستی بندے کو نیکیوں کی طرف مائل کرتی ہے، جبکہ بُرے لوگوں کی صحبت بُرائی کی طرف لے جاتی ہے، لیکن دینِ اسلام ہمیں روزِ اوّل ہی سے دوستی کا صحیح تصوّر عطا فرماتا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾[1] "اے ایمان والو! اللہ تعالی سے ڈرتے رہو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو"۔

لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو، ہمیشہ سچے اور نیک لوگوں کے ساتھ رہنا ہے، اچھا دوست وہ ہے جو نیکی اور بھلائی کی تلقین کرتا رہے، اور بُرائی و ناپسندیدہ باتوں سے روکتا رہے، سرکارِ اَبد قرار ﷺ نے فرمایا: «مَثَلُ الجَلِيْسِ الصَّالِحِ وَمَثَلُ جَلِيْسِ السُّوْءِ، كَحَامِلِ المِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيْرِ، فَحَامِلُ المِسْكِ إِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحاً طَيِّبَةً، وَنَافِخُ الْكِيْرِ، إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ، وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيْحاً خَبِيْثَةً»[2] "اچھے اور بُرے دوست کی مثال، مُشک اُٹھانے والے اور بھٹی دھونکنے والے کی طرح ہے؛ کہ مُشک اُٹھانے والے سے، یا تو تم کچھ خریدو گے، یا تم اُس کی صحبت سے اچھی خوشبو پاؤ گے، جبکہ بھٹی دھونکنے والا، یا تو تمہارے کپڑے جَلا دے گا، یا تم اُس کی صحبت سے بدبو پاؤ گے"۔

میرے محترم بھائیو! صحبت و ہمنشینی اچھی ہو یا بُری، اس میں کوئی شک نہیں کہ اثر رکھتی ہے، لہذا سوچ سمجھ کر دوست بنانا چاہیے۔ حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ

---

(۱) پ۱۱، التوبة: ۱۱۹.

(۲) "صحيح ابن حِبّان" كتاب البرّ والإحسان، ر: ٥٦٢، صـ١٤٧.

سے روایت ہے، تاجدارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيْلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ»[1] "آدمی اپنے دوست کے دِین پر ہوتا ہے، لہذا تم میں سے ہر ایک اچھی طرح غور کرلے، کہ کسے دوست بناتا ہے"۔

اچھی صحبت اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے، رَحمتِ کونین ﷺ نے فرمایا: «لَا تَصْحَبْ إِلَّا مُؤْمِناً»[2] "دوستی صرف مؤمن مسلمان ہی سے کیا کرو"؛ کیونکہ اچھوں کی صحبت اچھے کام پر اُبھارتی ہے، اس کے برعکس بُرے کی سنگت بُرائی کی راہ دِکھاتی ہے، اعمالِ صالحہ سے غافل کرتی ہے، لہذا ہم میں سے ہر ایک پر لازم وضروری ہے، کہ اچھے دوست وہمنشیں کا انتخاب کرے، اچھا دوست وہ ہے جو نیک راہ پر گامزن کرتا ہے، تمام مُعاملات میں ہماری بھلائی چاہتا ہے، آقائے دو جہاں ﷺ نے اچھی دوستی کی اہمیت اُجاگر کرتے ہوئے فرمایا: «خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ»[3] "اللہ تعالی کے نزدیک بہترین دوست وہ ہے، جو اپنے دوَست وہمنشیں کے لیے اچھا ہے"، اچھی ہمنشینی انسان کی دنیا وآخرت کو سنوارتی ہے، نیز اللہ ورسول اور صالحین کی محبت بھی پیدا کرتی ہے۔

بُری صحبت کا اثر

عزیزانِ محترم! جہاں اچھی صحبت کے اچھے اثرات مرتّب ہوتے ہیں، وہیں بُری صحبت وہمنشینی انسان پر بُرا اثر بھی ڈالتی ہے، بُرے لوگوں کی ہمنشینی بندے کو اللہ ورسول کا باغی بنا دیتی ہے، فرائض، واجبات اور سنن ونوافل میں کوتاہی وسُستی اور

---

(۱) "سنن أبي داود" كِتَاب الْأَدَبِ، ر: ٤٨٣٣، صـ٩٨٣.

(٢) "مسند الإمام أحمد" مسند أبي سعيد الخدري، ر: ١١٣٣٧، ٤/ ٧٧.

(٣) "سنن الترمذي" باب ما جاء في حقّ الجوار، ر: ١٩٤٤، صـ٤٥٢.

گناہوں پر جرأت دِلاتی ہے، حُدود اللہ کی پامالی پر اُبھارتی ہے، بُرے اَخلاق کا خوگر بناتی ہے، بُری صحبت قطعِ رِحمی، والدین کی نافرمانی، حقوق العباد میں کوتاہی، غرور و تکبر، ظلم وجبر وغیرہ گناہوں کا عادی بناتی ہے۔

بُری صحبت شیطان کو پسند ہے، اس کے باعث انسان کی دنیا وآخرت دونوں خراب ہو جاتی ہیں، جو شیطان کو خوش کرنے والے کام کرتا ہے، شیطان اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ بُروں کی ہمنشینی بہت ہی بُری ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا﴾[1] "جس کا ساتھی شیطان ہوا، تو وہ کتنا بُرا ہمنشین ہے!"۔

بُری صحبت اور بُری دوستی کے اثرات بُرے ہوتے ہیں، اَیسی دوستی فوراً سے پیشتر ترک کر دینی چاہیے، حضرت سیّدنا مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے داماد مغیرہ بن شُعبہ سے فرمایا: "اے مغیرہ! جس بھائی یا دوست کی ہمنشینی سے کوئی دینی فائدہ نہ ہو، تو سلامتی اِسی میں ہے کہ اُسے ترک کر دو"[2]۔ تو معلوم ہوا کہ بُری صحبت اثر کرتی ہے، اور دونوں جہاں میں نقصان وخُسران کا باعث بھی بنتی ہے، لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو اس سے اجتناب کرنا لازم وضروری ہے۔

خود احتسابی کا عمل

میرے عزیز دوستو اور نوجوانو! جوانی جُنون و پاگل پن سے تعبیر کی جاتی ہے، بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں جنہیں اپنے حقیقی نفع ونقصان کا شُعور رہتا ہے، ورنہ اکثر لوگ جوانی کی مستی میں اپنی زندگی کے قیمتی اور اَنمول لمحات کو نہایت ادنیٰ وفضول کاموں میں ضائع کر رہے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ انسان جتنا جوانی میں برباد ہوتا

---

(۱) پ۵، النساء: ۳۸.

(۲) "کشف المحجوب" [مترجم]، بیسواں باب صحبت، ص۴۶۵- ۴۶۶ مختصراً۔

ہے، اُتنا بچپن اور بڑھاپے میں برباد نہیں ہوتا، حضور نبئ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الشَّبَابَ شُعْبَةٌ مِنَ الْجُنُونِ»[1] "جوانی جنون کی ایک قسم ہے"۔

عموماً انسان جوانی ہی میں بہتر طور پر کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، دین، قوم وملّت کی ترقی کے لیے جتنا جوانی میں بھاگ دَوڑ کر سکتا ہے، بچپن اور بڑھاپے میں نہیں کر سکتا؛ لہٰذا اس وقت کو غنیمت جانیں، اور روزِ حساب سے قبل ہی اپنا اپنا احتساب ضرور کریں۔ حضرتِ سیّدنا عمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: «حَاسِبُوْا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوْا»[2] "اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے، خود اپنا حساب کرلو!"۔

حضراتِ گرامی قدر! خود احتسابی کے اس عمل میں ہر شخص اس بات پر غور کرے، کہ آج میں نے جتنے بھی اُمور انجام دیے، اُن میں نیّت کیا تھی؟ دکھلاوا دنیاداری کی نیّت تھی؟ یا مقصد اللہ ورسول کو راضی کرنا تھا؟ اگر مقصد دکھلاوا اور رِیاکاری ہے تو اُس کے لیے بربادی ہے، وہ ناکام ہے، اور اگر مقصد رِضائے الٰہی، خدمتِ دین اور تحفظِ اسلام ہے، تو اُس کے لیے کامیابی وکامرانی ہے؛ لہٰذا ہمیں آج ہی سے اپنی جانچ پڑتال کر کے، اپنے اعمال درست کر لینے چاہییں، اور زندگی کے قیمتی واَنمول لمحات دینِ اسلام اور ملک وقوم کی خدمت میں صَرف کرنے ہیں! یقین جانیے کہ اگر ہم نے ایسا کرلیا تو کثیر رحمتیں، برکتیں اور اجر وثواب کی دَولت ہمارا مقدّر ہوگی، بصورتِ دیگر ہمارا شمار شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں میں ہوسکتا ہے۔ خالقِ کائنات جلّ جلالہ اپنے کلامِ پاک میں

---

(١) "مسند الشهاب" ر: ١١٦، ١/ ١٠٠

(٢) "سنن الترمذي" أبواب صفة القيامة، ر: ٢٤٥٩، صـ٥٦٠.

ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾[1] "اے ایمان والو! شیطان کے قدموں پر نہ چلو، اور جو شیطان کے قدموں پر چلے تو وہ تو بے حیائی اور بُری ہی بات بتائے گا!"۔

لہٰذا شیطان کی باتوں میں ہرگز نہ آئیں؛ کیونکہ وہ ہمارا ازَلی دشمن ہے، وہ ہمیں گمراہ کرنے کی پوری کوشش کرے گا، طرح طرح کے فتنوں میں ڈالے گا، اور ہم سے گناہ کروانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے گا؛ کیونکہ شیطان اپنے ماننے والوں کو نیکی اور ہدایت کی دعوت نہیں دیتا، بلکہ وہ تو ہمیشہ بے حیائی اور بدکاری کی تلقین کرتا ہے، اور بُرے کاموں کو اس حسین انداز سے پیش کرتا ہے، کہ اُن کے برے نتائج نگاہوں سے اَوجھل ہوکر رہ جاتے ہیں، انسان یہی سمجھنے لگتا ہے کہ ساری مسرّتیں، ساری عزّتیں اِنہی بُرے کاموں میں سمٹ آئی ہیں، شیطان کے اکسانے پر، وہ ایسے ایسے گناہ اور حیاسوز حرکتیں کرڈالتا ہے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں۔

میرے عزیز دوستو! ہمارے اَسلافِ کرام تواَدنیٰ سی بُرائی سے بھی بہت دُور بھاگا کرتے تھے، حضرت سیّدنا نافع رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں، کہ حضرت سیّدنا ابنِ عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے گانے کی آواز سنی، تواپنی انگلیاں کانوں میں ڈالتے ہوئے اس جگہ سے دُور ہٹ گئے، اور دُور جاکر مجھ سے فرمایا: «يَا نَافِعُ! هَلْ تَسْمَعُ شَيْئاً؟» "اے نافع! کیاتم کچھ سُن رہے ہو؟" عرض کیا: کہ نہیں، تب آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے انگلیاں اپنے کانوں سے نکالیں اور فرمایا: «كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَسَمِعَ مِثْلَ هٰذَا، فَصَنَعَ مِثْلَ هٰذَا»[2] "میں

(۱) پ۱۸، النور: ۲۱.

(۲) "سنن أبي داود" باب كراهية الغناء والزمر، ر: ٤٩٢٤، صـ٦٩٤.

نبئ کریم ﷺ کے ساتھ تھا، توانہوں نے اسی کی مثل سُنا، تو ایسا ہی کیا جیسے میں نے کیا"۔ یقیناً جن جوانوں نے ایمان پر استقامت پائی، اُن کے لیے راہِ ہدایت کے دروازے کھلے رہتے ہیں، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى﴾[1] "وہ کچھ جوان تھے کہ اپنے رب پر ایمان لائے، اور ہم نے اُن کو ہدایت بڑھائی"۔

اے میرے نوجوان دوستو! جوانی قوم وملّت کی زندگی اور حفاظت وبقا کی ضامن ہے، اسی سے ملک وقوم کی ترقّی اور اجتماعیت کا دوام ہے، لہٰذا اس کی بھرپور حفاظت کرنا، اور گناہوں سے بچنا ہم سب پر لازم وضروری ہے۔

جوانی میں عبادت کی فضیلت

حضراتِ محترم! اپنی جوانی کی حفاظت کرنے، اور اسے عبادت وریاضت میں گزارنے والے نوجوانوں کے لیے، مصطفی جانِ رحمت ﷺ کے فرامین کے مطابق روزِ قیامت سایۂ رحمت کا وعدہ، اور فرشتوں جیسا مقام ہے، حدیث شریف میں ہے: «سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِيْ ظِلِّهِ، يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ» "سات قسم کے لوگ ایسے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سایۂ رَحمت میں جگہ عطا فرمائے گا، جس دن اُس کے سایۂ رَحمت کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا"۔ انہی میں سے ایک سے متعلق فرمایا: «وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ»[2] "وہ جوان جس نے جوانی اپنے رب تعالیٰ کی عبادت میں گزاری"۔

---

(۱) پ۱۵، الکهف: ۱۳.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الأذان، ر: ٦٦٠، صـ۱۰۷.

ایک اَور حدیث شریف میں ہے: «وَلِلشَّابِّ التَّارِكِ لِحُرُمَاتِ اللهِ الْعَامِلِ بِطَاعَةِ الله، كُلُّ أَجْرِ سَبْعِينَ صِدِّيقاً»[۱] "اللہ عَزَّوَجَلّ کی حرام کردہ چیزوں سے بچنے، اور اس کے اَحکام پر عمل کرنے والے نوجوان کے لیے، ستّر ۷۰ صدّیقین کے برابر ثواب ہے!"۔

فکرِ آخرت اور آج کا نوجوان

عزیزانِ محترم! یہ دنیا چند روزہ ہے، اس کی تمام آسائشیں، آرائشیں اور لذّتیں فنا ہونے والی ہیں، لیکن آج کا نوجوان اِنہی پر فریفتہ ہوکر، ربّ تعالی کی ناراضگی کے کاموں میں لگا ہوا ہے، یہ انتہاء درجے کی نادانی ہے، ہمارا ہر سانس جَوہرِ اَنمول ہے، حتّی کہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، اس کا مقابلہ ایک سانس جیسی نعمت سے بھی نہیں کیا جاسکتا۔ شیطان انسان کو لمبی اُمیدوں میں ڈال کر، گناہوں میں مبتلا کرکے، توبہ واستغفار سے غافل کردیتا ہے، مگر ہر مسلمان جانتا ہے، کہ بلا چُون وچرا اَحکامِ الٰہی اور ارشاداتِ نبوی ﷺ کی تعمیل کے لیے جُھک جانے، ایمان پر ثابت قدم رہنے، اور توبہ واستغفار کرتے رہنے والوں کا خاتمہ بالخیر ایمان پر ہوتا ہے، دونوں جہاں کی کامیابی وکامرانی اُن کا مقدّر ہوتی ہے، خالقِ کائنات جَلَّ جَلالُہ نے فرمایا: ﴿وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾[۲] "اے ایمان والو! سب مل کر اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو؛ تاکہ تم فلاح (کامیابی) پاؤ!"۔

---

(۱) "الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك" ر: ۲۲۹، صـ۷۸.

(۲) پ۱۸، النُّوْر: ۳۱.

اے میرے نوجوانو! انسان سے غلطیاں سرزد ہوجاتی ہیں، مگر اچھا انسان وہ ہے جو فوراً ربّ تعالی کی بارگاہ میں جھک جائے، گریہ وزاری کرے، مُعافی مانگ کر آئندہ گناہوں سے بچتا رہے، حضرت سیّدنا انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، مصطفی جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ»[۱] "ہر آدمی خطا کار ہے، اور خطا کاروں میں بہتر وہ ہیں جو گناہ کے بعد توبہ کرلیں"۔ لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ ربّ تعالی کی طرف رُجوع کرے، اپنی غلطیوں سے توبہ کرے، مُعافی مانگے، یقیناً اللہ فضل وکرم فرمانے والا ہے۔

توبہ کرنے والے لوگ اللہ تعالی کے پسندیدہ ومحبوب ہیں، خالقِ کائنات جَلَّ جَلَالُہٗ ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾[۲] "اللہ تعالی بہت توبہ کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، اور ستھرے لوگوں سے محبت فرماتا ہے"۔

سرکارِ اَبد قرار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «للهُ أَشَدُّ فَرَحاً بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِيْنَ يَتُوبُ إِلَيْهِ مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ بِأَرْضِ فلاةٍ، فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ، وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُه، فَأَيِسَ مِنْهَا، فَأَتَى شَجَرَةً، فَاضْطَجَعَ فِيْ ظِلِّهَا، قَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهِ، فَبَيْنَا هُوَ كَذَلِكَ إِذَا هُوَ بِهَا، قَائِمَةً عِنْدَهُ»[۳] "اگر کوئی شخص جنگل میں اپنی سواری پر ہو، اور وہ سواری اس سے گم ہوجائے، جس پر اُس کے کھانے پینے کا سامان ہو، پھر وہ تلاش کے بعد مایوس ہوکر ایک درخت کے سائے میں لیٹ

---

(۱) "سنن الترمذي" أبواب صفة القيامة، ر: ۲٤۹۹، صـ٥٦٨.

(۲) پ۲، البقرة: ۲۲۲.

(۳) "صحيح مسلم" كتاب التوبة، ر: ٦۹٦۰، صـ۱۱۹۱.

جائے، اچانک وہ سواری اس کے پاس آکھڑی ہو، تو اسے جس قدر خوشی ہوگی! جب اللہ کا بندہ توبہ کرتا ہے، تو اللہ تعالی کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے!"۔

رفیقانِ ملّتِ اسلامیہ! توبہ سارے گناہوں کو مٹا دیتی ہے، حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، سرکارِ دو عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهُ»[1] "گناہوں سے سچی توبہ کرنے والا ایسا ہے، جیسے اُس کا کوئی گناہ ہے ہی نہیں"۔

میرے نوجوان دوستو، بھائیو اور بزرگو! ہماری خوش قسمتی ہے کہ رمضان المبارک کا عظیم الشان، اور مقدّس مہینہ اپنی تمام تر رَحمتوں، برکتوں اور سعادتوں کے ساتھ ہمارے درمیان موجود ہے، اکثر دن گزر گئے ہیں اور کچھ ابھی باقی ہیں، اس مبارک مہینہ میں اللہ کریم کی رَحمت ومغفرت کا دریائے فضل وکرم خُوب جوش پر ہے، اس مبارک مہینے میں انسان خود بخود نیکیوں کی طرف راغب ہو جاتا ہے، اور قلب وجگر پر رُوحانیّت کی فضا چھائی رہتی ہے، اس ماہِ مبارک میں ہمیں اپنی اِصلاح کرنی ہیں، یہ سنہری موقع ہے، جو لوگ بالخصوص ہمارے نوجوان غفلت وسستی کا شکار ہیں، وہ اس مبارک ماہ کو غنیمت جانتے ہوئے، اپنے تمام گناہوں اور نافرمانی والی زندگی سے توبہ کرکے، اپنی عاقبت سنوار سکتے ہیں، لہٰذا ہر مسلمان ماہِ غفران کی مبارک ساعتوں سے فائدہ اُٹھائے، اور سچی توبہ کرکے اللہ ورسول کا پیارا بن جائے!۔

---

(١) "سنن ابن ماجه" كتاب الزهد، باب ذكر التوبة، ر: ٤٢٥٠، صـ٧٢٥.

دعا

اے اللہ! ہمیں رمضان المبارک کے صدقے تمام گناہوں سے سچی تَوبہ کرنے، اس پر مستقیم رہنے، اور زیادہ سے زیادہ اعمالِ صالحہ کی بجاآوری کی توفیق مرحمت فرما، رمضان شریف کی خُوب خوب برکتیں نصیب فرما، ہمیں بُری صحبت سے بچ کر اچھی صحبت اختیار کرنے کی توفیق عطا فرما، نیک صحبت کے اثرات وفوائد نصیب فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

عید الفطر

(اشوّال المکرّم ۱۴۴۱ھ - ۲۵/۵/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُر نور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

محترم بھائیو! رمضان کے روزوں، عبادات، تلاوتِ قرآن، تراویح، ترجمہ وتفسیر کا پڑھنا پڑھانا، لیلۃ القدر کی عبادات، گریہ وزاری، اور سچی توبہ کے بعد، اللہ تعالی کی طرف سے اہلِ ایمان کو، بطورِ انعام عید الفطر کا دن عطا فرمایا گیا، یہ دن بھی ایک عظیم الشان نعمت ہے، ہمارے لیے اس میں خوشی ومسرّت کا اِظہار جائز رکھا گیا ہے؛ تاکہ قلبی خوشی کے ساتھ ساتھ، نعمتِ الٰہی اور اس کے فضل واحسان پر اِظہارِ تشکر بھی ہو جائے۔

صدقۂ فطر واجب ہے

حضراتِ گرامی قدر! متعدّد احادیثِ مبارکہ سے صدقۂ فطر کا وُجوب ثابت ہے، حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے: «فَرَضَ رَسُولُ الله ﷺ زَكَاةَ الفِطْرِ ...عَلَى العَبْدِ وَالحُرِّ، وَالذَّكَرِ وَالأُنْثَى، وَالصَّغِيرِ

وَالكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»(۱) "رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے، چاہے وہ غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا"۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ سرکارِ دو عالَم ﷺ نے مکّہ شریف کی گلیوں میں مُنادی بھیج کر یہ اعلان کروایا: «أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ، ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى، حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ، صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ»(۲) "صدقۂ فطر ہر مسلمان مرد و عورت، آزاد و غلام، چھوٹے بڑے پر واجب ہے"۔

صدقۂ فطر کے اَحکام

عزیزانِ محترم! اللہ تعالی نے ہمیں رمضان المبارک میں دیگر عبادات کے ساتھ ساتھ صدَقات وخیرات، مسکینوں کو کھانا کھلانے، حسبِ استطاعت ضرورت مندوں کی مدد کرنے کی توفیق اور سعادت عطا فرمائی، آج ہم پر عید الفطر کا خوشیوں بھرا مبارک دن سایہ فگن ہے، عید الفطر کے روز بھی اللہ تعالی نے ہمیں صدقۂ فطر کے ذریعے، محتاج وضرورت مندوں کے ساتھ تعاوُن اور اُن کی مدد کا مَوقع فراہم کیا ہے۔

صدقۂ فطر کی ادائیگی ہر صاحبِ نصاب پر واجب ہے، "صدقۂ فطر کے وُجوب کے لیے صاحبِ نصاب کے مال: سونے، چاندی، روپے، یا مالِ تجارت پر سال گزر جانا ضروری نہیں، بلکہ اگر عید کے دن بھی کسی کے پاس، ضروریاتِ زندگی سے زائد سامان، بقدرِ نصاب موجود ہو، تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے"(۳)

(۱) "صحيح البخاري" ر: ۱۵۰۳، صـ۲٤٥ ملتقطاً.

(۲) "سنن الترمذي" باب ما جاء في صدقة الفطر، ر: ٦٧٤، صـ۱۷۲.

(۳) "ردّ المحتار" كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ٦/ ۱۳۲.

کہ وہ اپنے نابالغ بچوں کی طرف سے بھی اسے ادا کرے[1]۔

صدقۂ فطر ہر اُس مسلمان کو دے سکتے ہیں جسے زکات دے سکتے ہیں، اور اسے نمازِ عید سے پہلے ادا کرنا چاہیے، حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعالیٰ عَنہُما نے فرمایا: «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِزَكَاةِ الفِطْرِ قَبْلَ خُرُوجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلاَةِ»[2] "نبئ کریم صَلَّی اللہُ تَعالیٰ عَلَیہِ وَسَلَّم نے صدقۂ فطر نمازِ عید سے پہلے ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے"، ورنہ نماز کے فوراً بعد تو صدقۂ فطر ضرور ادا کر دینا چاہیے؛ کہ حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعالیٰ عَنہُما نے فرمایا: «مَنْ أَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلاَةِ فَهِيَ زَكَاةٌ مَقْبُولَة، وَمَنْ أَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلاَةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ»[3] "جس نے صدقۂ فطر نمازِ عید سے پہلے ادا کیا، وہ مقبول زکات ہے، اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا، تو وہ دیگر صدَقات کی طرح ایک صدقہ ہے"۔

صدقۂ فطر کی مقدار تقریبًا دو ۲ کلو گرام گندم، یا اس کی قیمت ہے (پاکستان میں اس سال یہ رقم ایک سو پچیس ۱۲۵ روپے فی کس مقرّر کی گئی ہے)، اور جن حضرات کو اللہ تعالی نے نعمتِ مال سے زیادہ نوازا ہے، کہ اُن کے گھروں میں ایک وقت میں کئی کئی قیمتی، اور انواع واَقسام کے کھانے پکائے اور کھائے جاتے ہیں، قیمتی مکان، قیمتی لباس کی نعمت انہیں میسّر ہے، تو اَیسے حضرات کھجور، بادام، پستہ، کشمش، یا منقّی وغیرہ قیمتی چیزوں کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کریں، یہ اُن کے لیے زیادہ بہتر

(١) "الدرّ" كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ٦/ ١٤٥، ١٤٦.

(٢) "صحيح البخاري" باب الصدقة قبل العيد، ر: ١٥٠٩، صـ٢٤٥.

(٣) "سنن أبي داود" كتاب الزكاة، باب زكاة الفطر، ر: ١٦٠٩، صـ٢٣٩.

ہے؛ تاکہ محتاجوں، ضرورت مندوں کا زیادہ فائدہ ہو، اور وہ بھی اچھے انداز سے اپنی ضرورتیں پوری کر سکیں، حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: «زَكَاةُ الْفِطْرِ عَلَى كُلِّ حُرٍّ وَعَبْدٍ، ذَكَرٍ وَأُنْثَى، صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ، ...صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ، أَوْ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ»[1] "صدقۂ فطر ہر چھوٹے بڑے، اور آزاد وغلام، مرد وعورت پر کھجور کا ایک صاع ہے، اور گیہوں کا آدھا صاع (تقریبًا ۲ کلوگرام)"۔

صدقۂ فطر روزے کو پاک کرنے کا ذریعہ ہے

صدقۂ فطر ہم سے رمضان شریف میں سرزد ہونے والی کوتاہیوں اور غلطیوں کا کفّارہ بھی ہے، جیساکہ حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: «فَرَضَ رَسُولُ الله ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِلصِيامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ، وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِينِ»[2] "رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر، بے کار باتوں اور فحش گوئی سے روزے کو پاک کرنے، اور مساکین کو کھانا کھلانے کے لیے مقرّر فرمایا"۔ صدقۂ فطر کے مَصارِف وہی ہیں جو زکات کے ہیں، یعنی جن لوگوں کو زکات دی جاسکتی ہے، انہیں کو فطرہ بھی دے سکتے ہیں، اور جنہیں زکات نہیں دے سکتے، انہیں فطرہ بھی نہیں دیا جاسکتا[3]۔

صدقۂ فطر، عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیرات کہنا، اور نمازِ عید

میرے بزرگو ودوستو! اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾

---

(۱) "مصنَّف عبد الرزّاق" باب زكاة الفطر، ر: ۵۷۶۱، ۳/ ۳۱۱، ملتقطاً.

(۲) "سنن أبي داود" كتاب الزكاة، باب زكاة الفطر، ر: ۱۶۰۹، صـ۲۳۹.

(۳) "الدرّ" كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ٦/ ۱۷۲.

﴿وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾[1] "یقیناً مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا، اور اپنے رب تعالی کا نام لے کر نماز ادا کی"۔ اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں ہے کہ ﴿تَزَكّٰى﴾ سے مراد صدقۂ فطر ادا کرنا ہے، "اور رب تعالی کا نام لینے" سے مراد عید گاہ کے راستہ میں تکبیرات کہنا ہے، اور یہاں "نماز" سے مراد نمازِ عید ہے[2]۔

عید کے اَحکام وآداب

برادرانِ اسلام! عید کے دن اپنے اَہل وعِیال اور دیگر قَرابتداروں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا، اور ٹوٹے تعلقات کو جوڑنا ہے، کہ عید کی صبح فرشتے تمام راستوں کے کنارے کھڑے ہو کر، مسلمانوں کو گناہوں کی مُعافی، رب تعالی کی رِضا، اور اس کی عطا وبخشش کی خوشخبری سناتے ہیں۔

عید کے دن حجامت بنوانا، ناخن ترشوانا، غُسل کرنا، مسواک کرنا، نیا یا دُھلا ہوا اچھا لباس پہننا، خوشبو لگانا، نمازِ فجر محلّے کی مسجد میں ادا کرنا، عید گاہ جلد آنا، نمازِ عید کے لیے ایک راستے سے آنا اور دوسرے سے واپس جانا، یہ سب باتیں عید کی سنتیں اور مستحبات سے ہیں۔

حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے: «كَانَ رسول الله صلی اللہ تعالی علیہ وسلم إِذَا خَرَجَ يَوْمَ العِيدِ فِي طَرِيقٍ، رَجَعَ فِي غَيْرِهِ»[3] "رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نمازِ عید کے لیے ایک راستے سے جاتے، اور دوسرے سے واپس تشریف لاتے"،

---

(۱) پ۳۰، الأعلى: ۱٤، ۱٥.

(۲) "التفسيرات الأحمديّة" صـ۷٤۰.

(۳) "سنن الترمذي" أبواب العيدَين، ر: ٥٤۱، صـ۱٤۲.

ایک راستے سے جانے اور دوسرے سے واپسی میں بہت سی حکمتیں ہیں: (۱) حضور نبیٔ کریم ﷺ ایک راستے سے عید گاہ کو جاتے، اور دوسرے سے واپس آتے؛ تاکہ دونوں راستوں کو برکت حاصل ہو جائے، (۲) دونوں طرف کے لوگ آپ ﷺ سے بروزِ عید بھی فیض پائیں، (۳) ہر طرف کے منافقین وکفّار مسلمانوں کی کثرت کو دیکھ کر دبے رہیں، (۴) راستوں میں بھیڑ کم ہو، (۵) دونوں راستوں کے فُقراء پر خیرات ہو جائے، (۶) اہلِ قرابت کی قبور جو ان راستوں میں واقع ہیں ان کی زیارت ہو جائے، (۷) اور دونوں راستے ہماری نماز وایمان کے گواہ بھی بن جائیں[1]۔

نمازِ عید مسجد میں ہو چاہے عید گاہ میں، وہاں تک پَیدل جانا (گاڑی میں یا سواری پر جانا بھی جائز ہے)، نمازِ عید کے لیے اطمینان ووَقار، اور نگاہ کچھ نیچی کیے ہوئے جانا، آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دینا، یہ باتیں بھی عید کی سنّتوں اور مستحبَّات میں سے ہیں۔

نمازِ عید سے پہلے کچھ کھالینا

عزیز دوستو! نمازِ عید کو جانے سے پہلے، طاق عدد میں چند کھجوریں کھالینا سنّت ہے، ناشتہ بھی کیا جاسکتا ہے، کھجوریں نہ ہوں تو کوئی بھی میٹھی چیز کھالینی چاہیے، حضرت سیّدنا بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَخْرُج يَومَ الفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ»[2] "عید الفطر کے دن جب تک حضور نبیٔ رحمت ﷺ کچھ کھا نہ لیتے، عید گاہ کو تشریف نہ لے جاتے"۔

---

(۱) "مرآۃ المناجیح" عیدین کی نماز کا باب، پہلی فصل، تحت ر: ۱۴۳۴، ۳۵۶/۲، ملخصًا۔

(۲) "سنن الترمذي" أبواب العيدَين، ر: ٥٤٢، صـ١٤٢.

اذان اور اِقامت کے بغیر عیدَین کی نماز

برادرانِ اسلام! نمازِ عید کے لیے نہ اذان ہوتی ہے، نہ اِقامت کہی جاتی ہے، حضرت سیّدنا جابر بن سمُرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: «صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم العِيدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ، بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ» "میں نے بارہا عیدَین کی نماز نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ، اذان اور اِقامت کے بغیر ادا کی ہے"۔ لہذا اصحابۂ کرام وتابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اسی پر عمل رہا، کہ عید کی نماز اور نوافل کے لیے اذان نہ دی جائے[1]۔

محترم بھائیو! عید کا دن عظمت ورفعت کے ساتھ ساتھ، اللہ تعالی کی طرف سے روزہ داروں کی مہمانی، اِنعام واِکرام اور گناہوں کی بخشش کا دن بھی ہے، اس دن روزہ رکھنا گناہ ہے۔ عید کے دن خوشی کا اظہار بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق ہونا چاہیے۔ اس دن ملائکہ راستوں میں کھڑے آواز دیتے ہیں، کہ اے مسلمانو! آج تمہاری دعوت کا دن ہے؛ کیونکہ کل تک تو اللہ تعالی نے تمہیں روزے کا حکم دے رکھا تھا، لہذا تم نے روزے رکھے، عبادت کی۔ نمازِ عید کے بعد صَدا کی جاتی ہے، کہ سُن لو! اللہ تعالی نے تمہارے گناہ مُعاف فرما دیے ہیں! تم خوشی خوشی اپنے گھروں کو لَوٹ جاؤ!؛ کہ آج کا دن تمہارے لیے اِنعام واِکرام کا دن ہے[2]۔ لہذا ہمیں بھی عید کے دن زیادہ سے زیادہ اعمالِ صالحہ بجالانے ہیں، ضرورت مندوں کا خیال رکھنا ہے، اور سب کے ساتھ حسنِ اَخلاق وحسنِ سُلوک سے پیش آنا ہے!۔

---

(١) المرجع نفسه، ٥٣٢، صـ١٤٠.
(٢) "شعب الإيمان" ٢٣- باب في الصيام، ر: ٣٦٩٥، ٣/ ١٣٦٢ باختصار.

عید خوشی اور فرحت کا دن ہے

عزیز دوستو! ہمیں اللہ تعالی نے بے شمار اِنعام واِکرام سے نوازا ہے، عید الفطر پورے جوش وجذبہ سے مَنانی ہے؛ کہ یہ ہماری یکجہتی کی عظیم مثال ہے، جو رہتی دنیا تک قائم رہے گی، ان شاء اللہ مسلمان اسلامی اُصول وضوابط کے مطابق عید کی خوشیاں منائیں گے۔ عید کا دن خوشی اور فرحت، رشتہ داروں سے حُسنِ سُلوک، دوستوں اور پڑوسیوں سے ملاقات اور غریب ومستحقین کی مدد کا دن ہے؛ کیونکہ باہمی میل ملاپ اور ہمدردی سے محبت بڑھتی ہے، دلوں کی کدُورتیں دُور ہوتی ہیں، مُصافحہ (ہاتھ ملانے) سے گناہ جھڑتے ہیں، رحمتِ عالمیان ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَان، إِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ أَنْ يَفْتَرِقَا»[1] "جب دو ۲ مسلمان آپس میں ملتے اور مُصافحہ کرتے ہیں، تو ان کے جُدا ہونے سے پہلے ان دونوں کی مغفرت کردی جاتی ہے"۔

میرے محترم بھائیو! عید کے دن ہر جائز طریقہ سے خوشی کا اِظہار کرنا چاہیے، ایک دوسرے کو مبارکباد دینا، اور آپس میں مصافحہ ومعانقہ بھی کرنا چاہیے، کہ مصطفیٰ جانِ رَحمت ﷺ نے مُعانقہ کے بارے میں فرمایا: «كَانَتْ تَحِيَّةُ الْأُمَمِ وخَالِصُ وُدِّهِمْ، وَأَوَّلَ مَنْ عَانَقَ إِبْرَاهِيمُ عليه الصلاة والسلام»[2] "گلے ملنا مختلف اَقوام کا سلام اور ان کی بہترین دوستی (کا مَظہَر) تھا، اور سب سے پہلے مُعانقہ کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام ہیں"۔ لہٰذا عید کے دن جائز طَور پر اظہارِ خوشی،

(۱) "سنن أبي داود" كتاب الأدب، باب في المصافحة، ر: ٥٢١٢، صـ٧٣١.

(۲) "الإخوان" لابن أبي الدنيا، باب في مُعانقة الإخوان، ر: ١٢٥، صـ١٨٠.

مُصافحہ ومُعانقہ، رشتہ دار، عزیز واَقارب اور دوست واَحباب کی دعوت وغیرہ بھی خوشی ومسرّت کے اظہار کا ایک بہترین انداز ہے۔

عید کا دن خوشی کا دن ہے

عزیزانِ محترم! عید کا دن خوشی کا دن ہے، اس دن اعمالِ صالحہ کی کثرت کے ساتھ ساتھ خوشی کے اِظہار کا بھی حکم دیا گیا ہے، حضرت سیّدنا انَس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ منوّرہ تشریف لائے، اُس زمانے میں اَہلِ مدینہ سال میں دو ۲ دن خوشی منایا کرتے، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَا هَذَانِ الْيَوْمَانِ؟» "یہ دو ۲ دن کیسے ہیں؟" لوگوں نے عرض کی کہ زمانۂ جاہلیت سے ہم اِن دنوں میں خوشی مناتے آئے ہیں، فرمایا: «إِنَّ اللهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْراً مِنْهُمَا: (١) يَوْمَ الأَضْحَى، (٢) وَيَوْمَ الْفِطْرِ»[1] "اللہ تعالی نے اُن دو ۲ دنوں کے بدلے، اُن سے بہتر دو ۲ دن تمہیں عطا فرما دیے ہیں: (۱) یومِ اَضحیٰ، (۲) اور یومِ فطر"۔

محترم بھائیو! عید کے دن دیگر لوگوں کے ساتھ ساتھ، خصوصاً اپنے اَہل وعِیال کے ساتھ خوشی کا اِظہار کرنا بھی ضروری ہے، حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، کہ میرے ہاں حضرت سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے، اُس وقت اَنصار کی دو ۲ بچیاں میرے پاس وہ اَشعار گا رہی تھیں، جو اَنصار نے کہے تھے، حضرت سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر میں گیت گائے جا رہے ہیں؟! وہ عید کا دن تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(١) "سنن أبي داود" كتاب الصلاة، ر: ١١٢٤، صـ١٧٠.

نے فرمایا: «يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّ لِكُلِّ قومٍ عِيداً، وهذا عِيدُنَا»[1] "اے ابوبکر! ہر قَوم کے لیے ایک عید ہوتی ہے، اور آج ہماری عید ہے!"۔

نمازِ عید کا طریقہ

پہلی رکعت

رفیقانِ ملّتِ اسلامیہ! نمازِ عید کی ادائیگی واجب ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو ۲ رکعت نمازِ عید الفطر واجب کی نیّت کرکے، دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھائیں، اور "اللہُ اکبر" کہہ کر ناف کے نیچے باندھ لیں، پھر سب آہستہ سے ثناء پڑھیں، پھر کانوں تک ہاتھ اُٹھا کر تکبیر، یعنی "اللہ اکبر" کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں، پھر اسی طرح دوسری بار بھی کانوں تک ہاتھ اُٹھائیں، "اللہ اکبر" کہہ کرہاتھ چھوڑ دیں، تیسری بار پھر کانوں تک ہاتھ اُٹھائیں اور "اللہ اکبر" کہہ کرہاتھ باندھ لیں (یہاں ایک قاعدہ یاد رکھ لیجیے کہ جہاں تکبیر یعنی "اللہ اکبر" کے بعد کچھ پڑھنا ہے وہاں ہاتھ باندھنے ہیں، اور جہاں کچھ نہیں پڑھنا وہاں ہاتھ چھوڑ دینے ہیں)۔ اب امام صاحب آہستہ سے تعوّذ وتسمیہ یعنی "اعوذ باللہ" اور "بسم اللہ" پڑھ کر بلند آواز سے "سُورۂ فاتحہ" اور کوئی سورت پڑھیں گے، آپ مقتدی حضرات اس دَوران خاموش رہیں گے؛ کیونکہ مقتدی پر خاموشی واجب ہے، قرأت مکمل کرنے کے بعد رکوع وسجود کریں گے، اور دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوجائیں گے۔

دوسری رکعت

دوسری رکعت میں پہلے قرأت ہوگی، یعنی "سورۂ فاتحہ" وسُورت پڑھی جائے گی، پھر رکوع میں جانے سے پہلے تین ۳ تکبیریں ہوں گی جیسے پہلی رکعت میں

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب العيدَين، ر: ۹۵۲، صـ۱۵۳.

تھیں، یعنی پہلی، دوسری اور تیسری تکبیر میں ہاتھ کانوں تک اُٹھاکر چھوڑ دیں گے، اور چوتھی تکبیر میں بغیر ہاتھ اُٹھائے صرف "اللہ اکبر" کہتے ہوئے رکوع میں چلے جائیں گے، اور نماز پوری کرکے سلام پھیر دیں گے"[۱]۔

نماز کے اختتام پر دو ۲ خطبے پڑھے جائیں گے، خطبے میں فطرانے کے اَحکام بتائے جائیں۔ جیسے جمعہ اور نکاح کا خطبہ سننا واجب ہے، اسی طرح عیدَین کا خطبہ سننا بھی واجب ہے، اس کے بعد دعا ہوگی، اور پھر سب لوگ آپس میں عید ملیں، اور ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کریں۔

دعا

اے اللہ! ہم میں جو صاحبِ نصاب ہیں، انہیں اپنی مالی حیثیت کے مطابق صدقۂ فطر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما، عید کے دن کی خوشیاں نصیب فرما، تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی بحسن وخوبی انجام دینے کی بھی توفیق عطا فرما، بخل وکنجوسی سے محفوظ فرما، خوشی سے غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما۔ ہمیں ملک وقوم کی خدمت اور اس کی حفاظت کی سعادت نصیب فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

(۱) "بہارِ شریعت" حصّہ چہارُم، عیدَین کا بیان، ۷۸۱/۱، ۷۸۲، ملتقطاً۔

محبتِ قرآنِ کریم

(جمعۃ المبارک ۶ شوّال المکرّم ۱۴۴۱ھ-۲۹/۵/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

قرآنِ کریم کا مقام ومرتبہ

برادرانِ اسلام! قرآنِ کریم خالقِ کائنات جَلّ جلالہ کی نازل کردہ آخری آسمانی بابرکت کتاب ہے، یہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کا وہ عظیم معجزہ ہے، جس میں شک وشُبہ کی کوئی گنجائش نہیں، اس میں ہمارے لیے ہر طرح کا وعظ ونصیحت اور ضروری رَہنمائی کا بیان ہے۔ قرآنِ کریم سے محبت اور اس کے اَحکام پر عمل ہی میں ہماری عزّت وناموَری ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾[1] "یقیناً ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب اُتاری، جس میں تمہاری ناموَری ہے، تو کیا تمہیں عقل نہیں؟!"۔

---

(۱) پ۱۷، الأنبياء: ۱۰.

عزیزانِ محترم! قرآن کریم اللہ تعالی کی توحید، اور اس کے رسولوں کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے، یہ وہ کلامِ مقدّس ہے جو لوگوں کو سیدھی راہ دکھا کر، شاہراہِ جنّت پر گامزن کرتا ہے، خالقِ کائنات جلّ جلالہ اس کتاب مقدّس کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ﴾[1] "یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی راہ ہے"۔

میرے عزیز دوستو! یہ وہ کلامِ پاک ہے، جس میں ہر خشک وتر کا بیان ہے، اس کی آیات حکمت سے معمور ہیں، اس کے کلمات مفصَّل ہیں، یہ کتاب بے کار فضول باتوں اور تحریف وتبدیل سے محفوظ ہے، اللہ ربّ العالمین ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ﴾[2] "یقیناً وہ عزّت والی کتاب ہے، باطل کو اس کی طرف راہ نہیں، نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، اُتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے (رب تعالی) کا"۔

صالحین کی قرآنِ کریم سے محبت کا عالَم

حضراتِ گرامی قدر! اللہ تعالی کے نیک اور صالح بندوں نے، ہمیشہ قرآنِ کریم کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنایا، محبتِ قرآن کی شمع کو اپنے دلوں میں جلائے رکھا، محبوبانِ الٰہی جب کلامِ ربّانی کی صدائے پُراثر سنتے تو سجدہ ریز ہو جاتے، ان کے قلوب واَرواح پر برکاتِ قرآنی واَنوارِ ربّانی کا نُزول ہوتا، ان کی آنکھیں پُرنم اور دل بارگاہِ ربُّ العزّت میں جھک جاتے، وہ جُوں جُوں قرآنِ کریم سنتے، اُن کی قرآنِ پاک سے محبت اور

(۱) پ۱۵، الإسراء: ۹.
(۲) پ۲٤، حٰمٓ السجدة: ٤١، ٤٢.

حدّتِ عشق میں مزید اضافہ ہوتا جاتا۔ قرآنِ پاک سے محبت کرنے والوں اور اس کا اثر قبول کرنے والوں سے متعلق، اللہ رب العزّت ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا﴾[1] "وہ ٹھوڑی کے بَل گرتے ہیں روتے ہوئے، اور قرآنِ کریم اُن کے دل کا جھکاؤ مزید بڑھاتا ہے"۔

حضراتِ گرامی قدر! اللہ کے محبوب وصالح بندوں کا، قرآنِ پاک سے بہت گہرا تعلق ہوا کرتا ہے، وہ جب تلاوت کرتے ہیں، تو ان کی محبت اور درد بھری تلاوت سننے کے لیے، ملائکہ نازل ہوتے ہیں، حدیثِ پاک میں ہے کہ حضرت سیّدنا اُسَید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، ایک بار رات کے وقت سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کی، تو اُن کا گھوڑا جو قریب ہی بندھا ہوا تھا، اچانک اُس نے اُچھل کُود اور بِدکنا شروع کر دیا، جب آپ تلاوتِ قرآن موقوف کرتے تو گھوڑا بھی اُچھل کُود موقوف کر دیتا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر تلاوت شروع کی تو گھوڑے نے پھر سے بِدکنا شروع کر دیا، اس طرح کئی بار ہوا، آپ کے صاحبزادے یحییٰ گھوڑے کے قریب ہی لیٹے ہوئے تھے، لہذا آپ نے تلاوتِ قرآن موقوف کر دی؛ کہ کہیں انہیں گھوڑے سے چوٹ نہ آجائے، جب آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا، تو بادل کی طرح کوئی نورانی چیز سایہ کیے نظر آئی، جس میں چراغوں کی طرح رَوشنی تھی، لیکن جب باہر نکلے تو کچھ نظر نہ آیا، صبح بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر تمام ماجرا سنایا، تو مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «تِلْكَ المَلآئِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ، وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ إِلَيْهَا، لاَ تَتَوَارٰى مِنْهُمْ»[2] "وہ فرشتے

---

(١) پ١٥، الإسراء: ١٠٩.

(٢) "صحيح البخاري" كتاب فضائل القرآن، ر: ٥٠١٨، صـ٨٩٩.

تھے جو تمہاری آواز کے قریب آ گئے تھے، اگر تم پڑھتے رہتے تو وہ صبح تک یونہی رہتے، اور لوگ بھی واضح طَور پر اُن کا مشاہدہ کر لیتے!"۔

تلاوتِ قرآنِ کریم کی فضیلت

حضراتِ گرامی قدر! اللہ ربّ العالمین نے اس مقدّس کتاب کی تلاوت کرنے والوں کے لیے، بے حد اجر وثواب اور رحمت وبرکات رکھی ہیں، یہ وہ یکتا وعالی شان کتاب ہے، جس کے ایک حرف پڑھنے پر اللہ رب العزّت نے دس ۱۰ نیکیاں رکھی ہیں، حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، سرورِ کونین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَنْ قَرَأَ حَرْفاً مِنْ كِتَابِ الله، فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لاَ أَقُولُ: الٓمٓ حَرْفٌ، وَلَكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ، وَلاَمٌ حَرْفٌ، وَمِيمٌ حَرْفٌ»[۱] "جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا، اس کے لیے اس کے عوض ایک نیکی ہے، اور ایک نیکی کا ثواب دس ۱۰ گنا ہوتا ہے۔ میں نہیں کہتا کہ "الم" ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے"۔

محترم بھائیو! قرآنِ کریم اللہ رب العالمین کی اَنمول نعمتوں میں سے ایک عظیم ترین نعمت ہے، یہ کلام پاک بروزِ قیامت اپنی تلاوت کرنے والوں کی سفارش وشَفاعت بھی کرے گا، حدیثِ پاک میں فرمایا: «اقْرَءُوا الْقُرْآنَ؛ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعاً لأَصْحَابِهِ»[۲] "قرآنِ پاک پڑھا کرو؛ کہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شَفاعت کرے گا"۔

(۱) "سنن الترمذي" أبوابُ فضائل القرآن، ر: ۲۹۱۰، ۵/ ۱۷۵.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب صلاة المسافرين، ر: ۱۸۷٤، صـ۳۲۵.

محبت اور ادب واحترام کے ساتھ اس مقدّس کتاب کی تلاوت کرنے والا، عظیم اجر وثواب کے ساتھ ساتھ اطمینانِ قلبی اور پختگئ ایمان کی دَولت سے بھی مالامال ہوتا ہے، اس کی باربار تلاوت سے اکتاہٹ کے بجائے، محبتِ الٰہی اور حلاوتِ عشق میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ جو لوگ اچھے انداز سے قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے ہیں، وہ بڑے خوش نصیب ہیں، اور جن کے لیے اس کی تلاوت میں کوئی دُشواری ہے، وہ لوگ بھی بڑے بخت آور ہیں؛ کہ نبئ کریم ﷺ نے انہیں دُگنے ثواب کی نویدِ مسرّت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: «الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ مَاهِرٌ بِهِ، مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِيْ يَقْرَؤُهُ وَهُوَ يَشْتَدُّ عَلَيْهِ، فَلَهُ أَجْرَانِ»[1] "جو قرآن پڑھنے میں ماہر ہے، وہ کراماً کاتبین کے ساتھ ہے، اور جو رُک رُک کر قرآن پڑھتا ہے، اور پڑھنا اُس پر دشوار ہے، یعنی اس کی زبان آسانی سے نہیں چلتی، تکلیف کے ساتھ الفاظ ادا کرپاتا ہے، اس کے لیے دُگنا ثواب ہے"۔

اسی طرح ایک اَور مقام پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَثَلُ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ حَافِظٌ لَهُ، مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَمَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ يَتَعَاهَدُهُ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَدِيْدٌ، فَلَهُ أَجْرَان»[2] "اُس شخص کی مثال جو قرآنِ پاک پڑھتا ہے اور اُس کا حافظ ہے، وہ ان فرشتوں کے ساتھ ہے جو قرآن پاک کو لَوحِ محفوظ سے لکھتے ہیں، اور اُس کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے، اور اُس کی تکرار (یعنی یاد) کرتا ہے، حالانکہ وہ اس پر دشوار ہے، تو اُس کے لیے دو۲ اَجر ہیں"۔

(١) "سنن أبي داود" باب في ثواب قرآءة القرآن، ر: ١٤٥٤، صـ٢١٧.

(٢) "صحيح البخاري" كتاب التفسير، باب، ر: ٤٩٣٧، صـ٨٨٠.

حضراتِ محترم! کلامِ ربّانی کی تلاوت کا شغف ربُّ العالمین سے محبت کی ایک عظیم علامت ہے، جو لوگ قرآنِ پاک سے محبت کے باعث، شب وروز اس کی تلاوت میں مصروف رہتے ہیں، اور اس کی تعلیمات کو اپنی ذات پر لاگو کرتے ہیں، ان کا ظاہر بھی مطلعِ انوار ہے، اور باطن بھی بقعۂ نور ہے، دنیا میں بھی ان کی قدر و منزلت بلند کردی جاتی ہے، اور جنّت میں بھی ان کو مقاماتِ رفیعہ پر فائز کیا جائے گا۔

قرآنِ پاک میں غور وفکر کی تاکید

جانِ برادر! قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا، محبت بھری نگاہ سے اسے دیکھنا، اور اس میں غَور وفکر کرنا سب عبادت ہے، ایک آیت سمجھ کر پڑھنا، بنا سمجھے پڑھنے سے بہت بہتر ہے، اللہ رب العالمین ہمیں قرآنِ مجید کے اَحکام میں غور وفکر کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ﴾[1] "تو کیا قرآن میں غور نہیں کرتے؟!"۔

مفسّرینِ کرام فرماتے ہیں کہ "ہر شخص کا غَور کرنا علیحدہ علیحدہ ہے، مجتہدین قرآنِ پاک میں غَور کرکے شرعی مسائل نکالیں، صالحین اس میں غَور وفکر کرکے اَسرار ورُموز معلوم کریں، علمائے کرام غَور کرکے اَحکام کی حکمتیں معلوم کریں، اور عوام قرآنِ کریم میں غَور کرکے ایمان کو تازہ کریں"[2] اور علمائے کرام سے مسائل سیکھیں۔

محبتِ قرآن اور اس کے دینی ودنیوی فوائد

عزیزانِ مَن! اللہ رب العالمین محبتِ قرآنِ مجید سے سرشار بندوں کے لیے کشادگی وآسانی پیدا فرماتا ہے، ان کے لیے خیر وبھلائی بڑھادی جاتی ہے، ان کے پاس

---

(١) پ٥، النِّساء: ٨٢.

(۲) "تفسیر نور العرفان" پ۵، نِساء، زیرِ آیت: ۸۲، صـ۱۴۳۔

فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اور شیاطین گھروں سے نکل جاتے ہیں، محبتِ قرآنِ پاک سے محروم لوگوں کے لیے تنگی ہوتی ہے، خیر وبرکت کم ہوتی ہے، اور شیاطین ایسے گھروں میں داخل ہو جاتے ہیں، لہذا جس نے اپنے دل کو قرآنِ کریم اور اس کی محبت سے آباد کرلیا، وہ اطمینان وسکون پاکر حقیقی معنی میں کامیاب وکامران ہوگیا۔

حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ ارشاد فرماتے ہیں: «إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ الله، فَخُذُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنِّي لَا أَعْلَمُ شَيْئاً أَصْفَرَ مِنْ خَيْرٍ مِنْ بَيْتٍ، لَيْسَ فِيهِ مِنْ كِتَابِ الله شَيْءٌ، وَإِنَّ الْقَلْبَ الَّذِي لَيْسَ فِيهِ مِنْ كِتَابِ الله شَيْءٌ، خَرِبٌ كَخَرَابِ الْبَيْتِ الَّذِي لَا سَاكِنَ لَهُ»[1] "یقیناً یہ قرآنِ کریم اللہ کا ایک دستور ہے، تو اس میں سے اپنی استطاعت کے مطابق لے لو، میرے علم کے مطابق اس گھر سے زیادہ خیر وبرکت سے محروم کوئی چیز نہیں، کہ جہاں اللہ کی کتاب (قرآنِ کریم) میں سے کچھ بھی نہ ہو، اور جس دل میں اللہ کی کتاب میں سے کچھ نہیں، وہ ویران ہے اُس غیر آباد گھر کی طرح ہے، جس میں کوئی رہنے والا نہیں"۔

لہٰذا قرآنِ کریم کی تلاوت سے اپنے گھروں کو آباد کیجیے، اور اپنے بچوں کو اس کی تعلیمات سے رُوشناس کرائیے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «مَن قَرَأَ الْقُرآنَ وَتَعَلَّمَهُ وَعَمِلَ بِهِ، أُلْبِسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَاجاً مِنْ نُورٍ ضَوْؤُهُ مِثْلُ ضَوْءِ الشَّمْسِ، وَيُكْسَى وَالِدَيْهِ حُلَّتَانِ لَا يُقَوَّمُ بِهِمَا الدُّنْيَا، فَيَقُولَانِ: بِمَ كُسِينَا؟ فَيُقَالُ: بِأَخْذِ وَلَدِكُمَا الْقُرْآنَ»[2] "جس نے قرآنِ پاک کو پڑھا، اسے سیکھا اور اُس پر

---

(١) "سنن الدارمي" باب فضل من قرأ القرآن، ر: ٣٣٠٧، ٢/ ٥٢١.

(٢) "مُستدرَك الحاكم" ذكر فضائل سور وآي متفرّقة، ر: ٢٠٨٦، ٢/ ٧٩١.

عمل کیا، اُسے قیامت کے دن نور کا ایسا تاج پہنایا جائے گا، جس کی رَوشنی سورج کی رَوشنی کی طرح ہوگی، اور اُس کے والدین کو دو۲ ایسے قیمتی لباس پہنائے جائیں گے، جو دنیا بھر سے افضل وقیمتی ہوں گے، تو وہ کہیں گے کہ ہمیں کس وجہ سے یہ لباس پہنایا گیا ہے؟ کہا جائے گا کہ تمہارے بچے کے قرآنِ کریم کی تعلیمات پر عمل کے سبب سے"۔

میرے عزیز دوستو، بھائیو اور بزرگو! قرآنِ پاک کی تعلیمات پر عمل کرنا، انسان کے لیے شفا کا باعث بھی ہے، کہ قرآن ہر ظاہری وباطنی، روحانی اور جسمانی بیماری کے لیے شفا ہے، اللہ ربّ العالمین کا فرمان ہے: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ﴾[1] "ہم قرآن میں وہ چیز اُتارتے ہیں، جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رَحمت ہے"۔ اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ "اس سے مراد اَمراضِ ظاہرہ وباطنہ، جہالت وگمراہی وغیرہ دُور ہوتے ہیں، ظاہری وباطنی صحت حاصل ہوتی ہے، اعتقاداتِ باطلہ اور اَخلاقِ رذیلہ دفع ہوتے ہیں، عقائدِ حقّہ ومَعارفِ اِلٰہیہ، صفاتِ حمیدہ اور اچھے اَخلاق حاصل ہوتے ہیں؛ کیونکہ یہ کتابِ مبین ایسے علوم ودلائل پر مشتمل ہے، جو وَہمانی وشیطانی ظلمتوں کو اپنے انوار سے نیست ونابُود کر دیتے ہیں، اور اس کا ایک ایک حرف برکتوں کا خزانہ ہے، جس سے جسمانی اَمراض اور آسیب بھی دُور ہوتے ہیں"[2]۔

اللہ جَلّ جلالُہ نے ارشاد فرمایا: ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ

---

(۱) پ۱۵، الإسراء: ۸۲.

(۲) "خزائن العرفان فی تفسیر القرآن" پ۱۵، اِسراء، زیرِ آیت: ۸۲، ۵۴۱-۵۴۲، ملخصًا۔

اللّٰہِ﴾[1] "اللہ تعالی نے سب سے اچھی کتاب اُتاری، کہ اوّل سے آخر تک ایک سی ہے، دوہرے بیان والی، اس سے ان کے بدن پر بال کھڑے ہوتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کی کھالیں اور دل یادِ خدا کی طرف رغبت میں نرم پڑتے ہیں"۔

یہ چار ۴ صفتیں قرآن شریف کی ہیں، جو بہترین کتاب یکساں فصیح وبلیغ ہے، اس کے دوہرے بیان ہیں، یعنی وعدے کے ساتھ وعید، رَحمت کے ساتھ عذاب، ظلمت کے ساتھ نور کا ذِکر ہے، اور یہ بار بار پڑھی جانے والی ایسی کتاب ہے، جو ہر بار نیا لُطف دیتی ہے، اولیاء اللہ کا یہ حال ہوتا ہے کہ اللہ کے ذِکر اور تلاوتِ قرآنِ پاک سے، ان پر ایسی رقّت طاری ہوتی ہے کہ ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور دل چَین پاتے ہیں۔

قرآنِ کریم کے ساتھ تجدیدِ تعلق ومحبت

عزیزانِ گرامی قدر! مَوت سے پہلے زندگی کو غنیمت جانیں، اعمالِ صالحہ وتلاوتِ قرآنِ کریم کو اپنی عادت بنائیں، اور اپنی شَفاعت کا سامان کریں؛ تاکہ ہمیں جنّت کے اعلیٰ درجات، اور ربِ حنّان ومنّان کی رِضا وخوشنودی حاصل ہو، اس کی آیاتِ کریمہ میں غور وفکر کریں، اس کے مَعانی کو سمجھنے کی کوشش کریں، اور اس کے اَحکام اور نصیحتوں سے استفادہ کریں؛ تاکہ ہمارا تعلق اللہ، رسول اور قرآنِ پاک سے مزید پختہ ہو جائے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَ لِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾[2] "یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اُتاری برکت والی؛ تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقل مند نصیحت حاصل کریں"۔

---

(۱) پ۲۳، الزمر: ۲۳.

(۲) پ۲۳، ص: ۲۹.

لٰہذا خصوصی اہتمام کے ساتھ اپنا تعلق کلامِ پاک سے مزید مضبوط کریں، اس کے اَحکام کو مصطفی جانِ رحمت ﷺ کی سیرتِ طیّبہ کے مطابق اپنی زندگی میں لاگو کریں، اور قرآنِ پاک سے اپنی عملی محبت کا ثبوت دیں۔

دعا

اے اللہ! ہمیں قرآنِ عظیم سے سچی محبت عطا فرما، اس سے ہدایت و نصیحت حاصل کرنے اور اسے سیکھنے سکھانے کی سعادت نصیب فرما، قرآنِ مجید کو ہمارے دلوں کی بہار، آنکھوں کا نور اور غموں کا مداوا بنا، ہمیں روزانہ اس کی تلاوت کی توفیق عطا فرما، اپنے بچوں کو حافظِ قرآن بنانے کی سعادت عطا فرما، تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی بحسن وخوبی انجام دینے کی بھی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

جنگِ اُحد اور سیّد الشہداء امیرِ حمزہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ

(جمعۃ المبارک ۱۳ شوّال المکرم ۱۴۴۱ھ - ۵/۶/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

حضراتِ محترم! اُحُد ایک پہاڑ کا نام ہے، جو مدینۂ منوّرہ سے تقریبًا تین ۳ میل کے فاصلہ پر ہے، چونکہ حق وباطل کا یہ عظیم معرکہ اسی پہاڑ کے دامن میں پیش آیا تھا، لہذا یہ جنگ غزوۂ اُحُد کے نام سے مشہور ہے، اور قرآنِ مجید کی مختلف آیتوں میں بھی، پروَرگارِ عالَم نے اس جنگ کے واقعات کا ذکر فرمایا ہے۔

اس جنگ کا اِجمالی واقعہ

عزیزانِ گرامی قدر! جنگِ اُحد کا اِجمالی واقعہ یہ ہے، کہ جنگِ بدر میں شکست کھانے پر کفّار کو بڑا رَنج واَلم تھا، لہذا انہوں نے انتقام کی غرض سے، ایک بڑا لشکر تیار کرکے مدینۂ منوّرہ کا قصد کیا، جب رسولِ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کو خبر ملی کہ لشکرِ کفّار میدانِ اُحد میں اُترا ہے، تو مصطفیٰ جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے اصحابِ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم سے مشورہ فرمایا، اس مُشاورت میں عبد اللہ بن اُبَی بن سلول منافق کو بھی بلایا گیا، جو اس سے

پہلے کبھی کسی مشورہ کے لیے نہیں بُلایا گیا تھا۔ اکثر انصار اور عبداللہ بن اُبَی کی یہ رائے ہوئی، کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدینۂ طیّبہ ہی میں تشریف رکھیں، اور جب کفّار یہاں آئیں تب اُن سے مقابلہ کیا جائے، یہی مرضی سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بھی تھی، لیکن بعض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی رائے یہ ہوئی کہ مدینۂ طیّبہ سے باہر نکل کر کفّار سے لڑنا چاہیے، اور اسی پر انہوں نے اِصرار بھی کیا، مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لے گئے، اور اَسلِحہ زَیبِ تن فرما کر باہر تشریف لائے، حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھ کر ان اصحابِ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو نَدامت ہوئی اور انہوں نے عرض کی، کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو رائے دینا اور اس پر اِصرار کرنا ہماری غَلطی تھی، ہمیں مُعاف فرما دیجیے! اور جو مرضیٔ مُبارک ہو وہی کیجیے! حضور رحمتِ کونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ ہتھیار پہن کر جنگ سے پہلے اسے اُتار دے"۔

مشرکین میدانِ اُحد میں بدھ یا جمعرات کو پہنچے تھے، اور رسولِ کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جمعۃ المبارک کے دن بعد نمازِ جمعہ، ایک انصاری کی نمازِ جنازہ پڑھ کر، اُحد شریف کی طرف روانہ ہونے کے لیے لشکر تیار کیا، اور پندرہ ۱۵ شوّال ۳ ہجری بروز ہفتہ میدانِ اُحد پہنچے۔ پہاڑ کا ایک درّہ جو لشکرِ اسلام کے پیچھے تھا، اس طرف سے اندیشہ تھا کہ کسی وقت دشمن پشت پر سے آکر حملہ کردے؛ لہٰذا حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت سیّدنا عبداللہ بن جُبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو پچاس ۵۰ تیر اندازوں کے ساتھ وہاں مامور فرمایا، کہ اگر دشمن اس طرف سے حملہ آور ہو، تو تیر اندازی کرکے اُسے دفع کر دیا جائے، ساتھ ہی انہیں حکم دیا کہ "ہماری فتح ہو یا شکست، کسی حال میں یہاں سے مت ہٹنا، اور اس جگہ کو ہرگز نہ چھوڑنا!"۔

منافقین کی شرارت

عبد اللہ بن اُبَی بن سلول منافق جس نے مدینہ طیّبہ میں رہ کر جنگ کی رائے دی تھی، اپنی رائے کے خلاف کیے جانے کے سبب برہم ہوا، اور کہنے لگا کہ حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نَو عمر لڑکوں کا کہنا تو مان لیا، اور میری بات کی پرواہ نہیں کی! عبد اللہ بن اُبَی کے ساتھ تین سو ۳۰۰ منافق بھی تھے، اس نے ان سے کہا کہ جب دشمن لشکرِ اسلام کے مقابل آجائے، عین اس وقت بھاگ اُٹھنا؛ تاکہ لشکرِ اسلام میں اَبتری کی کیفیت پیدا ہو جائے، اور تمہیں دیکھ کر دیگر لوگ بھی بھاگ نکلیں!۔

اللہ و رسول کی اِطاعت کے فوائد

مسلمانوں کے لشکر میں کُل تعداد مع ان منافقین کے ایک ہزار تھی، اور مشرکین تین ہزار تھے۔ مقابلہ ہوتے ہی عبد اللہ بن اُبَی منافق اپنے تین سو ۳۰۰ ساتھیوں کو لے کر بھاگ نکلا، حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سات سو ۷۰۰ اصحابِ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم، حضور نبیٔ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ رہ گئے، اللہ تعالیٰ نے اُن سب کو ثابت قدم رکھا، یہاں تک کہ مشرکین کو شکست ہوئی۔ اس وقت صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم بھاگتے ہوئے مشرکین کے پیچھے پڑ گئے، اور حضور سیّدِ عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جس جگہ قائم رہنے کے لیے فرمایا تھا وہاں قائم نہ رہے، اس پر مسلمانوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ دکھا دیا، کہ بدر میں اللہ و رسول کی فرمانبرداری کی برکت سے فتح حاصل ہوئی تھی، یہاں حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حکم پر عمل ترک کرنے کے باعث نتیجہ یہ ہوا، کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں سے ان کا رُعب اور ان کی ہیبت دُور فرمائی، مشرکین نے پلٹ کر دوبارہ حملہ کر دیا، اور مسلمانوں کو شدید نقصان ہوا۔

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت جمی رہی، جس میں حضرات ابوبکر وعلی وعباس وطلحہ اور سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے، اسی جنگ میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندانِ اقدس بھی شہید ہوئے، اور چہرۂ اقدس پر زخم بھی آیا، اسی واقعہ سے متعلق یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی[1]: ﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾[2] "اے حبیب یاد کیجیے! جب آپ صبح کو اپنے دَولت خانہ سے برآمد ہوئے، مسلمانوں کو لڑائی کے مورچوں پر قائم کرتے، اور اللہ تعالی سنتا جانتا ہے!"۔

حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی زخمی ہوئے

اس جنگ کے دَوران جب مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارکہ پر زخم آیا، تو حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس حال میں ملاحظہ کیا، کہ رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چہرۂ انور سے خون صاف کرتے ہوئے (اللہ تعالی کے ایک ایسے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرما رہے تھے، جنہیں ان کی قوم نے اِیذا دی تھی، اور حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) دعا کر رہے تھے: «رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِي؛ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ»[3] "یارب میری قوم کو بخش دے! یہ نادان ہیں!"۔

اس وقت حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چند صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ پہاڑ کی ایک گھاٹی میں تشریف فرما تھے، اور چہرۂ انور سے خون بہہ رہا تھا۔ حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی ڈھال میں پانی بھر بھر کر لا رہے تھے، اور حضرت سیّدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

(۱) "تفسیر خزائن العرفان" پ۴، آل عمران، زیرِ آیت: ۱۲۱، ص۱۱۸-۱۱۹، ملخصًا۔

(٢) پ ٤، آل عمران: ١٢١.

(٣) "صحيح مسلم" كتاب الجهاد، باب غزوة أحد، ر: ٤٦٤٦، ص٧٩٩.

اپنے ہاتھوں سے خون مبارک دھو رہی تھیں، مگر خون رُک نہیں رہا تھا، بالآخر کھجور کی چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا گیا، اور اس کی راکھ زخم پر رکھی گئی، تب خون فوراً ہی تھم گیا[۱]۔

حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی ثابت قدمی اور جان نثاری

برادرانِ اسلام! اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿اِذْ هَمَّتْ طَّآىٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَاۙ وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَاؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾[۲] "جب تم میں سے دو ۲ گروہوں کا ارادہ ہوا کہ نامَردی (بزدلی) کر جائیں، اور اللہ تعالی ان کا سنبھالنے والا ہے، اور مسلمانوں کو اللہ تعالی ہی پر بھروسا کرنا چاہیے!"، یہ دونوں گروہ انصار میں سے تھے: ایک بنی سَلَمہ قبیلہ خزرج میں سے، اور دوسرا بنی حارثہ قبیلہ اَوس میں سے، یہ دونوں لشکر کے بازُو تھے، جب عبد اللہ بن اُبَی بن سلول منافق بھاگا، تو ان لوگوں نے بھی واپس جانے کا قصد کیا، اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور انہیں اس سے محفوظ رکھا، اور وہ حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے، یہاں اللہ تعالی نے اسی نعمت واحسان کا ذکر فرمایا ہے[۳]۔

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے صحابہ کی حوصلہ افزائی

حضرت سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ تیر اندازی میں انتہائی باکمال تھے، یہ بھی دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دِفاع میں تیر چلا رہے تھے، بلکہ حضورِ انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خود اپنے دستِ مبارک سے تیر اُٹھا اٹھا کر انہیں دیتے اور فرماتے: «ارْمِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي»[٤] "(اے سعد) تم پر میرے ماں باپ

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب المغازي، ر: ٤٠٧٥، صـ٦٩٠.
(٢) پ٤، آل عمران: ١٢٢.
(۳) "تفسیر خزائن العرفان" پ۴، آل عمران، زیرِ آیت: ۱۲۲، ص۱۱۹، ملخصًا۔
(٤) "صحيح البخاري" كتاب المغازي، ر: ٤٠٥٥، صـ٦٨٦، ٦٨٧.

قربان ہوں! تیر برساتے جاؤ!"۔

ایک اَور آزمائش

محترم بھائیو! جنگِ اُحد میں جب کافروں نے بکواس کی، اور شیطان نے یہ جھوٹی اَفواہ پھیلائی، کہ محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید ہو گئے، تو اس بات پر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بہت اِضطراب ہوا، اُن میں سے کچھ لوگ شدّتِ غم کے سبب واپس جانے لگے، پھر جب نِدا کی گئی کہ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں، تب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت واپس آگئی، حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اس پر ملامت کی، انہوں نے عرض کی کہ ہمارے ماں باپ آپ پر فِدا ہوں! آپ کی شہادت کی خبر سُن کر ہمارے دِل ٹوٹ گئے، اور ہم سے ٹھہرا نہ گیا! اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾[1] "محمد تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اَور رسول بھی ہو چکے، تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں، تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو اُلٹے پاؤں پھرے گا، اللہ تعالی کا کچھ نقصان نہ کرے گا، اور عنقریب اللہ تعالی شاکروں کو صلہ دے گا!"۔

خواتینِ اسلام کے کارنامے

اس جنگ میں مَردوں کی طرح خواتین نے بھی مجاہدانہ جذبات کے ساتھ حصہ لیا، حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ، اور حضرت سیّدہ بی بی اُمِ سُلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں، حضرت سیّدنا انَس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے، کہ یہ دونوں

---

(۱) پ٤، آل عمران: ١٤٤.

مشکیزے میں پانی بھر بھر کر لاتیں، اور مجاہدین خصوصاً زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ اسی طرح حضرت ابو سعید خُدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی والدہ سیّدہ اُمِ سلیط رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا بھی برابر پانی کا مشکیزہ بھر کر لاتیں، اور مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں[1]۔

شہدائے اُحد کا مقام ومرتبہ

عزیزانِ محترم! جو خوش نصیب مسلمان اس معرکہ میں شہید ہوئے، ان کے بارے میں ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًاؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ﴾[2] "جو اللہ کی راہ میں مارے گئے، ہرگز انہیں مُردہ نہ خیال کرنا، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں"۔

حضرت سیّدنا ابنِ عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے، سیّدِ عالم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: «لَمَا أُصِيبَ إِخْوَانُكُمْ بِأُحُدٍ، جَعَلَ اللهُ أَرْوَاحَهُمْ فِي جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ، تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ، تَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا، وَتَأْوِي إِلَى قَنَادِيلَ مِنْ ذَهَبٍ مُعَلَّقَةٍ فِي ظِلِّ الْعَرْشِ، فَلَمَّا وَجَدُوا طِيبَ مَأْكَلِهِمْ وَمَشْرَبِهِمْ وَمَقِيلِهِمْ، قَالُوا: مَنْ يُبَلِّغُ إِخْوَانَنَا عَنَّا: أَنَّا أَحْيَاءٌ فِي الْجَنَّةِ نُرْزَقُ؛ لِئَلَّا يَزْهَدُوا فِي الْجِهَادِ، وَلَا يَنْكُلُوا عِنْدَ الْحَرْبِ! فَقَالَ اللهُ سُبْحَانَهُ: أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُم!» "جب تمہارے بھائی اُحد میں شہید ہوئے، اللہ تعالی نے ان کی رُوحوں کو سبز پرندوں کے قالب عطا فرمائے، وہ جنّتی نہروں پر سَیر کرتے پھرتے ہیں، جنّتی میوے کھاتے ہیں، سونے کی ان قندیلوں میں رہتے ہیں جو زیرِ عرش معلّق

(١) "صحيح البخاري" كتاب المغازي، ر: ٤٠٦٤، ٤٠٧١، صـ٦٨٧، ٦٨٩.

(٢) پ٤، آل عمران: ١٤٤.

ہیں، جب انہوں نے کھانے پینے اور رہنے کے پاکیزہ عیش پائے، تو کہا کہ ہمارے بھائیوں کو کون خبر دے، کہ ہم جنّت میں زندہ ہیں، ہمیں رزق دیا جاتا ہے؛ تاکہ وہ جہاد سے بے رغبتی نہ کریں، اور جنگ کے وقت پیچھے نہ رہیں! اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں انہیں تمہاری خبر پہنچاؤں گا!"۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ﴾» [آل عمران: ١٦٩] ...إِلَى آخِرِ الْآيَة[1] "تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی"۔

شہید ہونے والے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور مقتول کفّار

میرے بزرگو ودوستو! اس جنگ میں ستّر ۷۰ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جامِ شہادت نوش فرمایا، جن میں سے چار ۴ مہاجر اور چھیاسٹھ ٦٦ انصار صحابہ تھے۔ تیس ۳۰ کی تعداد میں کفّار بھی نہایت ذِلّت کے ساتھ قتل کیے گئے[2]۔

مسلمانوں کی مفلسی کا عالَم

عزیزانِ محترم! اس جنگ میں مسلمانوں کی مفلسی کا یہ عالم تھا، کہ شہدائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے کفن کے لیے کپڑا بھی میسر نہیں تھا۔ حضرت سیّدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال تھا، کہ بوقتِ شہادت ان کے بدن پر صرف ایک چادر اتنی تھی، کہ اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تو پاؤں کھل جاتے، اور پاؤں چھپائے جاتے تو سر کھل جاتا تھا، بالآخر سر چھپا دیا گیا اور پاؤں پر اِذخر گھاس ڈال دی گئی[3]۔ شہدائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خون

---

(١) "سنن أبي داود" باب في فضل الشهادة، ر: ٢٥٢٠، صـ٣٦٥.

(٢) "مدارج النبوّت" جزءِ دُوم، صـ١٣٣۔

(٣) "صحيح البخاري" كتاب المغازي، ر: ٤٠٤٧، صـ٦٨٥.

میں لتھڑے ہوئے دو دو شہید ایک ایک قبر میں دفن کیے گئے، ان میں جسے قرآنِ کریم کی سمجھ زیادہ ہوتی اسے آگے رکھتے[۱]۔

شہدائے اُحد کی زیارت

حضورِ سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شہدائے اُحد کی قبروں کی زیارت کے لیے گاہے گاہے تشریف لے جایا کرتے، اور مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق و حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کا بھی یہی معمول رہا۔ ایک بار حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے گئے تو کہا کہ "یا اللہ! تیرا رسول گواہ ہے کہ اس جماعت نے تیری رضا کی طلب میں جان دی ہے"، پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "قیامت تک جو کوئی مسلمان ان شہیدوں کی قبروں پر زیارت کے لیے آئے گا، اور انہیں سلام کرے گا، تو یہ شہدائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اس کے سلام کا جواب دیں گے!"[۲]۔

شانِ سیّد الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

محترم بھائیو! حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ یہ آیتِ مبارکہ: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾[۳] "جو اللہ کی راہ میں مارے گئے، ہرگز انہیں مُردہ خیال نہ کرنا، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں"، سیّدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور آپ کے ساتھ شہید ہونے والے حضرات کی شان میں نازل ہوئی"[۴]۔

---

(۱) المرجع نفسه، ر: ٤٠٧٩، صـ٦٩٠، ٦٩١، ملخصاً.

(۲) "مدارج النبوّت" جزءِ دوم، ۱۳۵۔

(۳) پ٤، آل عمران: ١٤٤.

(٤) "مستدرَك الحاكم" تفسير سورة الحج، ر: ٣٤٥٧، ٤/ ١٢٩٩.

سیّدنا حمزہ، اللہ ورسول کے شیر ہیں

حضرت سیّدنا امیر حمزہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی سیرت کے بیان، اور آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مبارک ذکر کو اللہ تعالی نے وہ رفعت، عظمت اور مقبولیت وبلندی عطا فرمائی، کہ آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ذکر صرف زمین والے ہی نہیں کرتے، بلکہ آسمان والے بھی آپ کا ذکرِ خیر کرتے ہیں، "مستدرَکِ حاکم" میں روایت ہے کہ حضراتِ صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے فرمایا: جب سیّدنا امیرِ حمزہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ شہید ہوئے، تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم ارشاد فرمانے لگے: «لَنْ أُصَابَ بِمِثْلِكَ أَبَداً» "آپ کی جدائی سے بڑھ کر میرے لیے کوئی اَور صدمہ نہیں ہو سکتا!"، پھر آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت سیّدہ فاطمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور اپنی پھوپھی جان حضرت سیّدہ صفیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے فرمایا: «أَبْشِرَا! أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَام فَأَخْبَرَنِي أَنَّ حَمْزَةَ مَكْتُوبٌ فِي أَهْلِ السَّمَاوَاتِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، أَسَدُ اللهِ وَأَسَدُ رَسُولِهِ»[1] "خوش ہوجاؤ! ابھی جبریلِ امین عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام میرے پاس آئے، اور انہوں نے مجھے خوشخبری سنائی، کہ حضرت حمزہ کا نامِ مبارک آسمان والوں میں "حمزہ بن عبد المطلب، اللہ اور اس کے رسول کا شیر" لکھا ہوا ہے"۔

حضرت سیّدنا حمزہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جنّت میں

میرے بزرگو ودوستو! سیّدنا عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «دَخَلْتُ الْجَنَّةَ الْبَارِحَةَ فَنَظَرْتُ، فَإِذَا جَعْفَرٌ يَطِيرُ مَعَ الْمَلَائِكَةِ، وَإِذَا حَمْزَةُ مُتَّكِئٌ عَلَى سَرِيرٍ»[2] "گزشتہ شب

(١) "مستدرَك الحاكم" ذكر إسلام حمزة، ر: ٤٨٨١، ٥/ ١٨٢٩.
(٢) المرجع نفسه، ر: ٤٨٩٠، ٥/ ١٨٣٢.

جب میں جنّت میں داخل ہوا، تو میں نے دیکھا کہ جعفر جنّت میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کررہے ہیں، اور حمزہ ایک تخت پر ٹیک لگائے بیٹھے ہیں"۔

حضرت سیّدہ فاطمہ خزاعیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے، کہ میں ایک دن اُحد کے میدان سے گزر رہی تھی، جب حضرت سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے پاس پہنچ کر میں نے عرض کیا: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عَمَّ رَسُوْلِ اللهِ!» "اے رسول اللہ کے چچا! آپ پر سلام ہو! تو مجھے یہ آواز آئی: «وَعَلَيْكِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُه»[۱]۔

حیاتِ شہدائے کرام

اس جنگ کے چھیالیس ۴۶ سال بعد، بعض شہدائے اُحد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبریں جب کھل گئیں، تو ان کے کفن سلامت اور بدن تروتازہ تھے، اور تمام اہلِ مدینہ اور دیگر لوگوں نے دیکھا کہ شہدائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں، اور جب زخم سے ہاتھ اٹھایا جاتا تو تازہ خون بہنے لگتا"[۲]۔ جب نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ کر، ان کے دامن سے وابستہ، ان مقدّس وپاکیزہ ہستیوں کا یہ عالَم ہے، تو پھر خود مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان کیا ہوگی! ع

یہ شان ہے خدمتگاروں کی سرکار کا عالَم کیا ہوگا![۳]

---

(۱) "مدارج النبوّت" جزءِ دوم، ص۱۳۵۔

(۲) ایضاً۔

(۳) کلام نجم نعمانی۔

دعا

اے اللہ! دینِ اسلام کی خاطر ان صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قربانیوں کا صدقہ! ہمیں بھی اپنے دین کی سربلندی کے لیے، ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کا جذبہ نصیب فرما، تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی بحسن وخوبی انجام دینے کی بھی توفیق عطا فرما، بخل وکنجوسی سے محفوظ فرما، خوشی سے غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

یومِ شہادتِ مزاراتِ صحابہ واہلِ بیتِ کرام

(جمعۃ المبارک ۱۳ شوّال المکرم ۱۴۴۱ھ - ۵/۶/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

حضراتِ محترم! یومِ شہادتِ جنّت البقیع، مدینۂ منوّرہ کے مشہور قبرستان، بقیع الغرقد میں موجود اہلِ بیتِ اَطہار، حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اور دیگر مبارک ہستیوں کے مزارات کو، مسمار وشہید کیے جانے والے دن کو کہا جاتا ہے۔

پہلی شہادت

عزیزانِ گرامی قدر! عبد الرحمن جبرتی (متوفّٰی ۱۲۳۷ھ/ ۱۸۲۲ء) کی رپورٹ کے مطابق، سن ۱۲۲۰ ہجری/ ۱۸۰۵ء کو وہابی خارجی دہشتگردوں نے، مدینۂ منوّرہ کا ڈیڑھ سال تک مُحاصرہ کیے رکھا، پھر اس میں قحط سالی پیدا کرنے کے بعد شہر میں داخل ہوئے، اور سوائے مَرقدِ سرکارِ اعظم ﷺ، باقی تمام مزاراتِ مقدّسہ کے گنبد شہید کرڈالے[1] اور مدینۂ منوّرہ پر اپنا ناجائز قبضہ جمالیا۔

---

(١) "تاريخ عجائب الآثار في التراجم والأخبار" سنة ١٢٢٠، ٣/ ٩١.

قابض وہابیوں کی شکست

برادرانِ اسلام! سن ۱۲۲۷ ہجری (۱۸۱۲ء) میں محمد علی مصری کی فوج نے، مدینۂ منوّرہ کے لوگوں کے ساتھ مل کر شہرِ مدینہ پر قابض وہابی خارجی دہشتگردوں کا مُحاصرہ کیا، بہت سے وہابی خارجیوں کو قتل کیا، اور بہتوں کو بابِ شامی کے نزدیک ایک قلعہ (جہاں وہ پناہ لیے ہوئے تھے) سے گرفتار کیا[1]۔ وہابی خارجی تسلُّط سے آزادی کے بعد اُن مسمار مزاراتِ مقدّسہ کو دوبارہ تعمیر کرایا گیا۔

دوسری شہادت

محترم بھائیو! سن ۱۳۴۴ ہجری (۱۹۲۵ء) میں، ایک بار پھر وہابی خارجیوں نے مدینۂ منوّرہ پر حملہ کیا، اور عبد العزیز بن عبد الرحمٰن بن سعود نے، آٹھ ۸ شوّال المکرّم کے دن بقیع شریف کو دوبارہ شہید کرکے ویران کر دیا[2]۔ اسی مناسبت سے آٹھ ۸ شوّال المکرّم کا دن، یومِ شہادتِ جنّت البقیع سے مشہور ہوا۔

عوامی ردِّعمل

عزیزانِ محترم! جنّت البقیع اور دیگر مقدّس مقامات کی بے حرمتی نے، عام لوگوں میں وہابیہ خارجیہ کے خلاف ایک نفرت اور غم وغصے کی لہر پیدا کر دی۔ بہت سارے اسلامی اور غیر اسلامی ممالک سے، کئی لوگوں نے وہابیہ خارجیہ کے اس غلط اِقدام کی مذمّت بھی کی۔

آذربائجان، اُزبکستان، تُرکمنستان، ایران، ترکی، افغانستان، عراق، چین،

---

(۱) "خزانة التواريخ النجديّة" ٤/ ١٧٤.

(۲) المرجع نفسه، ٨/ ١٥٩.

مغولستان، ہندوستان وغیرہ کے لوگوں نے، خطوط اور دیگر مُراسلاتی اور مُواصلاتی ذرائع سے، غم وغصے کا اِظہار کیا[1]، اور اپنے اپنے مذمتی پیغامات کے ذریعے، گویا اس اقدام کو مرقدِ نبوی ﷺ کی شہادت کا پیش خیمہ قرار دیا؛ کیونکہ ان وہابیوں کے پیشواؤں نے، انبیائے کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام قدست أسرارہم کی قبور پر بنے گنبدوں کو بھی، منہدم کرنا ضروری قرار دے رکھا ہے، ابنِ قیم لکھتا ہے کہ "قبروں پر تعمیر شدہ عمارتوں کو ڈھانا واجب ہے، اگر کو مسمار اور ویران کرنا ممکن ہو، تو ایک دن بھی تاخیر جائز نہیں"[2]۔

میرے بزرگو ودوستو! مزاراتِ انبیاء واولیاء کو مسمار کرنا تو بڑی بات ہے، قبروں پر بیٹھنے، بلکہ ان پر تکیہ لگانے، اور قبروں پر پاؤں رکھنے سے بھی مُردوں کو اِیذاء ہوتی ہے، احادیثِ صحیحہ سے یہی بات ثابت ہے۔ حضرت سیّدنا عُمارہ بن حَزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضورِ اقدس ﷺ نے مجھے ایک قبر پر ٹیک لگائے دیکھا تو فرمایا: «اِنزِلْ مِنَ الْقَبْر، لَا تؤذِي صَاحبَ الْقَبْر وَلَا يُؤْذِيك»[3] "قبر سے اُتر جاؤ! نہ تم صاحبِ قبر کو اِیذاء دو، نہ وہ تمہیں تکلیف دے!"۔

کسی نے حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا؟ تو فرمایا: «كَمَا أَكرهُ أَذى الْمُؤمنِ فِي حَيَاته، فَإِنِّي أَكرهُ أَذَاهُ بعدَ مَوته!»[4] "مجھے جس طرح زندہ مسلمان کو اِیذاء دینا پسند نہیں، ویسے ہی مُردہ کو تکلیف دینا بھی ناپسند ہے!"۔

---

(١) "بقيع الغرقد" صـ٥٢، ٥٣.

(٢) "زاد المعاد" ٣/ ٤٤٣، ٤٤٤، ملتقطاً.

(٣) "مسند الإمام أحمد" مسند عُمارة بن حزم الأنصاري، ر:٣٨، ٣٩/ ٤٧٥.

(٤) المرجع نفسه.

حضرت سیّدنا عَمرو بن حَزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، سیّدِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھ کر فرمایا: «لَا تُؤْذِي صَاحِبَ هذا الْقَبْر!»[1] "اس قبر والے کو تکلیف مت پہنچاؤ!"۔

اس اِیذاء کا تجربہ بھی تابعینِ عظام اور دیگر علمائے کرام نے (جو صاحبِ بصیرت تھے) کر چکے ہیں۔ ابو قلابہ بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ "میں ملکِ شام سے بصرہ کو جارہا تھا، رات کو خندق میں اُترا، وضو کیا، دو ۲ رکعت نماز پڑھی، پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا، جب جاگا تو صاحبِ قبر کو دیکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے، اور کہتا ہے: «لقدْ آذيتني مُنْذُ اللَّيْلَةِ!»[2] "اے شخص تم نے مجھے رات بھر اِیذاء دی ہے!"۔

اور اظہر من الشمس ہے، کہ قبور کو کھودنا، ان پر موجود گنبدوں کو مسمار کرنے کے لیے بلڈوزر چلانا، جس میں یقیناً اہلِ قبور کی توہین اور انہیں اِیذاء دینا بھی ہے، اور یہ بات ہمارے دین اسلام میں ہرگز جائز نہیں۔

علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے، کہ مسلمان کی عزّت مُردہ وزندہ برابر ہے۔ محقق علی الاِطلاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "فتح القدیر" میں فرماتے ہیں کہ "اس بات پر اتفاق ہے کہ مُردہ مسلمان کی عزّت وحُرمت، زندہ مسلمان کی طرح ہے"[3]۔ جب عام مسلمانوں کے حق میں یہ حکم ہے، تو پھر خواص اولیاء، صحابۂ کرام واہلِ بیتِ اَطہار قدست أسرارہم کے مزارات پر بلڈوزر چلاکر، انہیں مسمار کرنا، کس قدر بے حرمتی وبے ادبی کا کام ہے!۔

---

(۱) "الأسامي والكُنى" ٥/ ١٩٩.

(۲) "شرح الصدور" باب ما ينفع الميّت في قبره، ر: ٢٥، صـ٢٩٠.

(۳) "فتح القدير" فصل في الدفن، ٢/ ١٠٢.

شریعتِ مطہَّرہ میں مزاراتِ اولیاء تو اپنی جگہ، عام قبورِ مسلمین بھی مستحقِ تکریم وممتنع التوہین ہیں (یعنی ان کی توہین منع ہے)، یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں، کہ قبر پر پاؤں رکھنا گناہ ہے؛ کہ قبر کی چھت بھی حقِ میّت ہے[1]۔

ہر سال ۸ شوّال المکرّم کو، یومِ انہدامِ جنّت البقیع کی مناسبت سے، سارے مسلمانانِ عالم، مزاراتِ مقدّسہ کی بے حرمتی کی پُرزور مذمت کرتے ہیں، اور وہاں کی موجودہ حکومت سے، اس مبارک قبرستان کے مزاراتِ مقدسہ کی، فی الفور تعمیرِ نو کا مطالبہ کرتے ہیں۔

دعا

اے اللہ! ہمیں مزاراتِ مقدّسہ کا ادب واحترام نصیب فرما، وہابیہ خارجیہ کے فتنوں سے محفوظ فرما، تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی، بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرما، بخل وکنجوسی سے محفوظ فرما، خوشی سے غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

(۱) "القنية" كتاب الكراهية والاستحسان، باب فيما يتعلّق ...إلخ، صـ۱۶۷.

اسلام کا نظریۂ عدل ومُساوات

(جمعۃ المبارک ۲۰ شوّال المکرّم ۱۴۴۱ھ - ۱۲/۶/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلِهِ وصحبِهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّٰھمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلِهِ وصَحبِهِ أجمعين.

دینِ اسلام کا نظریۂ عدل ومُساوات

عزیزانِ محترم! اسلام کی نظر میں تمام لوگ بحیثیتِ انسان، حضرت سیّدنا آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، عزّت وآبرُو کے ساتھ جینے کا سب کو یکساں حق حاصل ہے، دینِ اسلام رنگ ونسل، قومیت ووطنیت، اور اونچ نیچ کے سارے امتیازات کا یکسر خاتمہ کرکے، ایک عالمگیر عدل ومُساوات کا آفاقی تصوّر پیش کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی گورے کو کالے پر، اور کسی کالے کو گورے پر، رنگ ونسل، ذات پات، مُلک اور قبیلے کی بنیاد پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں فضیلت کا معیار صرف ایک چیز ہے، اور وہ ہے تقویٰ وپرہیزگاری، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ

﴿لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾[1] "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا، کہ آپس میں پہچان رکھو، یقیناً اللہ عزّوجلّ کے یہاں تم میں زیادہ عزّت والا وہ ہے، جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے، یقیناً اللہ جاننے والا خبردار ہے"۔

اسی طرح حضور نبئ کریم ﷺ نے فرمایا: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى»[2] "اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ آدم علیہ السلام بھی ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر، اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر، اور کسی کالے کو گورے پر، تقویٰ کے سوا کوئی فضیلت حاصل نہیں"۔

یورپ کا طرزِ عمل

میرے عزیز دوستو، بھائیو اور بزرگو! مُساوات کا یہ اُصول انسانیت کی بنیاد ہے، اسی اُصول کے تحت مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے بین الاقوامی سطح پر جمہوری، عادِلانہ اور مہذّب انسانی مُعاشرے کی بنیاد رکھی، یہی اُصول وضوابط آگے چل کر عالمی جُمہوریت کے قیام کی بنیاد بنا، لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے، کہ زمانۂ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد، اس اُصول کو صحیح طور پر نہیں اپنایا گیا، آج اَقوامِ متحدہ کے منشور میں مُساواتِ انسانی سے متعلق قوانین تو موجود ہیں، مگر ان پر سنجیدگی سے کما حقّہ

(۱) پ۲٦، الحُجرات: ١٣.

(۲) "مسند الإمام أحمد" ر: ٢٣٤٨٩، ٣٨/ ٤٧٤.

عمل نہیں کیا جاتا، طاقتور ممالک نیٹو (NATO) کے اتحادی لشکر، اور ویٹو پاور (Veto Power) کے نام پر، کمزور ممالک کو ظلم وستم کا نشانہ بنارہے ہیں، ان کے بنیادی انسانی حقوق تک پامال کررہے ہیں، بالخصوص اسلامی ممالک کے ساتھ امتیازی سُلوک برتا جارہا ہے، کشمیر وفلسطین، عراق، یمن، شام اور افغانستان میں ہونے والے لاکھوں مسلمانوں کے قتلِ عام سے چشم پوشی کی جارہی ہے، مسلمان ماؤں بہنوں کی عزّت وعصمت دَری پر انسانی حقوق کی تنظیمیں NGO's، مذمّت کے دو۲ بول بولنے سے بھی قاصر دکھائی دیتی ہیں، مغربی ممالک میں مسلمان خواتین کے حجاب پر پابندیاں لگائی جارہی ہیں، انہیں جنسی طور پر ہراساں کیا جارہا ہے، ہر داڑھی والے مسلمان کو دہشتگرد خیال کیا جاتا ہے، دنیا بھر میں کہیں بھی دہشتگردی ہو، اس کا اِلزام مسلمانوں کے سر تھوپ دیا جاتا ہے، جن کے نام میں لفظِ "محمد" آتا ہے، انہیں ویزہ جاری کرنے میں پس وپیش سے کام لیا جاتا ہے، لیکن کیا مجال ہے کہ کوئی سیاستدان، جج، صحافی یا انسانی حقوق کی تنظیم، مسلمانوں کے ساتھ بطورِ انسان اس امتیازی سُلوک کے خلاف آواز بلند کرسکے!!۔

قانون کا یکساں اِطلاق

برادرانِ اسلام! اسلامی تعلیمات کی آئینہ دار ریاستِ مدینہ، دنیا کی وہ واحد اور اوّلین ریاست تھی، جس میں قانون کا اِطلاق سب کے لیے یکساں اور برابر تھا، آج دنیا کے ہر ملک میں، ہر چیز سے متعلق قانون موجود تو ہے، لیکن ہر شخص چاہے وہ امیر ہو یا غریب، صدر ہو یا وزیرِ اعظم، اُن پر اِس قانون کا یکساں اِطلاق عملاً کہیں رائج نہیں، آج مسندِ اقتدار پر براجمان کرپٹ عناصر (Corrupt Elements) نے، قانون کی گرفت سے محفوظ رہنے کے لیے، منتخب اسمبلیوں سے "استثناء" کے قانون منظور

کروا رکھے ہیں، وہ جس قدر چاہیں قانون شکنی کریں، قانون نافذ کرنے والے ادارے انہیں اُس وقت تک گرفتار نہیں کرسکتے، جب تک وہ اقتدار کی کرسی سے علیحدہ نہیں ہوجاتے، جبکہ دوسری طرف دینِ اسلام میں بلاتفریقِ مذہب، عدل وانصاف اور انسانی مُساوات کے تمام تقاضے پورے کیے جانے کے اُصول وضوابط موجود ہیں۔

چنانچہ ایک بار بنی مخزوم کی ایک عورت فاطمہ بنتِ اَسوَد نے چوری کی، یہ قبیلہ قریش میں عزّت ووَجاہت کا حامل تھا، لہذا لوگ چاہتے تھے کہ وہ عورت سزا سے بچ جائے، اور مُعاملہ کسی طرح ختم ہوجائے، حضور نبئ کریم ﷺ سے مُعافی کی درخواست کی گئی، حضور رحمتِ عالَم ﷺ نے ناراض ہوکر فرمایا: «إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَايْمُ الله! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ، لَقَطَعْتُ يَدَهَا»[١] "تم سے پہلے لوگ اسی لیے تباہ وبرباد ہوئے، کہ وہ کمزوروں پر بلاتاُمّل حد قائم کرتے، جبکہ اُمراء سے درگزر کیا کرتے تھے، قسم ہے ربِ عظیم کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر فاطمہ بنتِ محمد (ﷺ) بھی چوری کرتی، تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا!"۔

حاکمِ وقت اور عام ملازم کی یکساں اُجرت

محترم بھائیو! خلیفۂ اوّل حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرتِ مبارکہ پر نظر دَوڑائیں، تو مُساوات کی ایسی مثال دیکھنے کو ملتی ہے، کہ بے اختیار زبان "سبحان اللہ" پکار اٹھتی ہے۔

---

(١) "صحيح البخاري" كتابُ أحاديْث الأنْبياءِ، ر: ٣٤٧٥، صـ٥٨٦.

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے وصالِ ظاہری کے بعد، حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہمی مُشاورت اور اتفاقِ رائے سے ریاستِ مدینہ کے حکمران وخلیفہ چُنے گئے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی خلافت کے دوسرے روز ہی کچھ چادریں لے کر (فروخت کرنے کی غرض سے) بازار جارہے تھے، حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ فرمایا: (بغرضِ تجارت) بازار جارہا ہوں، حضرت سیّدنا عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: آپ یہ کیا کررہے ہیں؟ اب آپ مسلمانوں کے امیر ہیں! یہ سن کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: (اگر میں یہ کام چھوڑ دُوں) تو پھر میرے اہل وعِیال کہاں سے کھائیں گے؟ حضرت سیّدنا عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس چلیے، اب آپ کے اِخراجات حضرت ابوعبَیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ طے کریں گے۔

پھر یہ دونوں حضرات سیّدنا ابوعبَیدہ بن جرّاح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لائے، حضرت سیّدنا ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «أَفرَضُ لك قُوتَ رجلٍ من المهاجرينَ، ليس بأفضلِهم ولا أوكَسِهم، وكِسوةَ الشِّتاءِ والصَّيفِ، إذا أخلقتَ شيئاً رددتَه وأخذتَ غيرَه!» "میں آپ (حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق اور آپ کے اَہل وعِیال کے لیے) ایک اَوسط درجے کے مہاجر کی خوراک کا اندازہ کرکے روزینہ، اور موسمِ سرما وگرما کا لباس مقرّر کرتا ہوں، اس طور پر کہ جب وہ لباس قابلِ استعمال نہ رہے، تو واپس دے کر دوسرا لے لیا کریں!"۔ چنانچہ حضرت ابوعبَیدہ بن جرّاح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے آدھی بکری کا گوشت، لباس اور روٹی مقرّر کردی [1]۔

---

(١) "تاريخ الخلفاء" الخلفاء الراشدون، صـ٦٣، ملخصاً.

خلفائے راشدین کے نزدیک مُساوات کی کیا اہمیت تھی؟ اس کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے، کہ حضرت سیّدنا عامر بن ربیعہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: «خرجَ عمرُ حاجّاً من المدينة إلى مكّةَ إلى أن رجعَ، فما ضرب فسطاطاً ولا خباءً، إلّا كان يُلقي الكساءَ والنطعَ على الشجرةِ، ويستظلّ تحتَها»[١] "حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ عازمِ حج ہوکر مدینۂ طیّبہ سے روانہ ہوئے، آمد ورفت میں آپ کے لیے کوئی سائبان یا خیمہ نہیں لگایا گیا، جہاں قیام فرماتے، اپنے کپڑے اور بستر کسی درخت پر ڈال کر خود ہی سایہ کر لیا کرتے"۔

برادرانِ اسلام! ان واقعات میں ہمارے حکمران طبقے کے لیے بڑی نصیحتیں ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ سادگی اپنائیں، پروٹوکول کے نام پر اپنے اور عوام کے بیچ امتیازی خلیج ہرگز حائل نہ ہونے دیں، اسلام کے درسِ مُساوات کو یاد رکھیں، سہولیات اور تنخواہ ایک اَوسط درجہ کے ملازم کی اُجرت کے برابر لیں، شاہ خرچی سے بچ کر ملک وقوم کی حقیقی خدمت انجام دیں، تب ان کی رِعایا انہیں خیر وبرکت کی دعائیں دے گی، جس سے ان کی دنیا اور آخرت سنوَر جائے گی، اور ہمارا ملک حقیقی معنی میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو جائے گا!۔

بلاتفریق عدل ومُساوات

عزیزانِ محترم! عدل ومُساوات کا جو نظام دینِ اسلام نے دیا ہے، دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی، رسولِ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے قَول وفعل سے عدل ومُساوات کی بہترین مثالیں قائم فرمائیں، انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے اَہل وعِیال، رشتہ داروں،

---

(١) "الرياض النضرة" الفصل ٩، الجزء ٢، صـ٣٦٨.

دوستوں، ہمسایوں، ملازموں، الغرض سبھی کے ساتھ عدل ومُساوات اور انصاف کا مُعاملہ کرے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ٘-وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْاؕ-اِعْدِلُوْا- هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى٘-وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ-اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾[1] "اے ایمان والو! اللہ تعالی کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ، انصاف کے ساتھ گواہی دیتے! اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ اُبھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو! وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالی سے ڈرو! یقیناً اللہ تعالی کو تمہارے کاموں کی خبر ہے"۔

حضراتِ گرامی قدر! عدل وانصاف اور مُساوات پر مبنی دُرست فیصلے، اَقوامِ عالَم کی کامیابی وکامرانی کے لیے اہم ترین سبب وذریعہ ہیں، عدل ومُساوات مُعاشرے میں امن واِستحکام کے لیے بھی انتہائی ضروری ہے؛ کہ اس سے لوگوں کے حقوق کی حفاظت ہوتی ہے، اور اس کی برکت سے دینِ اسلام کی افضلیّت واَہمیّت اُجاگر ہوتی ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ مُساوات کی تعلیم

میرے محترم بھائیو! انسان کی جان، مال، ناموس کی حفاظت، امن وامان اور سکون، اسلامی قوانین کی اوّلین ترجیح میں سے ہے۔ دینِ اسلام نے جہاں ایک مسلمان کی جان، مال اور عزّت وآبرُو کے تحفّظ کا حکم دیا ہے، وہیں غیر مسلموں پر ظلم وزیادتی اور بحیثیت انسان امتیازی سُلوک سے بھی روکا ہے، ان سے حُسنِ اَخلاق سے پیش آنے اور عدل وانصاف قائم کرنے کا بھی درس دیا ہے، ارشادِ خداوندی ہے: ﴿ لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ لَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ

(۱) پ٦، المائدة: ٨.

وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾[1] "اللہ تعالی تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دِین میں نہ لڑے، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا، کہ ان کے ساتھ احسان کرو، ان سے انصاف کا برتاؤ برتو، یقیناً انصاف والے اللہ تعالی کو محبوب ہیں"۔

اسی طرح آقائے دوجہاں ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ قَذَفَ ذِمِّيّاً، حُدَّ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِسِيَاطٍ مِنْ نَارٍ»[2] "جس نے کسی ذِمّی پر ناحق تہمت لگائی، بروزِ قیامت اس پر آگ کے کوڑوں سے حد قائم کی جائے گی"۔

غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف کی ایک مثال

جانِ برادر! اسلام دینِ رَحمت ہے، جس نے غیروں کے ساتھ بھی مُساوات، ہمدردی، غمخواری ورَواداری اور عدل وانصاف کی تاکید فرمائی ہے، مصطفیٰ جانِ رَحمت ﷺ کی پوری حیاتِ طیبّہ کے دَوران ایک واقعہ بھی اَیسا نہیں ملتا، جس میں نبئ رحمت ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہو، بلکہ رحمتِ عالمیان ﷺ نے ہمیشہ عدل وانصاف سے کام لیا، جیساکہ اَنصار کے ایک شخص طُعمہ بن اُبیرق جو بظاہر مسلمان تھا، اُس نے اپنے ہمسایہ قتادہ بن نعمان کی زِرہ چُرا کر آٹے کی بوری میں، زَید بن سمین یہودی کے گھر چھپادی، جب زِرہ کی تلاش ہوئی اور طُعمہ پر شُبہ ہوا تو وہ انکار کرتے ہوئے قسم کھا گیا۔

بوری پھٹی ہوئی تھی اور آٹا اس میں سے گرتا جاتا تھا، اس کے نشان سے لوگ یہودی کے مکان تک پہنچے اور بوری وہاں مل گئی، یہودی نے کہا کہ طُعمہ اس کے

---

(۱) پ۲۸، المتحنة: ۸.

(۲) "المعجم الكبير" بابُ الواو، ر: ۱۳۵، ۲۲/ ۵۷.

پاس رکھ گیا ہے، یہود کی ایک جماعت نے بھی اس کی گواہی دی، طُعمہ کی قوم نے یہودی کو چور ثابت کرنے، اور طُعمہ کو بَری کرانے کے عزم سے قسمیں کھائیں، طُعمہ کے مُوافق اور یہودی کے خلاف جھوٹی گواہیاں دیں؛ تاکہ پوری قوم رُسوا نہ ہو، ان کی خواہش تھی کہ رسولِ کریم ﷺ طعمہ کو بَری کر کے یہودی کو سزا دیں، تب اللہ تعالی نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی: ﴿يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا﴾[1] "آدمیوں سے چُھپتے ہیں اور اللہ تعالی سے نہیں چُھپتے! اللہ تعالی ان کے پاس ہے، جب دل میں وہ بات تجویز کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، اور اللہ تعالی ان کے کاموں کو گھیرے ہوئے ہے"[2]۔

سرورِ کونَین ﷺ نے عدل و مُساوات کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے، یہودی کے حق میں فیصلہ دیا، اور غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اس سے کوئی امتیازی سُلوک نہیں برتا۔

حاکمِ وقت اور جج صاحبان کی ذمہ داری

حضراتِ گرامی قدر! اسلام میں قاضی وجج کو یہ مقام وحق حاصل ہے، کہ وہ عدل وانصاف اور مُساوات کی خاطر، حاکمِ وقت کو بھی بلوا کر عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر سکتا ہے، حاکمِ وقت اور جج صاحبان پر یہ فرض ولازم ہے، کہ ملک و مُعاشرے میں عدل، مُساوات اور انصاف قائم کریں، کسی سے امتیازی سُلوک نہ ہونے پائے، حقدار کو حق دلائیں، مظلوم کو ظالم سے نَجات دلائیں، اور نسلی ومذہبی امتیاز کے بغیر

---

(١) پ٥، النساء: ١٠٨.

(٢) "تفسير ابن كثير" پ٥، النساء، تحت الآية: ١٠٨، ٢/ ٤٠٥.

عدل و مُساوات کا لحاظ رکھتے ہوئے، انصاف کے مطابق فیصلہ کریں، ہر شعبہ، ہر طبقہ اور ہر فرد کو عدل وانصاف فراہم کیا جائے، ذات پات کی بنیاد پر کسی سے کوئی امتیازی سُلوک ہرگز نہ برتا جائے۔

اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے اپنے دائرۂ کار کے مطابق ہر چھوٹے بڑے، امیر غریب، افسرو ماتحت، سب کے ساتھ مُساویانہ برتاؤ کریں، اور رنگ و نسل یا ذات پات کی بنیاد پر، کسی قسم کی تفریق کا مُظاہرہ ہرگز نہ کریں۔

دعا

اے اللہ! ہمیں بلاتفریق عدل وانصاف کی توفیق عطا فرما، سب کے ساتھ یکساں سُلوک اور مُساوات کا برتاؤ کرنے کی توفیق دے، کسی سے ظلم وزیادتی اور حق تلفی سے محفوظ فرما، ہمارا عدالتی نظام بہتر بنا، سب لوگوں کے لیے انصاف کا حصول آسان کر دے، تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی، بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرما، بخل وکنجوسی سے محفوظ فرما، خوشی سے غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

ذہنی، نفسیاتی اور فکری انتشار کے نتائج

(جمعۃ المبارک ۲۰ شوّال المکرّم ۱۴۴۱ھ - ۲۰۲۰/۶/۱۲ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

برادرانِ اسلام! دَورِ جدید کا ایک سنگین مسئلہ یہ بھی ہے، کہ انسانی مُعاشرہ شدید ذہنی، نفسیاتی اور فکری انتشار کا شکار ہو رہا ہے، اَخلاقی قدریں پامال ہو رہی ہیں، باہمی تعلقات خود غرضی اور مفاد پرستی کی بھینٹ چڑھ رہے ہیں، خاندان اور ملک وقوم کے نام پر ایک دوسرے کی گردنیں کاٹی جارہی ہیں، انسانیت سسک رہی ہے، مذہبی شدّت پسندی میں اضافہ ہو رہا ہے، محبت واُلفت کے جذبات پروان چڑھنے کے بجائے، مُعاشرے میں عدم برداشت اور انتہاء پسندی پر مبنی غیر اَخلاقی رویہ فروغ پارہا ہے، اور یہ صورتحال کسی طور پر بھی قابلِ قبول نہیں؛ کیونکہ ذہنی وفکری انتشار اگر مُعاشرے کی جڑوں میں بیٹھ جائے، تو دلوں میں نفرتیں اور کدُورتیں اس قدر بڑھ جاتی ہیں، کہ قَومیں اپنی شناخت تک کھو بیٹھتی ہیں، ہمارے مُعاشرے کے ذی شُعور لوگوں کو چاہیے، کہ اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کریں، اور غیر ضروری اَبحاث میں اپنا وقت اور

توانائی ضائع کرنے کے بجائے، اس بارے میں غور وفکر کریں کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کے لیے پیار، محبت اور اُلفت پر مبنی، ایک پُر سکون مُعاشرہ کیسے تشکیل دے سکتے ہیں؟۔

ذہنی وفکری انتشار کے اَسباب

عزیزانِ محترم! دَورِ حاضر کے نِت نئے اُٹھنے والے فتنوں اور ذہنی وفکری انتشار سے نَجات کے لیے، سب سے پہلے ہمیں اس کے اَسباب اور درپیش چیلنجز (Challenges) پر غور کرنا ہوگا، بادیُ النظر میں ٹی وی، اَخبارات، انٹرنیٹ (Internet) اور سوشل میڈیا (social media) کے پلیٹ فارمز (Platforms) انسانی صحت کے لیے سخت ضرر رَساں اور ذہنی وفکری انتشار کا باعث بن رہے ہیں، ان ذرائعِ اِبلاغ کا بے حد اور کثرت سے استعمال، ذہنی ونفسیاتی اختلاج(Confusion) کا سبب بن رہا ہے، لوگوں میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے، کہ انٹرنیٹ (Internet) اور سوشل میڈیا (social media) کے ذریعہ ان کی نگرانی کی جا رہی ہے، ان کی سرگرمیاں ریکارڈ ہو رہی ہیں، لوگ عدمِ تحفظ کے احساس کے سبب پریشان رہنے لگے ہیں، ایک دوسرے کے متعلق وَہم اور وَسوَسوں میں مبتلا ہو رہے ہیں، دِماغی خلل اور ذہنی دَباؤ کے اَمراض میں اضافہ ہو رہا ہے، سوشل میڈیا کا استعمال ہمارے بچوں کو حقیقت کی دنیا سے دُور لے جا رہا ہے، وہ ایک پرفیکٹ زندگی (Perfect life) کی تلاش میں اس حد تک آگے نکل رہے ہیں، کہ ناکامی کی صورت میں خود کو نقصان پہنچانے سے بھی گریز نہیں کرتے، ساری ساری رات سوشل میڈیا کا استعمال سے، نیند پوری نہ ہونے کے باعث بھی ذہنی دَباؤ اور انتشار میں اضافہ کر رہا ہے، جس کے سبب انسان مثبت طرزِ زندگی سے دُور ہوتا جا رہا ہے۔

حضراتِ گرامی قدر! فکری انتشار میں اضافے کے اَسباب میں سوشل میڈیا کے ساتھ ساتھ، بیک وقت کئی طرح کا رائج نصابِ تعلیم بھی ہے، کہیں نام نہاد سیکولر ولبرل سوچ (Secular and liberal thinking) کے نام پر اِلحادی فکر (Atheistic thought) کو پروموٹ (Promote) کیا جا رہا ہے، کہیں فرقہ وارانہ تعصب کو ہوا دی جا رہی ہے، کہیں اولیول (O-Level) کے نام پر مذہب بیزار فکر کو پروان چڑھایا جارہا ہے، اور اس پر مزید یہ کہ مذہب کے نام پر بعض عناصر اپنی کم علمی، اور دین سے دُوری کے باعث انتہاء پسندی، باہمی نفرت، عدمِ برداشت اور جارحیت کو ہمارے مزاج کا حصہ بنانے میں کوشاں ہیں، جس کا نقصان یہ ہو رہا ہے کہ عالَمی سطح پر مسلمانوں کا غلط امیج (Image) پیش ہو رہا ہے، ہم ساری دنیا سے کٹ کر اپنے ہی خول میں بند ہوتے جا رہے ہیں، سفارتی سطح پر اَقوامِ عالَم کی اَخلاقی حمایت سے محرومی ہمارا مقدّر بنتی جا رہی ہے، دنیا بھر میں لاکھوں مسلمانوں کی شہادت کے باوُجود ہمیں اور ہمارے مذہب کو دہشتگردوں کا حامی قرار دیا جا رہا ہے، اور ایک ہم ہیں کہ اسلام کو درپیش ان چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے بجائے فرقہ وارانہ اختلافات کے سبب، مختلف گروہوں میں بٹ کر کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔

عزیزانِ مَن! اسلام تو اتحاد، اتفاق اور یکجہتی کی دعوت ودَرس دیتا ہے؛ کیونکہ اتفاق واتحاد کی بدَولت مُعاشَرتی، اقتصادی اور ذہنی وفکری قوّت میں اضافہ ہوتا ہے، اور انسان نفسیاتی وفکری انتشار کا شکار ہونے سے محفوظ رہتا ہے، خالقِ کائنات عزّوجلّ نے قرآنِ پاک میں ہمیں باہم اتحاد واتفاق کے ساتھ رہنے کا حکم دیا، ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾[1] "سب مل کر اللہ تعالی کی رَسّی مضبوط تھام لو، اور آپس میں فرقوں میں نہ بٹ جانا!" یعنی دِینِ اسلام کے اُصول وقواعد اور اللہ ورسول کے فرامین پر عمل پیرا رہنا ہے؛ کیونکہ اتفاق وہی اچھا ہے جو اللہ ورسول کی اِطاعت پر کیا جائے، ان کا راستہ چھوڑ کر اتفاق اتفاق نہیں، بلکہ کمزوری اور بدبختی ہے۔

ہمارے فکری انتشار کے سبب آج مسلمانوں کی نااتفاقی اور باہمی افتراق، ایک بہت بڑے چیلنج کی شکل اختیار کرچکا ہے، عالمِ کفر ہر سَمت سے مسلمانوں کی تباہی وبربادی کے درپَے ہوچکا ہے، اسی کی نشاندہی کرتے ہوئے رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: «يُوشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ، كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا» "عنقریب دیگر اَقوام تم پر یُوں ٹوٹ پڑیں گی، جیسے بھُوکے لوگ کھانے سے بھرے برتن پر ٹوٹ پڑتے ہیں" کسی نے عرض کی کہ کیا ایسا ہماری قلّت کے باعث ہوگا؟ فرمایا: «بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ، وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ، وَلَيَنْزِعَنَّ اللهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ، وَلَيَقْذِفَنَّ اللهُ فِي قُلُوبِكُمُ الْوَهْنَ» "بلکہ اُن دنوں تم اکثریت میں ہوگے، لیکن ایسے بے کار ہوگے جیسے سیلاب کا لایا ہوا کُوڑا، اللہ تعالی تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رُعب نکال دے گا، اور تمہارے دلوں میں بزدلی ڈال دے گا!"، سائل عرض گزار ہوا کہ یارسول اللہ! بزدلی کیا ہے؟ فرمایا: «حُبُّ الدُّنْيَا، وَكَرَاهِيَةُ الْمَوتِ»[2] "دنیا کی محبت اور مَوت کو ناپسند کرنا"۔

---

(۱) پ٤، آل عمران: ١٠٣.

(٢) "سنن أبي داود" باب في تداعي الأمم على الإسلام، ر: ٤٢٩٧، صـ٦٠٣ .

لہذا ضروری ہے کہ تمام مسلمان اپنے فُروعی اختلافات بھلا کر، اتفاق واتحاد کی لڑی میں جُڑ جائیں، اور جہاں کہیں ہمارے کسی بھی مسلمان ملک یا مسلمان بھائی کو کوئی تکلیف، پریشانی یا کوئی بھی مصیبت پیش آئے، تو دنیا بھر کے تمام مسلمان اور مسلم ممالک، اسے اپنی تکلیف سمجھیں؛ کہ مسلمان سب ایک جان کی مانند ہیں، حضرت سیّدنا ابوموسیٰ اَشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضاً» "مسلمان مسلمان کے لیے ایک عمارت کی طرح ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے کے سہارے مضبوط رہتا ہے"۔ رَحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرما کر، اپنے دونوں ہاتھوں کی اُنگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کرکے اشارہ فرمایا[1]۔

فکری انتشار ... عالَمِ اسلام کو درپیش ایک چیلنج

میرے محترم بھائیو! ذہنی وفکری انتشار کے سبب، عالَمِ اسلام کو تکفیری سوچ کا چیلنج بھی درپیش ہے، تکفیری سوچ، فکری انتشار سے مغلوب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ بعض لوگ غلط تجزیہ وتحلیل کے ذریعے، تکفیری مکتبِ فکر کو اسلام سے منسوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا دینِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں، سروَرِ کائنات، فخرِ موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری زندگی اصلاحِ امّت میں کوشاں رہے، اور اسی کا درس بھی دیتے رہے۔ حجۃ الوَداع کے موقع پر میدانِ عرَفات میں اپنی اُمّت کو ایک یادگار وعظیم الشان خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں تعلیماتِ اسلامیہ کی رَوشنی میں زندگی کا لائحۂ عمل پیش کیا۔ اس خطبہ کا ہر ہر جملہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے،

(۱) "صحيح البخاري" باب نصر المظلوم، ر: ٢٤٤٦، صـ٣٩٤.

ہر جملہ میں ہدایت ورَہنمائی کے بہت سے پہلو نمایاں ہیں، اس خطبہ میں ایک اَہم وصیت انسانی جانوں کے خون کی حرمت بھی بیان فرمائی۔

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ كُفَّاراً، يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»[1] "میرے بعد کفر کی طرف مت لَوٹ جانا، کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو!"۔ محدثینِ کرام اس حدیثِ پاک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "کافروں جیسے مت ہو جانا، اسلام پر ثابت قدم رہنا، اور مسلمانوں کی جان ومال کو مُباح (حلال) مت جاننا؛ کہ ان سے لڑائی کر کے انہیں قتل کرو، اور ان کا مال چھینو! یہ کام مسلمانوں کا نہیں کفّار کا ہے"[2]۔

محترم بھائیو! کسی بھی غلطی یا گناہ پر کفر کا فتویٰ لگانا، یا کسی کو بلاوجہِ شرعی کافر کہہ دینا، دینِ اسلام میں غُلو کہلاتا ہے؛ کیونکہ مسلمان کو کافر کہنا سخت حرام اور اسے قتل کرنے کے مترادِف ہے، حضرت سیّدنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِأَخِيْهِ: يَا كَافِرُ! فَهُوَ كَقَتْلِه، وَلَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِه!»[3] "آدمی اپنے مسلمان بھائی کو "اے کافر!" کہہ کر پکارے، تو یہ اسے قتل کرنے کے مترادِف ہے، اور مؤمن پر لعنت کرنا بھی ایسا ہی ہے!"۔

میرے عزیز! مسلمان کو مسلمان اور کافر کو کافر جاننا بھی بے حد ضروری ہے، فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ "کسی کو بطورِ گالی کافر کہا تو وہ کافر نہ ہو گا، اور اگر کافر

---

(۱) "صَحيحُ البخاري" باب الإنصاتِ للعُلَماءِ، ر: ۱۲۱، صـ۲۶.

(۲) "نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری" کتاب العلم، ۱/۴۱۴، ملخصًا۔

(۳) "المعجم الكبير" أبو قلابة عن عمّه ...إلخ، ر: ۴۶۳، ۱۸/ ۱۹۴.

جان کر کہا، تو کہنے والا خود کافر ہوگیا"[1]۔ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو ہرگز کافر نہیں کہہ سکتا، اور ایسا صرف اسی صورت میں ممکن ہے، جب کہنے والا نِرا جاہل ہو، یا پھر وہ شدید ذہنی وفکری انتشار سے مغلوب ہو، اور ایسے عناصر سے متاثر ہو جو ایک منظّم سازش کے تحت، مذہب کے نام پر سوشل میڈیا (social media) اور لٹریچر (Literature) کے ذریعے فرقہ واریت اور تعصب کی آگ لگانے میں مصروف ہیں، اور مسلمان نوجوانوں کو کنفیوز (Confuse) کر کے اسلامی تعلیمات سے متنفر کرنے کی کوشش میں ہیں، اس مکروہ کھیل میں صرف فرقہ واریت کا ہی عمل دخل نہیں، بلکہ سوشل میڈیا پر فرضی پیجز (Pages) اور آئی ڈیز (IDs) کے ذریعے، یہود ونصاریٰ بھی پوری طرح سرگرمِ عمل ہیں، لہٰذا ہمیں اس سازش سے پوری طرح باخبر رہنے، اور اس کا قلع قمع کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

مذہبِ اسلام کی تعلیمات

حضراتِ گرامی قدر! مذہبِ اسلام ایک آسان، معتدِل اور اِفراط وتفریط سے پاک دِین ہے، اس کی تمام تعلیمات چاہے وہ عقائد سے متعلق ہوں یا عبادات سے، مُعاملات سے تعلق رکھتی ہوں، یا مُعاشرت سے، تمام تر تعلیمات عدل وانصاف اور میانہ روی پر مبنی ہیں، نہ ان میں اِفراط ہے، کہ عمل کرنے والا ملال وتنگ دلی کا شکار ہو جائے، اور نہ تفریط وجفا ہے کہ صاحبِ حق کا حق مارا جائے، بلکہ ہر میدان میں ایک درمیانی اور معتدِل راہ اختیار کی گئی ہے۔

قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ میں اس پر کثیر دلائل موجود ہیں، چنانچہ ایک بار

(۱) "الفتاوى الهنديّة" كتاب السير، الباب ۹ أحكام المرتدّين، ۲/ ۲۷۸.

نبیٔ کریم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مخاطب کرکے فرمایا: «إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّيْنَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَه، فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَأَبْشِرُوْا»[1] "یقیناً دینِ اسلام آسانی کا دِین ہے، اور جو بھی اِس دِین میں بے جاسختی کرے گا، تو بالآخر دِین ہی اُس پر غالب آجائے گا، اس لیے میانہ روی اختیار کرو، اور ایک دوسرے کے ساتھ مل جُل کر رہو، اور لوگوں کو دِین کی طرف راغب کرنے والی اچھی باتیں بتاتے رہو!"۔ لہٰذا دینی مُعاملات میں ذہنی انتشار کا شکار ہوکر، ہمیں سختی اور تنگ نظری کا مُظاہرہ کرنے کے بجائے، پیار محبت کے ساتھ دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دینی چاہیے۔

فکری انتشار کی مذمت

عزیزانِ محترم! کسی کی تعریف وتعظیم، ادب واحترام میں حد سے گزر جانا، عبادات ومُعاملات، بزرگانِ دِین، علمائے کِرام یا مقدّس مقامات کے ادب واحترام میں غیرِ حرام کو حرام، اور حرام کو حلال مان لینا، یا غیرِ فرض کو فرض جاننا، اور کسی مخلوق کو خدا یا خدا کے مثل ماننا، یہ سب غُلو، انتہاء پسندی اور فکری انتشار کا نتیجہ ہے۔

اسی طرح گناہِ کبیرہ کے سبب مسلمان کو کافر قرار دینا، مسلم ریاست کو کُفرستان قرار دینا، وہاں بسنے والوں کی جان، مال، عزّت وآبرُو کو حلال جاننا، اُن کا اور اُن کے اہل وعِیال کا قتل جائز سمجھنا، انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار دینا، مسلم ریاست میں اسلام وجِہاد کے نام پر بم دھماکے کرنا بھی ظلمِ عظیم ہے، ذہنی ونفسیاتی انتشار پر کنٹرول رکھتے ہوئے، ہمیں غُلو اور اِفراط وتفریط سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الإيمان، باب: الدينُ يُسرٌ، ر: ۳۹، صـ۱۰.

الْحَقَّ﴾(۱)"اے کتاب والو! اپنے دِین میں زیادتی نہ کرو! اور اللہ تعالی پر جو بات کہو سچ کہو!"۔

مفسّرینِ کرام اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں کہ "غیرِ فرض کو فرض اور حلال کو حرام سمجھ لینا، نبیوں ولیوں کو خدا یا خدا کی طرح مان لینا، عالموں پیروں کو حرام وحلال کا مالک سمجھ لینا، دِین میں غُلُو ہے، اُن لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو طیّب وحلال چیزوں کو حرام جاننا تقویٰ، اور ترکِ دنیا کو دِین سمجھ لیتے ہیں، تقویٰ حلال سے بچنے کا نام نہیں، بلکہ حرام سے بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ بعض لوگ گوشت نہیں کھاتے، بعض بھنگ وچرس پیتے ہیں، پھر بھی اپنے آپ کو کامل وَلی سمجھتے ہیں، بعض اپنے پِیروں مَولویوں کو حرام وحلال کا مالک جانتے ہیں، کہ جس چیز کو اُن کے مَولویوں نے حرام کہہ دیا، اگرچہ اُس کی حُرمت پر کوئی شرعی دلیل نہ بھی ہو، تب بھی وہ اُسے حرام ہی کہتے ہیں، اور جو کفریات اُن کے بزرگوں کی زَبان وقلم سے نکل گئے اُن کو دُرست سمجھتے ہیں، یہ سب غُلو، زیادتی، شدّت پسندی (اور فکری انتشار کا نتیجہ) ہے"(۲)۔

فکری انتشار سے بچنے کا طریقہ

برادرانِ اسلام! مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ ہمیشہ سختی وغُلُو والے کاموں سے بچ کر، آسانی واِعتِدال کی راہ اختیار کرتے، دوسروں کو بھی یہی تعلیم وتربیت دیتے، اُمُّ المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدّیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے: «مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا، مَالَمْ يَكُنْ إِثْماً، فَإِنْ كَانَ إِثْماً كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِنَفْسِهِ، إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ

(۱) پ٦، النسآء: ١٧١.

(۲) "تفسیرِ نعیمی" پ٦، النساء، زیرِ آیت: ۱۷۱، ۱۳۰/٦، ملتقطاً۔

حُرْمَةُ اللهِ فَيَنْتَقِمَ لله بِهَا»[۱] "رسول اللہ ﷺ کو جب بھی دو۲ باتوں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا، تو آپ ﷺ ہمیشہ اُن دو۲ میں سے آسان کو اختیار فرماتے، بشرطیکہ وہ گناہ کی بات نہ ہو، اور اگر وہ گناہ ہو تو آپ ﷺ سب سے زیادہ اُس بات سے دُور رہا کرتے۔ نیز رسول اللہ ﷺ اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے اِنتقام نہ لیتے، مگر جب اللہ تعالی کی حُرمت پامال ہوتے دیکھتے، تو اللہ کی خاطر انتِقام لیا کرتے تھے"۔

اس حدیثِ پاک کی شرح میں محدّثینِ کِرام فرماتے ہیں کہ "دنیا کی باتوں میں سے جن دو۲ باتوں کا اختیار دیا جاتا، یا دُنیاوی مُعاملات میں کسی تنازع کے وقت جب دو۲ باتیں پیش کی جاتیں، اور دونوں میں کوئی گناہ نہ ہوتا، تو اُسے اختیار فرماتے جو آسان ہوتی"[۲]، لہٰذا ہمیں بھی غُلُو، زیادتی اور فکری انتشار کا شکار ہو کر مشکل اَمر کو اختیار کرنے کے بجائے، آسان اور معتدِل کام کو اپنانا چاہیے۔

حضراتِ گرامی قدر! شریعتِ اسلامیہ میں سختی وشدّت پسندی کا کوئی مقام نہیں، بلکہ ہمارا دین آسانی اور خلقِ خدا کی خیر خواہی کا دِین ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾[۳] "اللہ تعالی تم پر آسانی چاہتا ہے، اور تم پر دُشواری نہیں چاہتا"۔

میرے عزیز دوستو! چاہے مُعاملہ نماز روزہ ودیگر عبادات کا ہو، یا آپس کے لین دَین، میل جول، دوستی کا، یا آپس کے اختلافات ودشمنی کا مُعاملہ ہو، زندگی کے ہر موڑ پر

---

(۱) "صحيح البخاري" باب صفة النَّبِيّ ﷺ، ر: ۳۵۶۰، صـ۵۹۷.

(۲) "نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری" کتابُ المناقب، باب صفۃِ النبی ﷺ، ۷/۴۲۔

(۳) پ۲، البقرة: ۱۸۵.

اسلام ہمیں اعتدال، میانہ روی، آسانی اور نرمی کا درس دیتا ہے، فکری انتشار سے مغلوب ہوکر دینی مُعاملات میں سختی اور بداَخلاقی سے پیش آنا، اللہ تعالی اور اُس کے حبیب کریم ﷺ کو انتہائی ناپسند ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾[1] "توکیسی عمدہ اللہ تعالی کی مہربانی ہے کہ اے حبیب! تم اُن کے لیے نرم دل ہوئے، اور اگر تم تُند مزاج سخت دل ہوتے، تووہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہوجاتے"۔

میرے بھائیو! اگر ہم اعتدال اور میانہ روی کے سنہری اُصول کو اختیار کرلیں، تو ہمارا مُعاشرہ ذہنی، نفسیاتی اور فکری انتشار جیسی بے شمار برائیوں، اور مشکلات سے خود بخود نَجات حاصل کرسکتا ہے، لہٰذا کسی بھی مُعاملے میں اگر شریعتِ مطہَّرہ سے کوئی رخصت موجود ہو، تو اپنے فکری انتشار سے مغلوب ہوکر، بلاوجہ دوسرے مسلمانوں کو سختی اور پریشانی میں نہیں ڈالنا چاہیے، نرمی، اعتدال پسندی اور وُسعتِ قلبی ونظری کا مُظاہرہ کرنا چاہیے، اللہ کریم ہمیں ذہنی وفکری انتشار سے بچائے رکھے، اور دینی مُعاملات میں اپنی عقل وفکر کے گھوڑے دَوڑانے کے بجائے، علمائے حقّہ سے رُجوع کی توفیق عطا فرمائے، آمین!۔

دعا

اے اللہ! ہمیں باہمی محبت واُلفت، اتفاق واتحاد اور ذہنی کشادگی نصیب فرما، دہشتگردوں کے باطل نظریات: مسلمان کو کافر کہنے، قتل وغارتگری، بے علم فتوی دینے، اور ملک وقوم کی مخالفت وبغاوت سے محفوظ فرما، بہترین انداز میں اسلام

---

(۱) پ٤، آل عمران: ١٥٩.

کی دعوت دینے کی سعادت عطا فرما، ہمارے علماء ومفتیانِ کرام کے علم وعمل میں برکتیں نصیب فرما، تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرما، بخل وکنجوسی سے محفوظ فرما، خوشی سے غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

اسلام میں رزقِ حلال کی اہمیت

(جمعۃ المبارک ۲۷ شوّال المکرّم ۱۴۴۱ھ- ۱۹/۶/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ وَالسّلامُ عَلى خاتم الأنبياءِ وَالمرسَلين، وعَلى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجمَعِيْن، وَمَن تَبِعَهُم بِإحْسَانٍ إِلى يَوْمِ الدِّين، أَمّا بَعد: فَأَعُوذُ بِالله مِنَ الشّيطانِ الرَّجِيْم، بِسْمِ الله الرَّحْمنِ الرَّحِيْم.

حضور پُر نور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللَّهُمَّ صلِّ وسلِّمْ وبارِكْ علَى سيِّدِنَا ومولانا وحبيبِنا مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِهِ وصَحبِهِ أجمعين.

برادرانِ اسلام! خالقِ کائنات جَلَّ جَلالُہٗ نے ہر انسان، حیوان، جن اور چرند وپرند، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، سب کے رزق کا ذمّہ اپنے کرم پر لے رکھا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِي الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا﴾[1] "زمین پر چلنے والا کوئی اَیسا نہیں، جس کا رزق اللہ تعالی کے ذمۂ کرم پر نہ ہو"۔ جس جاندار کا جب تک اور جتنا رزق لکھا ہے، وہ وعدے کے مطابق اُسے ضرور مل کر رہے گا؛ لہٰذا عقلمند انسان مال ودَولت اور پیسہ کمانے کو مقصدِ حیات ہرگز نہ بنائے، بلکہ اس میں میانہ روی اختیار کرے۔

حضرت سیّدنا جابر بن عبد اللہ رَضِیَ اللہُ تَعالٰی عَنْہُما سے روایت ہے، مصطفیٰ جانِ رَحمت ﷺ نے فرمایا: «أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللهَ وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ؛ فَإِنَّ نَفْساً لَنْ تَمُوْتَ حَتّى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا، وَإِنْ أَبْطَأَ عَنْهَا، فَاتَّقُوا اللهَ وَأَجْمِلُوْا فِي

(۱) پ۱۲، هود: ٦.

الطَّلَبِ، خُذُوْا مَا حَلَّ، وَدَعُوْا مَا حَرُمَ»[1] "اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور روزی کمانے میں میانہ رَوی اختیار کرو؛ کیونکہ کوئی بھی اپنا رزق پورا کیے بغیر نہیں مرے گا، اگرچہ اس میں دیر ہو جائے، لہٰذا اللہ تعالی سے ڈرو اور اچھے طریقے سے روزی حاصل کماؤ، جو حلال ہے اُسے لے لو، اور جو حرام ہے اُسے چھوڑ دو"۔

دینِ اسلام میں رزقِ حلال کی ترغیب

عزیزانِ محترم! رزقِ حلال کے لیے جدوجہد، اور اس کے لیے وسائل واَسباب اختیار کرنا، ضروری اور عبادت ہے، بندہ رزقِ حلال کی خاطر ہر جائز طریقہ اختیار کرے، اور نتیجہ اپنے رب تعالیٰ پر چھوڑ دے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۙ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾[2] "اے لوگو! کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال وپاکیزہ ہے، اور شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو، یقیناً وہ تمہارا کُھلا دشمن ہے"۔ اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو حلال وطیّب کھانے کا حکم دیا، اور حرام وگندی چیزوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے، چونکہ انسانی اَخلاق وکردار پر غذا کا گہرا اثر پڑتا ہے، حلال رِزق سے دل نورانی ہوتا، جبکہ حرام غذا دل میں تاریکی اور غفلت پیدا کرتی ہے، لہٰذا رزقِ حلال کی خاطر جائز پیشہ اختیار کرنا عبادت قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالی نے رِزق حلال کے حصول کے لیے، جدوجہد کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ

(۱) "سنن ابن ماجه" كتابُ التِّجارة، ر: ۲۱٤٤، صـ۳٦۱.

(۲) پ۲، البقَرة: ۱٦۸.

كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ ﴾[1] "اے ایمان والو! کھاؤ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں، اور اللہ کا اِحسان مانو! اگر تم اُس کے بندے ہو"۔

رزقِ حلال کی ترغیب سے متعلق، حضرت سیّدہ عائشہ صدّیقہ طیبّہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت ہے، سرکارِ دوعالم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ أَطْيَبَ مَا أَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهِ»[2] "سب سے پاکیزہ کمائی وہ ہے، جسے آدمی اپنی محنت سے کما کر کھائے"۔ لہٰذا حصولِ رزق کے لیے صِرف وصِرف جائز طریقہ اپنائیں، حرام وناجائز سے ہمیشہ بچتے رہیں، اور رزقِ حلال کی کوشش وسعی کے ساتھ ساتھ حرام سے بچنے، اور حلال میں برکت کے لیے بارگاہِ الٰہی میں دعا بھی کرتے رہیں، فرمانِ خداوندی ہے: ﴿ اَللّٰهُ لَطِيۡفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ وَهُوَ الۡقَوِىُّ الۡعَزِيۡزُ ﴾[3] "اللہ تعالی اپنے بندوں پر لُطف وکرم فرماتا ہے، جسے چاہے روزی دیتا ہے، اور وہی قوّت وعزّت والا ہے"۔

حرام مال سے بچنا فرض ہے

حضراتِ گرامی قدر! خالقِ کائنات جَلَّ جَلَالُہٗ نے جہاں رزقِ حلال کمانے کی تاکید فرمائی، وہیں چوری، ڈکیتی، سُود، رشوت، مالی خُرد بُرد اور ناپ تول میں کمی جیسے حرام وباطل طریقوں سے، مال حاصل کرنے سے بھی منع فرمایا، اللہ رب العالمین نے حلال کھانے اور حرام سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ كُلُوۡا مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ وَلَا تَطۡغَوۡا فِيۡهِ فَيَحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبِىۡ وَمَنۡ يَّحۡلِلۡ عَلَيۡهِ غَضَبِىۡ فَقَدۡ

---

(١) پ٢، البقَرة: ١٧٢.

(٢) "سنن النَّسائي" كتاب البُيوع، ر: ٤٤٥٦، الجزء السابع، صـ٢٥٥.

(٣) پ٢٥، الشُورىٰ: ١٩.

هَوٰى﴾(۱) "کھاؤ جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں روزی دیں، اور اس میں زیادتی نہ کرو؛ کہ تم پر میرا غضب اُترے، اور جس پر میرا غضب اُترا یقیناً وہ ہلاک ہو گیا"۔ یعنی مقرّر کردہ حد سے تجاوُز مت کرو، فضول خرچی، ضرور تمندوں کو بھوکا چھوڑنا، رزق کو ضائع کرنا اور حرام روزی کمانا، یہ سب حد سے تجاوُز کرنا ہے۔

میرے بزرگو ودوستو اور بھائیو! ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنی محنت سے کما کر حلال کھائے، حرام وناجائز کمانا کھانا، دوسروں کا مال دبا لینا، لُوٹ مار کرنا، یہ سب ممنوع وحرام کام ہیں، اللہ تعالی نے کسی کا مال ناحق کھانے سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾(۲) "اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ"، اس سے معلوم ہوا کہ جبری خرید وفروخت، دوسروں کے مال کو نیلام کرنا، کسی کی دُکان یا زمین پر جبراً قبضہ کرنا، یا اُس کا کرایہ تھوڑا اور مالک کی مرضی کے خلاف دینا، یہ سب حرام وناجائز کام ہیں، اور ان سے خود کو بچانا انتہائی ضروری ہے۔

یورپ کا سُودی نظامِ معیشت

عزیزانِ محترم! آج دنیا بھر میں یورپ کا سُودی نظامِ معیشت رائج ہے، یہ نظام رزقِ حرام کا بنیادی سبب ہونے کے ساتھ ساتھ، غیر متوازن اور بے شمار شرعی، اَخلاقی اور مُعاشی قباحتوں کا حامل ہے، اس سُودی نظامِ معیشت کے سبب امیر وغریب کے مابین مالی خلیج بڑھتی جارہی ہے، امیر، امیر تر، اور غریب غریب تر ہوتا جارہا ہے،

(۱) پ۱٦، طٰهٰ: ۸۱.

(۲) پ۵، النسآء: ۲۹.

مُعاشرتی توازُن بگڑ رہا ہے، عالمی طاقتیں ورلڈ بینک (World Bank) اور آئی ایم ایف (IMF) کے ذریعے کمزور اور غریب ممالک کا استحصال کر رہی ہیں، انہیں قرضوں کی زنجیر میں جکڑا جا رہا ہے، بجٹ کے بہانے ان کی مُعاشی اصلاحات میں مَن پسند شرحِ سُود مقرّر کروائی جا رہی ہے، جس کے سبب نہ چاہتے ہوئے بھی اسلامی ممالک اور اس کے غریب عوام، سُود کے دَلدَل میں دھنستے جا رہے ہیں، نیز اپنے رزق میں حرام کی آمیزش کے بھی مرتکب ہو رہے ہیں، حالانکہ اللہ تعالی اور اس کے آخری رسول ﷺ نے رزقِ حلال کمانے کی خاطر، ہمیں بطور متبادِل اسلامی نظامِ معیشت نہ صرف عطا فرمایا ہے، بلکہ جا بجا سُود کی مذمّت بھی بیان فرمائی ہے۔

سُود اور تجارت میں فرق بیان کرتے ہوئے اللہ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾[۱]۔

وہ لوگ جو سُود کھاتے ہیں، قیامت کے دن ایسے کھڑے ہوں گے، جیسے وہ کھڑا ہوتا ہے جسے آسیب نے چُھو کر مخبوط بنا دیا ہو؛ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا: بیع (تجارت) بھی تو سُود ہی کی مانند ہے، اور اللہ تعالی نے بیع کو حلال کیا اور سُود حرام کیا، تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی، اور وہ (سُود سے) باز رہا، تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا، اور اس کا کام اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، اور جو اَب ایسی حرکت

(۱) پ۳، البقرة: ۲۷۵.

کرے گا وہ دوزخی ہے، وہ اس میں مدّتوں رہیں گے"۔

اس آیتِ مبارکہ میں سُود کی حرمت، اور سُود خوروں کی شامت کا بیان ہے، کہ انہیں طویل مدّت تک جہنم میں رہنا ہے۔

سُودی کاروبار اور لین دَین کی ممانعت

حضراتِ گرامی قدر! سُودی لین دَین اور کاروبار میں ملوّث مسلمانوں سے اللہ عزّوجلّ ارشاد فرماتا ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾[1] "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو! اور اگر تم مسلمان ہو تو جو سُود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو!"۔ اس آیتِ مبارکہ میں حکم دیا گیا، کہ سُود کی حرمت نازل ہونے کے بعد، سابقہ مطالبہ بھی ترک کرنا ضروری ہے، اور پہلے سے مقرّر کیا ہوا سُود بھی اب لینا جائز نہیں۔

اب اتنے واضح اَحکام کے باوُجود بھی اگر کوئی سُود سے باز نہ آئے، تو اس کے لیے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾[2] "پھر اگر ایسا (سُودی لین دَین ترک) نہ کرو، تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کا یقین کر لو!! اور اگر تم توبہ کرو تو اپنا اصل مال لے لو، نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ، نہ تمہیں نقصان ہو"۔

یہ وعید و تہدید میں مبالغہ و تشدید ہے، ورنہ کس کی مجال کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کا تصوّر بھی کر سکے! لیکن سُودی مُعاملات ترک نہ کرنے والا، اللہ و رسول سے مقابلے کی ٹھان کر، یقیناً دنیا و آخرت میں ذلیل ورُسوا ہو گا۔

---

(۱) پ۳، البقَرة: ۲۷۸.

(۲) پ۳، البقَرة: ۲۷۹.

ایک اَور مقام پر ایمان والوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾[1] "اے ایمان والو! سُود دُونا دُون (زیادتی پر زیادتی) نہ کھاؤ، اور اس امید پر اللہ سے ڈرو کہ تمہیں کامیابی ملے!"۔

میرے بھائیو! سُود دَر سُود کھانے کی یہ لعنت، ہزاروں سال سے چلی آرہی ہے، اور آج بھی یورپ کے سُودی نظامِ معیشت کی صورت میں، دنیا بھر میں رائج ہے، آج بھی اگر قرض ادا کرنے کی میعاد پوری ہوجائے، اور قرضدار کے پاس ادا کرنے کی کوئی صورت نہ ہو، تو قرض خواہ سُودی رقم میں اضافہ کرکے مدّت بڑھادیتا ہے۔

یاد رکھیے! حضرت سیّدنا جابر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سُودی دستاویز لکھنے والے، اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی، اور فرمایا: «هُمْ سَوَاءٌ»[2] "یہ سب لوگ گناہ میں برابر کے شریک ہیں"۔

اسی طرح حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «الرِّبَا سَبْعُونَ حُوباً، أَيْسَرُهَا أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ»[3] "سُود خوری کے ستر ۷۰ حصے ہیں، ان میں سے کم تر یہ ہے کہ کوئی اپنی ماں سے بدکاری کرے"۔

ایک اَور روایت میں دوجہاں کے سردار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «دِرْهَمٌ رِباً يَأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ، أَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ زِنْيَةً»[4] "سُود کا ایک درہم جسے آدمی جان بوجھ کر کھائے، چھتیس ۳۶ بار زِنا سے بڑھ کر سنگین جرم ہے"۔

---

(۱) پ ٤، آل عمران: ۱۳۰.
(۲) "صحيح مسلم" باب لعن آكل الربا ومؤكله، ر: ٤٠٩٣، صـ٦٩٧.
(۳) "سنن ابن ماجه" باب التغليظ في الربا، ر: ٢٢٧٤، صـ٣٨١.
(٤) "سنن الدارقُطني" كتاب البيوع، ر: ٢٨١٩، ٣/ ١٩.

اسلامی نظامِ معیشت

حضراتِ ذی وقار! اپنے اہل وعِیال کے لیے حلال ذرائعِ آمدَن اور مواقع، صرف اسی صورت پیدا کیے جاسکتے ہیں، جب ہم اپنے کاروبار اور لین دَین میں سُودی نظامِ معیشت کو ترک کرکے، اسلامی نظامِ معیشت رائج کرنے میں کامیاب ہوجائیں، لیکن صد افسوس کہ اسلامی نظامِ معیشت، عالمِ اسلام سمیت پوری دنیا میں کہیں بھی، بالکل ٹھیک ٹھیک نافذ العمل نہیں! سُود، جُوا اور لاٹری وغیرہ نے، دنیا بھر کی معیشت کو اپنے بدبودار جال میں جکڑ رکھا ہے۔

اس بھیانک جُرم میں جہاں مسلم عوام ملوّث ہیں، وہیں مسلم حکومتیں بھی اس ظالمانہ نظامِ معیشت کو تبدیل نہ کرنے کے، جُرم میں شریک ہیں۔ سُود کے خاتمے اور متبادلات کی کتنی ہی اسکیمیں پاکستان کے مقتدر اداروں: اسلامی نظریاتی کونسل، وفاقی شرعی عدالت اور تحقیقی اداروں کے پاس موجود ہیں، لیکن کوئی بھی حکومت اس طرف سنجیدہ جد وجہد کے لیے آمادہ نہیں، ان حالات میں اکثر بینک غیر اسلامی اسکیموں کو مختلف اسلامی نام دے کر، عوام کے دینی جذبے کا بھی استحصال کر رہے ہیں، اس سلسلے میں سنجیدہ اور مسلسل جدوجہد کے بغیر، غیر اسلامی نظامِ معیشت سے چھٹکارا نہیں پایا جاسکتا!۔

سرکارِ دوعالم ﷺ نے مُعاشی استحکام کے لیے، مُعاشی عدل وانصاف کا عملی نظام پیش فرمایا، سُود کا خاتمہ کیا، رِشوت کو ممنوع قرار دیا، اور ہر اُس لین دَین کی ممانعت فرمادی، جس میں کسی کی مجبوری سے غلط فائدہ اٹھایا جارہا ہو۔ نبیٔ رحمت ﷺ کی ان تعلیمات کو آج بھی اگر عملی جامہ پہنایا جائے، تو یقیناً مُعاشی واقتصادی

خوشحالی جنم لے سکتی ہے، غربت کا خاتمہ ہوسکتا ہے، اور ہم اپنے بچوں کو رزقِ حلال کا لقمہ کھلاکر، آج بھی ایک مہذّب اور صالح مُعاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں!!۔

حصولِ رزق کے جائز وسائل

عزیزانِ گرامی قدر! خالقِ کائنات کا کروڑہا کروڑ احسان! کہ اس نے حصولِ رزق کے بے شمار وسائل وذرائع پیدا فرمائے؛ تاکہ بندہ اپنے اور اپنے اہل وعِیال کے لیے کوشش، محنت اور بھاگ دَوڑ کرکے کھیتی باڑی، تجارت، ملازمت اور دیگر حلال کاموں کے ذریعے رزق حاصل کر کے، بآسانی زندگی کا گزر بسر کر سکے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَ اِلَيْهِ النُّشُوْرُ﴾[1] "وہی اللہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین تابع کر دی، تو اس کے بنائے ہوئے راستوں میں چلو، اور اس کے دیے ہوئے رزق میں سے کھاؤ، اور اسی کی طرف تمہیں اٹھنا ہے"۔

یعنی اللہ تعالی نے یہ زمین ہمارے لیے مناسب طَور پر نرم فرمادی ہے، کہ ہم اپنے رہنے کے لیے اس میں مکانات وغیرہ بناتے ہیں، کھیتی باڑی کرتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں، نہ زمین کو لوہے کی طرح سخت بنایا، نہ پانی کی طرح نرم اور پتلا، کہ اس پر کچھ کام ہی نہ کیا جا سکے، لہٰذا اللہ تعالی کا شکر ادا کرتے ہوئے، صرف حلال وطیّب روزی کمانے، کھانے، اہل وعِیال، ضرور تمندوں اور محتاجوں کو کھلانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ تعالی ہم سب کو رزقِ حلال کمانے، ناجائز وحرام ذرائع آمدَن اور دوسروں کا حق مارنے سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!۔

---

(۱) پ۲۹، الملك: ۱۵.

دعا

اے اللہ! ہمارے رزقِ حلال میں وسعتیں اور برکتیں عطا فرما، ہمیں حلال اور جائز ذرائعِ آمدن اختیار کرنے کی توفیق مرحمت فرما، تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی، بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطافرما، بخل وکنجوسی سے محفوظ فرما، خوشی سے غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطافرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

تزکیۂ نفس

(جمعۃ المبارک ۴ ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ - ۲۶/۶/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ وَالسّلامُ عَلى خاتم الأنبياءِ وَالمرسَلين، وعَلى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجمَعِيْن، وَمَن تَبِعَهُم بِإحْسَانٍ إِلى يَوْمِ الدِّين، أَمّا بَعد: فَأَعُوذُ بِالله مِنَ الشّيطانِ الرَّجِيْم، بِسْمِ الله الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللَّهُمَّ صلِّ وسلِّمْ وبارِكْ علَى سيِّدِنَا ومولانا وحبيبِنا مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِهِ وصَحبِهِ أجمعين.

طہارتِ نفس

میرے محترم بھائیو! نفس (باطن) کی پاکیزگی اور طہارت کا حصول ناممکن تو نہیں، مگر اس کے لیے کچھ محنت ضرور کرنی پڑتی ہے، جو جس قدر اللہ ورسول کے اَحکام کی پیروی کرتا ہے، اس پر فضلِ الٰہی اُسی قدر زیادہ ہوتا ہے، جو مسلمان اپنے دل کو باوُجود نفسانی وشیطانی طاقتوں کے، پاکیزہ وصاف ستھرا رکھنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، اس کے لیے اللہ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا﴾[1] "قسم ہے جان کی! اور اس کی جس نے اسے ٹھیک ٹھیک بنایا! پھر اس کی بدکاری وپرہیزگاری دل میں ڈالی"۔

---

(۱) پ۳۰، الشمس: ۷، ۸.

نفسِ امّارہ پر بھروسا بہت بڑی غلطی ہے

محترم بھائیو! انبیائے کِرام علیہم السلام معصوم ہیں، اُن پر اُن کے ربِ کریم کا خصوصی فضل وکرم ہے، لہٰذا اِن حضراتِ مقدّسہ تک شیطان کی رَسائی نہیں ہوتی، جو انبیائے کرام علیہم السلام وصالحین کے نقشِ قدم پر چلتا رہے، ان شاء اللہ کامیابی اس کا بھی مقدّر ہوگی، لیکن نفسِ امّارہ اور شیطان، انسان کو گمراہی کی طرف مائل، اور ہدایت سے دُور کرنے کی پوری کوشش میں رہتے ہیں، جس سے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ﴾[1] "نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے، سِوائے اس کے جس پر میرا رب مہربانی فرمائے"۔ لہٰذا کوئی اپنے نفس وباطن پر بھروسا نہ کرے، بلکہ ہر وقت اس کی اصلاح کی کوشش کرتا رہے!۔

نفس کی پاکیزگی کامیابی کی ضمانت ہے

عزیز دوستو! جو شخص تجارت کرتا ہے، حساب کے وقت اس کا ہدَف اپنے منافع کی سلامتی ہوتا ہے، وہ تجارت کو ترقی دینے کے لیے دوسروں سے مدد بھی لیتا ہے، اور کامیاب وترقی پانے والوں کے طریقے پر عمل کی کوشش بھی کرتا ہے۔ اسی طرح عقل راہِ آخرت کی تاجر ہے، اس کا ہدَف تزکیۂ نفس وباطن ہے؛ کیونکہ نفسِ انسان کی پاکیزگی اور اس کا ستھراپن، آخرت کی کامیابی وکامرانی کا ایک بہترین ذریعہ ہے، لہٰذا اس کی دیکھ بھال اور اصلاح کی شدید ضرورت رہتی ہے، اللہ ربّ العزّت ارشاد فرماتا ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا﴾[2] "وہ مراد کو پہنچا جس

---

(۱) پ۱۳، یوسف: ۵۳.

(۲) پ۳۰، الشمس: ۹، ۱۰.

نے اس (نفس وباطن) کو پاکیزہ کر لیا، اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے (گناہوں میں)دَبائے رکھا"۔

یعنی کامیاب وہی ہے جس نے اپنے باطن کو پاک وستھرا کر لیا،ان کامیاب لوگوں میں سرِفہرست انبیائے کِرام علیہم السلام ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بدی سے مطلع فرمایا،اسی لیے وہ حضرات نبوّت سے پہلے بھی معصوم ہوتے ہیں،اور انہی کے طفیل انسان کواچھائی وبرائی کی اطلاع دے دی؛ تاکہ لوگ اچھے کام کریں،اور برے اعمال سے بچتے رہیں۔خالقِ کائنات جل جلالہ نے انسان کو بالکل مجبور اور بےبس نہیں بنایا، بلکہ اسے کچھ اختیار بھی دیا ہے،اسی لیے انسان جو نیکی یا بُرائی کرتا ہے، اپنے اختیار سے کرتا ہے۔

تزکیۂ نفس کے فوائد

عزیزانِ محترم!اللہ تعالیٰ اوراس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرام کردہ چیزوں سے نفس وباطن کو بچانے،اورانہیں حلال وطیّب کی طرف پھیرنے کانام تزکیۂ نفس ہے۔اس کے فوائد سے متعلق رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَهُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الإيمان: (١) مَنْ عَبَدَ اللهَ وَحْدَه فَإِنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا الله، (٢) وَأَعْطٰى زَكاةَ مَالِه طَيِّبَةً بِهَا نَفْسُه ... (٣) وَزَكّٰى عَبْدٌ نَفْسَه»

"تین ۳ کام ایسے ہیں کہ جوانہیں انجام دے گا،ایمان کا مزہ پالے گا:(۱) وہ جو اللہ وَحدَہ کی عبادت کرے،کہ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں،(۲) وہ جو خوشی سے اپنے مال کی زکاۃ ادا کرے،(۳) اور وہ بندہ جو گناہوں سے اپنے نفس وباطن کا تزکیہ کرتا رہے"کسی نے عرض کی: یارسول اللہ! آدمی کے اپنے نفس وباطن کے تزکیہ

سے کیا مراد ہے؟ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «يَعْلَمُ أَنَّ اللهَ مَعَهُ حَيْثُ مَا كَانَ»(۱) "یقین رکھے کہ اللہ تعالی ہمیشہ میرے ساتھ ہے"۔

تزکیۂ نفس کی اہمیت

برادرانِ ملّتِ اسلامیہ! تزکیۂ نفس وباطن اس قدر ضروری اور عظیم کام ہے، جسے انجام دینے کے لیے رب تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ ومقرّب انبیاء ورُسُل کو مبعوث فرمایا، انبیائے کِرام علیہم السلام نے لوگوں کو پاک وستھرا کرکے، انہیں اعلیٰ مَراتب پر فائز کیا، گمراہی سے پھیر کر اللہ رب العالمین کی طرف متوجّہ کیا، پروَردگارِ عالَم ارشاد فرماتا ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾(۲) "وہی اللہ ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں، انہی میں سے ایک رسول (محمدِ عربی) بھیجا، جو اُن پر اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں، اور انہیں پاکیزہ وستھرا کرتے ہیں، اور انہیں کتاب وحکمت کا علم عطا فرماتے ہیں، اور یقیناً وہ لوگ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے"۔

"یعنی حضور احمدِ مجتبیٰ ﷺ کو بھیجا؛ تاکہ لوگوں کو قرآن وحدیث کا علم سکھائیں، لوگوں کو قرآن پڑھنا آجائے، حضور قرآن پڑھتے ہیں ہمیں سکھانے کے لیے، ہم پڑھتے ہیں سیکھنے کے لیے، دل کی پاکیزگی حضورِ اکرم ﷺ کی نگاہِ کرم سے ملتی ہے، ایمان واعمال پاکیزگی کے اسباب ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کو سمجھنا اتنا آسان نہیں کہ ہر ایک اپنی اپنی عقل سے سمجھ لے، اگر ایسا ہوتا تو نبئ کریم ﷺ کو نہ

(۱) "السنن الكبرى" للبَيهقي، كتاب الزكاة، ٤/ ٩٦.

(۲) پ۲۸، الجمعة: ۲.

بھیجا جاتا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہدایت کے لیے حدیثِ پاک کی بھی ضرورت ہے، قرآنِ مجید کو اپنی عقل سے سمجھنے کے بجائے، آقائے کائنات ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھنا ہے، ورنہ آدمی گمراہ ہو جاتا ہے، جب حضور ﷺ تشریف لائے تو لوگوں کی اکثریت جاہل تھی، سرکارِ دوعالم ﷺ کے فیض اور نگاہِ کرم سے پاک وصاف اور نورِ علم سے منوّر ہوگئے، اور تاقیامت ہوتے رہیں گے، کہ پاک وستھرا کرنے والا، نبوّت کا یہ سورج نہ غروب ہوگا، نہ اسے گرہن لگے گا، نہ اس پر کوئی بادل آئے گا!""[1]۔

تزکیۂ نفس کے لیے گناہوں سے چھٹکارا ضروری ہے

رفیقانِ گرامی قدر! تزکیۂ نفس وباطن کے لیے ضروری ہے، کہ اسے جملہ باطنی اَمراض اور گناہوں سے چھٹکارا دلایا جائے، عقلمند وہی ہے جو نفس وباطن کی سرکشی سے ہوشیار رہے، اسے گناہوں سے باز رکھنے کے لیے لگام دے۔ حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، ہم سب کے آقا ومولا ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ الشَّدِيدُ مَنْ غَلَبَ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ مَنْ غَلَبَ نَفْسَه»[2] "طاقتور وہ نہیں جو لوگوں پر غالب رہے، بلکہ طاقتور تو وہ ہے جو اپنے نفس وباطن پر غالب رہے"۔

تزکیۂ نفس کا ایک اہم ذریعہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی ہے

عزیزانِ محترم! اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا بھی تزکیۂ نفس کا ایک اہم ذریعہ ہے، صحابۂ کِرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معمول تھا کہ وہ اپنے صدَقات، تاجدارِ رسالت ﷺ کے دستِ مبارک سے خیرات کروا کر دعائیں لیا کرتے تھے، اللہ

(۱) "تفسیر نور العرفان" پ۲۸، جمعہ، زیرآیت:۲، ۸۸۲، ۸۸۳، ملتقطاً ملخصًا۔

(۲) "صحيح ابن حِبّان" باب الفقر والزُهد والقناعة، ر: ۷۱۵، صـ۱۷۲.

ربُّ العالمین ارشاد فرماتا ہے: ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ﴾[1] "اے حبیب! مسلمانوں کے اَموال میں سے زکاۃ لیجیے، جس سے آپ انہیں ستھرا اور پاکیزہ کر دیں، اور ان کے حق میں دعائے خیر کیجیے، یقیناً تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین وسکون ہے"۔

تزکیۂ نفس جہنم کی آگ سے دُوری کا باعث ہے

عزیز دوستو! راہِ خدا میں خرچ کرنے والے مسلمانوں کو، اپنے باطن کی پاکیزگی نصیب ہونے کے ساتھ ساتھ، بروزِ قیامت جہنم کی آگ سے بھی دُور رکھا جائے گا، حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنا مال، غزوات اور راہِ خدا میں بھی خرچ کیا کرتے، مسجدِ نبوی کی مقدّس زمین، جس میں مرکزِ عشق ومحبت گنبدِ خضراء، جنّت کی کیاری اور منبرِ رسول واقع ہے، یہ بھی حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ہی خرید کر وقف کی ہے، آپ نے بہت سے غلام آزاد کیے، آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کثرت سے صدقات وخیرات کیا کرتے، آپ کے ہر ہر صدقہ میں اعلیٰ درجے کا اِخلاص پایا جاتا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿ وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴾[2] "جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، اور ستھرا و پاکیزہ ہونے کے لیے اپنا مال اللہ کی راہ میں دیتا ہے، اسے جہنم کی آگ سے بہت دُور رکھا جائے گا"۔ لہٰذا قیامت تک جو کوئی حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے، اِخلاص کے ساتھ اپنا مال اللہ تعالی کی راہ میں دے گا، اسے بھی یہ فضیلتیں اور برکتیں حاصل ہوں گی۔

---

(١) پ١١، التوبة: ١٠٣.

(٢) پ٣٠، الليل: ١٧، ١٨.

تزکیۂ نفس کے لیے بارگاہِ الٰہی سے استعانت

اعمالِ صالحہ، صدقات وخیرات اور صحبتِ صالحین اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ، بندے کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع لائے، اپنے نفس وباطن کی اصلاح وتزکیہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے استعانت ومدد مانگتا رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی دعائے مبارکہ ہمارے لیے ذریعۂ ہدایت ونَجات ہے، سرکارِ دوعالم ﷺ اس طرح دعا کیا کرتے: «اللّٰهُمَّ! آتِ نَفْسِيْ تَقْوَاهَا، وَزَكِّهَا أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا، أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا»[1] "اے اللہ! میرے نفس وباطن کو تقویٰ سے آراستہ فرما، اس کا تزکیہ اور تصفیہ فرما، یقیناً تُو ہی سب سے بہتر پاکیزگی بخشنے والا ہے، اور تُو ہی نفس وباطن کا مالک ومَولیٰ ہے"۔

دعا

اے اللہ! ہمیں نفسِ امّارہ اور شیطان کے مکر وفریب سے بچنے، اور اس پر غالب رہنے کی توفیق عطا فرما، تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی، بحُسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرما، بخل وکنجوسی سے محفوظ فرما، خوشی سے غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

(۱) "صحیح مسلم" کتاب الذکر والدعاء والتوبة، ر: ٦٩٠٦، صـ١١٨١.

دَجّال اور قربِ قیامت

(جمعۃ المبارک ۴ ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ - ۲۶/۶/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ وَالسّلامُ عَلى خاتم الأنبياءِ وَالمرسَلين، وعَلى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجمَعِيْن، وَمَن تَبِعَهُم بِإحْسَانٍ إِلى يَوْمِ الدِّين، أَمّا بَعد: فَأَعُوذُ بِالله مِنَ الشّيطانِ الرَّجِيْم، بِسْمِ الله الرَّحْمنِ الرَّحِيْم.

حضور پُر نور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللَّهُمَّ صلِّ وسلِّمْ وبارِكْ علَى سيِّدِنَا ومولانا وحبيبِنا مُحَمَّدٍ وَّعَلَى آلِهِ وصَحبِهِ أجمعين.

دَجّال کی وجہِ تسمیہ

برادرانِ اسلام! لغت کے اعتبار سے دَجّال کا مادّہ دَجل ہے، جس کا معنی ہے "شیطانی چالوں سے دوسروں کو دھوکے میں ڈالنا، حقیقت کو چھپانا، جھوٹ بولنا اور غلط بیانی کرنا ہے"۔ چونکہ دجّال میں یہ سب عُیوب موجود ہیں، لہٰذا اسے دَجّال کہتے ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں دَجّال سے مراد وہ جھوٹا مسیح[1] ہے، جو قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، آخری زمانے میں ظاہر ہو گا، اور خدائی کا جھوٹا دعویٰ کرے گا۔

حضراتِ محترم! واضح رہے کہ دجّال کے نام کے ساتھ لفظِ "مسیح" بمعنی اسمِ مفعول ہے، یعنی ممسوح العین، "ایک آنکھ کا کانا"، جبکہ حضرت سیّدُنا عیسیٰ رُوح اللہ

(١) انظر: "صحيح مسلم" باب ذكر الدجّال، ر: ٧٣٧٧، صـ١٢٧٣.

علیہ السلام کا لقب مسیح بمعنی اسمِ فاعل ہے، یعنی برکت کے لیے چُھونے والے، اور چُھو کر مُردوں کو زندہ، اور بیماروں کو اچھا کرنے والے، لہٰذا باہم کوئی تعارُض نہیں[1]۔

دجّال کا حُلیہ

حضراتِ گرامی قدر! دَجّال ایک نوجوان کافر مرد ہے، پستہ قد اور عظیم الجثّہ (یعنی بہت موٹا) سرخ رنگت کا مالک، ایک آنکھ سے کانا، گھنگریالے بالوں والا ہے[2]۔

حضرت سیّدُنا عُبادہ بن صامِت رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إِنِّي قَدْ حَدَّثْتُكُمْ عَنِ الدَّجَّال، حَتَّى خَشِيتُ أَنْ لَا تَعْقِلُوا. إِنَّ مَسِيحَ الدَّجَّالِ رَجُلٌ قَصِيرٌ أَفْحَجُ، جَعْدٌ أَعْوَرُ، مَطْمُوسُ الْعَيْنِ، لَيْسَ بِنَاتِئَةٍ وَلَا حَجْرَاءَ، فَإِنْ أُلْبِسَ عَلَيْكُمْ، فَاعْلَمُوا أَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ!»[3] "میں نے تمہیں دجّال سے متعلق اتنی باتیں بتا دی ہیں، کہ تمہاری عقل میں نہ سمانے کا خدشہ لاحق ہونے لگا ہے۔ یقیناً دجّال پست قامت، ٹیڑھے پاؤں والا، گھنگھریالے بالوں والا، اس کی ایک آنکھ ہموار (یعنی برابر) ہے، وہ آنکھ نہ اُبھری ہوئی ہے، اور نہ دھنسی ہوئی، اگر تم پر اشتباہ ہو، تو جان لو کہ تمہارا رب کانا نہیں ہے" (جبکہ دجّال کانا ہے!)۔

ایک اَور مقام پر حضرت سیّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللهَ لَا يَخْفَى عَلَيْكُمْ، إِنَّ اللهَ لَيْسَ

---

(۱) "مرآۃ المناجیح" دجّال کا ظہور، فصلِ اوّل، ۷/۲۱۰۔

(۲) "صحيح البخاري" باب ذكر الدجّال، ر: ۷۱۲۸، صـ۱۲۲۷، باختصار.

(۳) "سنن أبي داود" باب خروج الدَّجّال، ر: ۴۳۲۰، صـ۶۰۶.

بِأَعْوَرَ -وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى عَيْنِهِ- وَإِنَّ المَسِيحَ الدَّجَّالَ أَعْوَرُ العَيْنِ اليُمْنَى، كَأَنَّ عَيْنَهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ»[1] "اللہ تعالیٰ تم سے چُھپا ہوا نہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ کانا نہیں، اور مسیح دجّال داہنی آنکھ سے کانا ہے، اس کی آنکھ گویا اُبھرے ہوئے انگور کی مانند ہے"۔

حکیم الاُمّت مفتی احمد یار خان نعیمی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی، اس حدیث شریف کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "اے لوگو! دجّال کے حیرت انگیز کرشمے دیکھ کر، اسے خدا نہ سمجھ لینا، اس کے بندہ ہونے کی دلیل، اس کی اپنی کانی آنکھ ہے، وہ اپنے آپ کو شفا نہ دے سکے گا۔ دجّال کی داہنی آنکھ کانی بھی ہوگی، اور اوپر کو انگور کی طرح اُبھری ہوئی بھی، جو ہر شخص کو نظر آئے گی، وہ اپنے اس عیب کو دُور نہ کر سکے گا"[2]۔

حضراتِ ذی وقار! مذکورہ بالا دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارُض معلوم ہوتا ہے؛ کہ ایک روایت کے مطابق "دجّال کی آنکھ بالکل سپاٹ ہوگی" (یعنی نہ اُبھری ہوئی، نہ دھنسی ہوئی)، جبکہ دوسری روایت میں "انگور کی طرح اُبھری ہوئی" فرمایا۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی "مرقاۃ المفاتیح" کے حوالے سے، دونوں روایتوں میں تطبیق یوں فرماتے ہیں کہ "دجّال کی ایک آنکھ تو ہوگی ہی نہیں، وہ حصہ سر کے پیچھے کی طرح صاف ہوگا، دوسری آنکھ کانی ہوگی، اُبھرے ہوئے انگور کی طرح۔ یا اس کی ایک آنکھ کبھی صاف سپاٹ ہوگی، اور کبھی اُبھرا ہوا انگور۔ یا کسی کو وہ آنکھ سپاٹ نظر آئے گی، اور کسی کو اُبھرا ہوا انگور۔ لہٰذا یہ حدیث گزشتہ حدیثوں کے خلاف نہیں، جن میں اس

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي﴾ ر: ۷٤۰۷، صـ١٢٧٤.

(۲) "مرآۃ المناجیح" "قیامت کے سامنے ہونے والی علامات اور دجّال کا بیان، پہلی فصل، ۷/۲۱۰۔

کی آنکھ کو ابھرے ہوئے انگور کی مانند فرمایا گیا ہے"[1]۔

دجّال کا موجودہ ٹھکانہ

عزیزانِ مَن! ایک بار حضورِ اکرم ﷺ نے اپنے پیارے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو، نماز کے بعد اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہنے کا حکم دیا، اور پھر ارشاد فرمایا:

«أَتَدْرُونَ لِمَ جَمَعْتُكُمْ؟» "کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے؟"

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں!۔

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «إِنِّي -وَاللهِ!- مَا جَمَعْتُكُمْ لِرَغْبَةٍ وَلَا لِرَهْبَةٍ، وَلَكِنْ جَمَعْتُكُمْ؛ لِأَنَّ تَمِيماً الدَّارِيَّ، كَانَ رَجُلاً نَصْرَانِيّاً، فَجَاءَ فَبَايَعَ وَأَسْلَمَ، وَحَدَّثَنِي حَدِيثاً وَافَقَ الَّذِي كُنْتُ أُحَدِّثُكُمْ عَنْ مَسِيحِ الدَّجَّالِ، حَدَّثَنِي أَنَّهُ رَكِبَ فِي سَفِينَةٍ بَحْرِيَّةٍ، مَعَ ثَلَاثِينَ رَجُلاً مِنْ لَخْمٍ وَجذَامَ، فَلَعِبَ بِهِمِ الْمَوْجُ شَهْراً فِي الْبَحْرِ، ثُمَّ أَرْفَؤُوا إِلَى جَزِيرَةٍ فِي الْبَحْرِ حِينَ مَغْرِبِ الشَّمْسِ، فَجَلَسُوا فِي أَقْرُبِ السَّفِينَةِ فَدَخَلُوا الْجَزِيرَةَ، فَلَقِيَتْهُمْ دَابَّةٌ أَهْلَبُ كَثِيرُ الشَّعَرِ، لَا يَدْرُونَ مَا قُبُلُهُ مِنْ دُبُرِهِ؛ مِنْ كَثْرَةِ الشَّعَرِ، فَقَالُوا: وَيْلَكِ مَا أَنْتِ؟ فَقَالَتْ: أَنَا الْجَسَّاسَةُ، قَالُوا: وَمَا الْجَسَّاسَةُ؟ قَالَتْ: أَيُّهَا الْقَوْمُ! انْطَلِقُوا إِلَى هَذَا الرَّجُلِ فِي الدَّيْرِ، فَإِنَّهُ إِلَى خَبَرِكُمْ بِالْأَشْوَاقِ، قَالَ: لَمَّا سَمَّتْ لَنَا رَجُلاً فَرِقْنَا مِنْهَا أَنْ تَكُونَ شَيْطَانَةً. قَالَ: فَانْطَلَقْنَا سِرَاعاً حَتَّى دَخَلْنَا الدَّيْرَ، فَإِذَا فِيهِ أَعْظَمُ إِنْسَانٍ رَأَيْنَاهُ قَطُّ خَلْقاً، وَأَشَدُّهُ وِثَاقاً، مَجْمُوعَةٌ يَدَاهُ إِلَى

(۱) ایضاً، ۷/۲۱۲۔

عُنُقِهِ، مَا بَيْنَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى كَعْبَيْهِ بِالْحَدِيدِ، قُلْنَا: وَيْلَكَ مَا أَنْتَ؟ قَالَ: قَدْ قَدَرْتُمْ عَلَى خَبَرِي، فَأَخْبِرُونِي مَا أَنْتُمْ؟ قَالُوا: نَحْنُ أُنَاسٌ مِنَ الْعَرَبِ».

"میں نے تمہیں کسی بات کی ترغیب یا ڈرانے کے لیے جمع نہیں کیا، بلکہ صرف اس لیے جمع کیا ہے، کہ (تمہیں یہ واقعہ سناؤں کہ) تمیم داری ایک نصرانی شخص تھے، وہ میرے پاس آئے اور اسلام پر بیعت کی، مسلمان ہوگئے، اور مجھے ایک بات بتائی جو اُس خبر کے مطابق ہے، جو میں تمہیں دجّال کے بارے میں پہلے ہی بتا چکا ہوں، چنانچہ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ "بنو لخم" اور "بنو جذام" کے تیس ۳۰ آدمیوں کے ہمراہ، ایک بحری جہاز میں سوار تھے، انہیں ایک مہینے تک سمندر کی مَوجیں (طوفان کے سبب) دھکیلتی رہیں، پھر ایک دن غروب آفتاب کے وقت سمندر میں ایک جزیرے کے قریب پہنچے، پھر وہ لوگ چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر سوار ہوکر جزیرے تک گئے، تو وہاں انہیں ایک عجیب سی مخلوق ملی، جو موٹے اور گھنے بالوں والی تھی، بالوں کی کثرت کی وجہ سے اس کے اگلے اور پچھلے حصے کو وہ پہچان نہیں سکے۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تیرا خانہ خراب! تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں جسّاسہ (جاسوسہ) ہوں، ہم نے کہا کہ جسّاسہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ تم لوگ اندر گرجے میں اس شخص کے پاس چلو، جو تمہاری خبر کے بارے میں بہت بے چین ہے، جب اس نے نام بتایا تو ہم گھبرائے کہ کہیں وہ شیطان نہ ہو! (بہرحال) ہم جلدی جلدی گرجے تک پہنچے، وہاں اندر ایک بہت بھاری بھرکم شخص تھا، ہم نے اتنی بڑی جسامت والا (یعنی پستہ قامت اور بہت موٹا) اور ایسا مضبوط بندھا ہوا شخص پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس کے ہاتھ کندھوں تک، اور گھٹنے ٹخنوں تک لوہے کی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے، ہم نے

پوچھا کہ کم بخت! تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ جب تم نے مجھے پا لیا ہے اور مجھ سے واقف ہو گئے ہو، تو مجھے بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو؟ ہم نے کہا کہ ہم عرب کے لوگ ہیں"
(اس کے بعد سیّدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ نے اپنے بحری سفر، طوفان، جزیرہ میں داخل ہونے اور جسّاسہ سے ملنے کی تفصیل دُہرائی):

اس نے پوچھا: «أَخبِرُونِي عَنْ نَخلِ بَيْسَانَ! قُلْنَا: عَنْ أَيِّ شَأْنِهَا تَسْتَخْبِر؟ قَالَ: أَسْأَلُكُمْ عَنْ نَخْلِهَا، هَلْ يُثْمِرُ؟ قُلْنَا لَهُ: نَعَمْ، قَالَ: أَمَا إِنَّهُ يُوشِكُ أَنْ لَا تُثْمِرَ! قَالَ: أَخبِرُونِي عَنْ بُحَيْرَةِ طَبَرِيَّةِ! قُلْنَا: عَنْ أَيِّ شَأْنِهَا تَسْتَخْبِر؟ قَالَ: هَلْ فِيهَا مَاءٌ؟ قَالُوا: هِيَ كَثِيرَةُ الْمَاءِ، قَالَ: أَمَا إِنَّ مَاءَهَا يُوشِكُ أَنْ يَذْهَبَ! -قَالَ: أَخبِرُونِي عَنْ عَيْنِ زُغر! قَالُوا: عَنْ أَيِّ شَأْنِهَا تَسْتَخْبِر؟ قَالَ: هَلْ فِي الْعَيْنِ مَاءٌ؟ وَهَلْ يَزْرَعُ أَهْلُهَا بِمَاءِ الْعَيْنِ؟ قُلْنَا لَهُ: نَعَمْ، هِيَ كَثِيرَةُ الْمَاءِ، وَأَهْلُهَا يَزْرَعُونَ مِنْ مَائِهَا، قَالَ: أَخْبِرُونِي عَنْ نَبِيِّ الْأُمِّيِّينَ مَا فَعَلَ؟ قَالُوا: قَدْ خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ وَنَزَلَ يَثْرِبَ- قَالَ: أَقَاتَلَهُ الْعَرَبُ؟ قُلْنَا: نَعَمْ، قَالَ: كَيْفَ صَنَعَ بِهِمْ؟ فَأَخْبَرْنَاهُ أَنَّهُ قَدْ ظَهَرَ عَلَى مَنْ يَلِيهِ مِنَ الْعَرَبِ وَأَطَاعُوهُ -قال-: قَالَ لَهُمْ: قَدْ كَانَ ذَاكَ؟ قُلْنَا: نَعَمْ.

قَالَ: أَمَا إِنَّ ذَاكَ خَيْرٌ لَهُمْ أَنْ يُطِيعُوهُ! وَإِنِّي مُخْبِرُكُمْ عَنِّي، إِنِّي أَنَا الْمَسِيحُ الدجّالُ، وَإِنِّي أُوشِكُ أَنْ يُؤْذَنَ لِي فِي الْخُرُوجِ، فَأَخْرُجُ فَأَسِيرُ فِي الْأَرْضِ، فَلَا أَدَعُ قَرْيَةً إِلَّا هَبَطْتُهَا فِي أَرْبَعِينَ لَيْلَةً، غَيْرَ مَكَّةَ وَطَيْبَةَ، فَهُمَا مُحَرَّمَتَانِ عَلَيَّ كِلْتَاهُمَا، كُلَّمَا أَرَدْتُ أَنْ أَدْخُلَ وَاحِدَةً، أَوْ

وَاحِداً مِنْهُمَا، اسْتَقْبَلَنِي مَلَكٌ بِيَدِهِ السَّيْفُ صَلْتاً، يَصُدُّنِي عَنْهَا، وَإِنَّ عَلَى كُلِّ نَقْبٍ مِنْهَا مَلَائِكَةً يَحْرُسُونَهَا».

"کیا بیسان (اُردن کا ایک شہر جو اسرائیل کے قبضے میں ہے) کی کھجوروں کے درختوں پر پھل آتے ہیں؟ ہم نے کہا: ہاں، اس نے کہا کہ وہ زمانہ قریب ہے، جب ان درختوں پر پھل نہیں آئیں گے! پھر اس نے بحیرۂ طبریّہ (اسرائیل کے شمال مشرق میں اُردن کی سرحد کے قُرب) میں پانی سے متعلق پوچھا؟ ہم نے کہا کہ اس میں بہت پانی ہے، اس نے کہا کہ عنقریب اس کا پانی خشک ہو جائے گا! پھر اس نے زُغَر کے چشمہ کا حال دریافت کیا (جو اسرائیل کی مشرقی سَمت میں واقع ہے) کہ اس چشمے میں پانی ہے؟ اور کیا اس کے قریب کے لوگ اس پانی سے کاشتکاری کرتے ہیں؟ ہم نے کہا: ہاں، پھر اس نے پوچھا کہ ناخواندہ لوگوں کے نبی کے بارے میں بتاؤ کہ اس نے کیا کیا؟ ہم نے کہا کہ وہ مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے ہیں، اس نے پوچھا کہ کیا عربوں نے ان سے جنگ کی؟ ہم نے کہا: ہاں، اس نے پوچھا: انہوں نے عربوں سے کیا مُعاملہ کیا؟ ہم نے اسے تمام واقعات بتائے، کہ جو لوگ عربوں میں عزیز تھے، اُن پر حضور اکرم ﷺ نے غلبہ حاصل کر لیا، اور انہوں نے حضور کی اِطاعت قبول کر لی! اس نے کہا کہ اُن کے حق میں اِطاعت ہی بہتر تھی!۔

(پھر اس نے کہا کہ) اب میں تمہیں اپنا حال بتاتا ہوں: میں مسیحِ دجّال ہوں، عنقریب مجھے نکلنے کا حکم دیا جائے گا، میں باہر نکلوں گا اور زمین بھر میں سَیر کروں گا، یہاں تک کہ کوئی آبادی ایسی نہیں چھوڑوں گا جہاں میں داخل نہ ہوں، چالیس ۴۰ راتیں برابر گشت میں رہوں گا، لیکن مکّہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ میں داخل نہیں ہو سکوں

گا، وہاں جانے سے مجھے روک دیا جائے گا، جب بھی میں ان میں سے کسی ایک شہر میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا، تو فرشتہ مجھے تلوار سے روکے گا، ان شہروں کے تمام راستوں پر فرشتے مقرّر ہوں گے"۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے، اپنا عصا شریف منبر پر مار کر فرمایا: «هَذِهِ طَيْبَةُ! هَذِهِ طَيْبَةُ! هَذِهِ طَيْبَةُ!» "یہ ہے طیبہ! یہ ہے طیبہ! یہ ہے طیبہ!"۔ اس کے بعد مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «أَلَا هَلْ كُنْتُ حَدَّثْتُكُمْ ذَلِكَ؟» "کیا میں تم سے یہی سب نہیں بیان کرتا تھا؟" لوگوں نے عرض کی: جی ہاں!۔ (پھر فرمایا:)... «أَلَا إِنَّهُ فِي بَحْرِ الشَّامِ أَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ، لَا بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ، مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ، مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ»[1] "ہوشیار رہو! کہ دجّال شام کے سمندر (جانبِ شمال) میں ہے، یا یمن کے سمندر (جانبِ جنوب) میں، نہیں بلکہ وہ مشرق کی جانب ہے! وہ مشرق کی جانب ہے! وہ مشرق کی جانب ہے!"۔

حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ مذکورہ بالا حدیث شریف کے آخری جزء ...«أَلَا إِنَّهُ فِي بَحْرِ الشَّامِ أَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ، لَا بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ» ...إلخ، کی شرح میں دجّال کے ٹھکانے اور سَمت سے متعلق فرماتے ہیں کہ "اس فرمانِ عالی کی بہت سی شرحیں کی گئیں، بہترین شرح یہ ہے کہ دجّال کبھی بحر شام (جانبِ شمال) میں مقیّد رہتا ہے، اور کبھی بحرِ یمن (جانبِ جنوب) کی جیل میں رکھا جاتا ہے، آج کل ان دونوں جیلوں میں نہیں، بلکہ مدینہ منورہ سے مشرقی جانب میں ہے۔ یا یہ مطلب

---

(١) "صحيح مسلم" باب قصّة الجسّاسة، ر: ٧٣٨٦، صـ١٢٧٦، ١٢٧٧.

ہے کہ وہ شامی یا یمنی جیلوں میں مقیّد رہتا ہے، مگر قریبِ خُروج مدینہ منوّرہ میں ان اَطراف سے نہ آئے گا، بلکہ مشرق کی طرف سے آئے گا"[1]۔

خُروجِ دجّال کا وقت

حضراتِ گرامی قدر! آج کل یہود ونصاریٰ میں سے بعض لوگ، یہ دعویٰ کرتے پھرتے ہیں کہ دجّال کا خُروج ہوچکا ہے، اور وہ اس کذّاب سے ملاقات بھی کر چکے ہیں، یاد رکھیے! یہ سب دعوے فی الحال جھوٹے اور بلا ثبوت ہیں؛ کیونکہ ہمارے نبیٔ برحق ﷺ نے خُروجِ دجّال سے قبل، بعض ایسی نشانیوں سے متعلق بیان فرمایا ہے، کہ جب تک وہ نشانیاں وُقوع پذیر نہ ہوجائیں، اُس وقت تک دجّال کا خُروج نہیں ہوسکتا!۔

حضرت سیّدُنا نافع بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، کہ نبیٔ رحمت ﷺ کے پاس مغرب کی طرف سے کچھ لوگ، اُونی کپڑوں میں ملبوس آئے، ان کی ملاقات حضورِ اکرم ﷺ سے ایک جھاڑی کے پاس ہوئی، جبکہ وہ کھڑے تھے اور رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، میں نے دل میں سوچا کہ چل کر ان کے اور حضور سرورِ عالَم ﷺ کے درمیان جاکر کھڑا ہوجاؤں، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ نبیٔ کریم ﷺ کے ساتھ کوئی دھوکا کردیں! پھر میں نے سوچا کہ ممکن ہے رسولِ کریم ﷺ ان کے ساتھ آہستہ سے بات کر رہے ہوں، بہرحال میں چلتا ہوا ان کے اور حضور رحمتِ عالم ﷺ کے درمیان آکر کھڑا ہوا، میں نے حضور پُرنور ﷺ کی زبانِ حق ترجمان سے نکلنے والے چار ۴ کلمات محفوظ کرلیے، جنہیں میں اپنے ہاتھ پر شمار کر رہا تھا، حضور سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] "مرآۃ المناجیح" "قیامت کے سامنے ہونے والی علامات اور... الخ، پہلی فصل، ۷/۲۲۹، ملتقطاً۔

«تَغْزُونَ جَزِيرَةَ الْعَرَبِ فَيَفْتَحُهَا اللهُ، ثُمَّ فَارِسَ فَيَفْتَحُهَا اللهُ، ثُمَّ تَغْزُونَ الرُّومَ فَيَفْتَحُهَا اللهُ، ثُمَّ تَغْزُونَ الدَّجَّالَ فَيَفْتَحُهُ اللهُ!».

"تم لوگ جزیرۂ عرب میں جہاد کرو گے، اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہارے ہاتھ پر فتح دے گا، پھر فارس والوں سے جہاد کرو گے، رب تعالی اس میں بھی تمہیں فتح دے گا، پھر رُوم سے جہاد کرو گے، اللہ عَزَّوَجَلَّ اُن پر بھی فتح عطا فرمائے گا، پھر دجّال سے جہاد کرو گے، تو اللہ رب العالمین اس پر بھی تمہیں فتح یابی نصیب فرمائے گا!"۔ راوی فرماتے ہیں کہ حضرت سیّدُنا نافع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: "اے جابر! اسی لیے ہم سمجھتے ہیں کہ دجّال کا خُروج اُس وقت تک نہیں ہو گا، جب تک رُوم فتح نہ ہو جائے!"[1]۔

جنگِ عظیم اور خُروجِ دجّال

حضراتِ محترم! خُروجِ دجّال کی بڑی علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ اس کے خُروج سے قبل دنیا کو ایک اَور عالمی جنگ کا سامنا ہو گا، اور قسطنطینیہ (ترکی) جو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل چکا ہو گا، دوبارہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو گا۔ مصطفیٰ جانِ رحمت صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: «الْمَلْحَمَةُ الْعُظْمَى، وَفَتْحُ الْقُسْطَنْطِينِيَّةِ، وَخُرُوجُ الدَّجَّالِ، فِي سَبْعَةِ أَشْهُرٍ!»[2] "جنگِ عظیم، فتحِ قسطنطینیہ، اور خُروجِ دجّال، سب سات ۷ مہینوں کے اندر اندر واقع ہو گا!"۔

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب الفِتن، ر: ٧٢٨٤، صـ١٢٥٦.

(٢) "سنن الترمذي" أبواب الفِتن، ر: ٢٢٣٨، صـ٥١٣. [وقال أبو عيسى]: "هذا حديثٌ غريبٌ لا نعرفه إلّا من هذا الوجه". و"المعجم الكبير" باب الميم، أبو بحريّة عن معاذ بن جبل، ر: ١٧٣، ٢٠/ ٩١. و"مستدرَك الحاكم" كتاب الفِتن والملاحم، ر: ٨٣١٣، ٤/ ٤٧٣. سكت عنه الذهبيُ في "التلخيص".

خُروجِ دجّال سے پہلے دنیا کی حالتِ زار

حضراتِ گرامی قدر! خُروجِ دجّال سے چند سال قبل، دنیا میں دھوکا فریب اور جھوٹ عام ہو جائے گا، فاسق وفاجر لوگ اہم مُعاملات میں رائے زَنی کریں گے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ سِنِينَ خَدَّاعَةً يُصَدَّقُ فِيهَا الْكَاذِبُ، وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ، وَيُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ، وَيُخَوَّنُ فِيهَا الْأَمِينُ، وَيَنْطِقُ فِيهَا الرُّوَيْبِضَةُ» "دجّال کے خُروج سے پہلے چند سال، دھوکا اور فریب کے ہوں گے، جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا بنا کر پیش کیا جائے گا، خِیانت کرنے والے کو امانتدار، اور امانتدار کو خائن قرار دیا جائے گا، اور ان میں رُویبضہ بات کریں گے"، عرض کی گئی: رویبضہ کون ہیں؟ فرمایا: «الْمَرْءُ التَّافِهُ يَتَكَلَّمُ فِي أَمْرِ الْعَامَّةِ»[1] "گھٹیا قسم کے لوگ، عام عوام کے اہم مُعاملات میں اپنی رائے دیں گے!"۔

میرے عزیز بھائیو! آج نام نہاد مہذَّب دنیا، اور دجّالی میڈیا کا کردار ہمارے سامنے ہے، نیوز چینلز (News Channels) پر فاسق وفاجر، اور کم علم لوگ چوبیس ۲۴ گھنٹے، حقائق کو توڑ مروڑ کر، دنیا کے سامنے پیش کرنے میں مصروف ہیں، وہ

---

(١) "مسند البزّار" مسند عوف بن مالك الأشجَعي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، ر: ٢٧٤٠، ٧/ ١٧٤. و"البداية والنهاية" كتاب الفِتن والمَلاحم وأشراط الساعة والأمور العظام يوم القيامة، ذكر خُروج الدجّال بعد وُقوع الملحمة الرُّومية وفتح القُسطنطينية، ١٩/ ١١٩. وقال ابن كثير: "وهذا إسنادٌ جيّدٌ قويٌ، تفرّد به أحمدُ من هذا الوجه". و"مجمع الزوائد ومنبع الفوائد" كتاب الفِتن، باب في أيام الصبر وفيمَن يتمسّك بدينه في الفِتن، ر: ١٢٢٢٨، ٧/ ٢٨٤. وقال الهيثمي: "رواه البزّار، وقد صرّح ابنُ إسحاق بالسماع من عبد الله بن دينار، وبقيّة رجالِه ثِقات".

جھوٹ کو سچ کہیں تو دنیا سچ مان لیتی ہے، اور اگر چمکتے سورج کی طرح رَوشن سچ کو جھوٹ کہہ دیں، تو عوام الناس تو رہے ایک طرف، اچھے خاصے پڑھے لکھے اور باشُعور قسم کے لوگ بھی، ان کی ہاں میں ہاں ملاتے نظر آتے ہیں!۔

اسی طرح ہمارا عدالتی نظام بھی سب کے سامنے ہے! کس طرح چور لیٹروں اور ملکی خزانہ لُوٹنے والے کرپٹ عناصر (Corrupt Elements) کو، باعزّت بَری کر دیا جاتا ہے، جبکہ غُربت واِفلاس سے مجبور ہو کر معمولی جُرم کرنے والا عام شہری، سالہاسال تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے سڑتا رہتا ہے! دجّال کے خُروج سے قبل دنیا کی جس حالتِ زار سے متعلق، رسولِ محتشم ﷺ نے آگاہ فرمایا تھا، آج وہ حالات بڑی تیزی سے پیدا ہو رہے ہیں! لہٰذا علمائے دین کو چاہیے، کہ اپنی تقریروں اور خطباتِ جمعہ میں، مسلمانوں کو فتنۂ دجّال سے متعلق، وقتاً فوقتاً ضروری آگاہی دیتے رہیں؛ تاکہ وہ اُس کے دَجل وفریب کا شکار ہونے سے بچے رہیں!۔

خُروجِ دجّال کا مقام

عزیزانِ گرامی قدر! حضرت سیِّدُنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: «أَنَّ الدَّجَّالَ يَخْرُجُ مِنْ أَرْضٍ بِالْمَشْرِقِ، يُقَالُ لَهَا: خُرَاسَانُ، يَتْبَعُهُ أَقْوَامٌ، كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ»[1]

---

(١) "مسند الإمام أحمد" مسند أبي بكر الصديق رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، ر: ١٢، ١/ ١٩٠. و"سنن ابن ماجه" كتاب الفِتن، ر: ٤٠٧٢، ٢/ ١٣٥٣. و"مستدرك الحاكم" كتاب الفِتن والملاحم، أمّا حديث أبي عوانة، ر: ٨٦٠٨، ٤/ ٥٧٣. وقال الحاكم: "هذا حديثٌ صحيحُ الإسناد ولم يخرجاه". وقال الذهبي: "صحيح".

"دجّال مشرق کے ایک علاقہ سے ظاہر ہوگا، جسے خُراسان کہا جاتا ہے، اور اس کے ساتھ ایسے لوگ ہوں گے، جن کے چہرے گویا تہہ بہ تہہ ڈھال (یعنی گول، چپٹے اور گوشت سے بھرے) ہوں گے"۔

فتنۂ دجّال سے آگاہی اور اُس کی علامات

حضراتِ محترم! دجّال کا فتنہ وفساد کس قدر بڑا ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے، کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی امّتوں کو، اس سے خبردار کرتے رہے، اس سے بچنے کی تلقین کرتے رہے۔ حضرت سیّدُنا انَس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَا بُعِثَ نَبِيٌّ إِلَّا أَنْذَرَ أُمَّتَهُ الأَعْوَرَ الكَذَّابَ، أَلاَ إِنَّهُ أَعْوَرُ! وَإِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِأَعْوَرَ! وَإِنَّ بَيْنَ عَيْنَيْهِ مَكْتُوبٌ: "كَافِرٌ"!»[1] "ہر ایک نبی نے اپنی اپنی قوم کو کانے کذّاب (دجّال) کے فتنے سے ڈرایا، خبردار! یقیناً وہ کانا ہے! اور یقیناً تمہارا رب کانا نہیں! اور یقیناً اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہے: "کافر"۔

ایک اَور روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَا بَيْنَ خَلْقِ آدَمَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ، أَمْرٌ أَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ!»[2] "حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور قیامت کے درمیان، دجّال سے بڑا فتنہ کوئی نہیں!"۔

اسی طرح حضرت سیّدُنا ہشام بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، تاجدارِ رسالت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ رَأْسَ الدَّجَّالِ مِنْ وَرَائِهِ حُبُكٌ حُبُكٌ، فَمَنْ قَالَ:

---

(١) "صحيح البخاري" باب ذكر الدجّال، ر: ٧١٣١، صـ١٢٢٨.

(٢) "مسند الإمام أحمد" مسند المدنيّين، ر: ١٦٢٥٥، ٢٦/ ١٨٧. و"صحيح مسلم" كتاب الفِتن، باب في بقية من أحاديث الدجال، ر: ٧٣٩٥، صـ١٢٧٩.

أَنْتَ رَبِّي افْتُتِنَ، وَمَنْ قَالَ: كَذَبْتَ! رَبِّيَ اللهُ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ، فَلَا يَضُرُّهُ -أَوْ قَالَ-: فَلَا فِتْنَةَ عَلَيْهِ!»(۱) "دجّال کا سر پیچھے سے گنجا معلوم ہوگا، جو شخص اس سے یہ کہہ لے گا کہ تُو میرا رب ہے، وہ اس کے فتنے میں مبتلا ہو جائے گا، اور جو اس کی تکذیب کر کے کہے گا، کہ میرا رب تو اللہ ہے، میں اسی پر بھروسا کرتا ہوں، تو وہ اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا!" (یا یہ فرمایا کہ) "اس پر کوئی آزمائش نہیں آئے گی!"۔

حضرت سیّدُنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دجّال کے بارے میں ارشاد فرمایا: «إِنَّ مَعَهُ مَاءً وَنَاراً، فَنَارُهُ مَاءٌ بَارِدٌ، وَمَاؤُهُ نَارٌ!»(۲) "اُس دجّال کے ساتھ پانی اور آگ ہوگی، اور اس کی آگ ٹھنڈا پانی ہوگا، اور اُس کا پانی آگ ہوگی!"۔

ایک اَور مقام پر حضرت رِبعی بن حراش رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ حضرت سیّدُنا حذیفہ اور ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کسی مقام پر اکٹھے ہوئے، تو حضرت سیّدُنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «لَأَنَا بِمَا مَعَ الدَّجَّالِ أَعْلَمُ مِنْهُ، إِنَّ مَعَهُ نَهْراً مِنْ مَاءٍ وَنَهْراً مِنْ نَارٍ، فَأَمَّا الَّذِي تَرَوْنَ أَنَّهُ نَارٌ، مَاءٌ، وَأَمَّا الَّذِي تَرَوْنَ أَنَّهُ مَاءٌ،

---

(١) "مسند الإمام أحمد" مسند المدنيّين، ر: ١٦٢٦٠، ٢٦/ ١٩١. و"مستدرَك الحاكم" كتاب الفِتن والملاحم، أمّا حديث أبي عوانة، ر: ٨٥٥١، ٤/ ٥٥٤. وقال الحاكم: "هذا حديثٌ صحيحٌ على شرط الشيخَين ولم يخرجاه". وقال الذهبي:"على شرط البخاري ومسلم". و"مجمع الزوائد ومنبع الفوائد" كتاب الفتن، باب ما جاء في الدجّال، ر: ١٢٥٢١، ٧/ ٣٤٢، ٣٤٣. وقال الهيثمي: " له حديثٌ في الصحيح غير هذا. رواه أحمد، ورجالُه رجالُ الصحيح، ورواه الطَبَراني".

(٢) "صحيح البخاري" باب ذكر الدجّال، ر: ٧١٣٠، صـ١٢٢٧، ١٢٢٨.

نَارٌ، فَمَنْ أَدْرَكَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَأَرَادَ المَاءَ، فَلْيَشْرَبْ مِنَ الَّذِي يَرَاهُ أَنَّهُ نَارٌ، فَإِنَّهُ سَيَجِدُهُ مَاءً!».

"دجّال کے ساتھ جو چیزیں (شعبدے) ہوں گی، میں انہیں دجّال سے زیادہ جانتا ہوں! اس کے ساتھ پانی کی ایک نہر ہوگی، اور ایک نہر آگ کی ہوگی، جسے تم آگ سمجھو گے وہ پانی ہوگا، اور جسے تم پانی سمجھو گے وہ آگ ہوگی، تم میں سے جو شخص اسے پائے اور پیاس کے مارے پانی پینا چاہے، تو اس میں سے پیے جسے وہ آگ دیکھے، تو وہ اسے پانی پائے گا"۔ (اس پر) حضرت سیّدنا ابو مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: "میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اسی طرح فرماتے سنا ہے!"[1]۔

زمانۂ دجّال میں غذائی قلّت

عزیزانِ محترم! خُروجِ دجّال کے وقت سخت غذائی قلّت اور قحط کا سامنا بھی ہوگا، تمام غذائی اَجناس اور پانی کے دستیاب ذخائر، دجّال اور اس کے گروہ کے قبضے میں ہوں گے، مسلمان بُوند بُوند کو ترس جائیں گے، اور غذا کے طور پر سوائے ذکرِ الٰہی کے اَور کوئی چیز دستیاب نہیں ہوگی۔ حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہا سے مروی ہے کہ حضور پُر نور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے، خُروجِ دجّال سے قبل پیش آنے والے شدائد کا ذکر فرمایا، تو صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے عرض کی کہ اُس دن کونسا مال بہترین ہوگا؟ حضور رحمتِ عالمیان صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «غُلَامٌ شَدِيدٌ يَسْقِي أَهْلَهُ المَاءَ، وَأَمَّا الطَّعَامُ فَلَيْسَ» "وہ طاقتور غلام (خادم یا ملازم) جو اپنے گھر والوں (یا مالک) کو پانی لا کر پلا سکے، جبکہ کھانا تو ہوگا ہی نہیں"، صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے عرض کی کہ پھر

(١) "صحيح مسلم" كتاب الفتن، باب ذكر الدجّال، ر: ٧٣٧١، صـ١٢٧٠.

اہلِ ایمان مؤمنین کی غذا کیا ہوگی؟ نبئ کریم ﷺ نے فرمایا: «التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَالتَّحْمِيدُ وَالتَّهْلِيلُ» "تسبیح، تکبیر، تحمید اور تہلیل"۔ حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے عرض کی، کہ اس وقت اہلِ عرب کہاں ہوں گے؟ فرمایا: «الْعَرَبُ يَوْمَئِذٍ قَلِيلٌ»[1] "اس وقت اہلِ عرب تعداد میں بہت تھوڑے ہوں گے"۔

میرے عزیز دوستو! غذا فراہم کرنے والی دنیا کی سب سے بڑی کمپنیوں کا، آج دجّالی قوّتوں کی ملکیت میں ہونا محض اتفاق نہیں ہے، بلکہ یہ سب دجّال کی آمد کے سلسلے میں، ان لوگوں کی طرف سے کی جانے والی پلاننگ (Planning) اور تیاریوں کا حصہ ہے، ہم مسلمانوں کو بنظرِ غائر اس کا مُشاہدہ کرنے، اور عالمی حالات وواقعات کو سمجھنے کی بھی اشد ضرورت ہے!۔

دجّال کی مدّتِ اِقامت اور اس کے اختیارات

برادرانِ گرامی! دجّال کا خُروج درحقیقت اللہ رب العالمین کی طرف سے، اپنے بندوں کی بہت بڑی آزمائش ہوگی، حضرت سیّدُنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: «مَا بَيْنَ خَلْقِ آدَمَ إِلَى قِيَامِ

(١) "مسند الإمام أحمد" مسند النساء، ر: ٢٤٤٧٠، ٤١/ ١٨. و"مسند أبي يعلى" مسند عائشة، ر: ٤٦٠٧، ٨/ ٧٨. و"مجمع الزوائد ومنبع الفوائد" كتاب الفِتن، باب فيما بين يدي الدجّال من الجهد، ر: ١٢٥٠٠، ٧/ ٣٣٥. وقال الهيثمي: "رواه أحمد وأبو يعلى، ورجالُه رجالُ الصحيح". و"البداية والنهاية" كتاب الفِتن والملاحم وأشراط الساعة والأمور العظام يوم القيامة، ذكر أحاديث منثورة في الدجّال، ١٩/ ١٧٧. وقال ابن كثير: " تفرّد به أحمد، وإسنادُه صحيحٌ فيه غرابة، وتقدّم في حديث أسماء وأبي أمامة شاهدٌ له، والله أعلم".

السَّاعَةِ خَلْقٌ أَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ!»[1] "حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے لے کر قیامت تک پیدا ہونے والی کوئی بھی مخلوق، (فتنہ وفساد وآفت) میں دجّال سے بڑی نہیں!"۔

زمانۂ دجّال کے حالات بیان کرتے ہوئے رسولِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «أَرْبَعُونَ يَوْماً، يَوْمٌ كَسَنَةٍ، وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ، وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ، وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ»[2] "چالیس ۴۰ دن میں سب سے پہلا دن سال بھر کے برابر، دوسرا دن مہینے بھر کے برابر، اور تیسرا دن ہفتے بھر کے برابر ہوگا، جبکہ باقی تمام ایّام عام دنوں کی طرح "یعنی چوبیس چوبیس گھنٹوں کے ہوں گے۔

رسولِ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّهُ لَمْ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ، مُنْذُ ذَرَأَ اللهُ ذُرِّيَّةَ آدَمَ، أَعْظَمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ!»[3] "جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد کو زمین میں آباد کیا، یقیناً کوئی فتنہ دجّال کے فتنہ سے زیادہ شدید نہیں ہوا"، رسولِ اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «مَعَهُ جَنَّةٌ وَنَارٌ، فَنَارُهُ جَنَّةٌ، وَجَنَّتُهُ نَارٌ»[4] "ایک باغ اور ایک آگ اس کے ہمراہ ہوگی، جو جہنم دکھائی دے وہ آرام کی جگہ ہوگی، اور جو دیکھنے میں جنّت معلوم ہوگی، وہ حقیقۃً آگ ہوگی"۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «فَيَدْعُوهُمْ فَيَسْتَجِيبُونَ لَهُ وَيُصَدِّقُونَهُ، فَيَأْمُرُ السَّمَاءَ أَنْ تُمْطِرَ فَتُمْطِرَ، وَيَأْمُرُ الأَرْضَ أَنْ تُنْبِتَ

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب الفتن، ر: ٧٣٩٥، صـ١٢٧٩.

(٢) المرجع نفسه، باب ذكر الدجّال، ر: ٧٣٧٣، صـ١٢٧١.

(٣) "سنن ابن ماجه" أبواب الفتن، ر: ٤٠٧٧، ٢/ ١٣٥٩.

(٤) "صحيح مسلم" باب ذكر الدجّال، ر: ٧٣٦٦، صـ١٢٦٩.

فَتُنْبِتَ»[1] "دجّال ایک قوم کو (اپنی ذات پر ایمان لانے کی) دعوت دے گا، وہ قبول کریں گے، اور اس کی تصدیق کریں گے۔ پھر وہ آسمان کو حکم دے گا کہ بارش برسائے تو وہ پانی برسائے گا، زمین کو حکم دے گا تو وہ سبزہ اُگائے گی"۔

خَرقِ عادت (بظاہر ناممکن کاموں) پر اسے قدرت دی جائے گی، جس کا اظہار وہ وقتاً فوقتاً کرتا رہے گا، جیساکہ حدیثِ پاک میں ہے: «ثُمَّ يَأْتِي الخَرِبَةَ فَيَقُولُ لَهَا: أَخْرِجِي كُنُوزَكِ، فَيَنْصَرِفُ مِنْهَا فَيَتْبَعُهُ كَيَعَاسِيبِ النَّحْلِ»[2] "پھر دجّال کسی ویرانے میں آکر (زمین کو) حکم دے گا، کہ اپنے خزانے نکال دے! اور جب وہ وہاں سے واپس لَوٹے گا، تو خزانے اس کے پیچھے ایسے چل پڑیں گے، جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سردار کی اتّباع کرتی ہیں"۔

اسی طرح ایک اَور روایت میں، حضرت سیّدُنا مغیرہ بن شُعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، کہ دجّال کے بارے میں نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جتنا میں نے پوچھا اتنا کسی نے نہیں پوچھا، حضور نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: «مَا يَضُرُّكَ مِنْهُ؟» "تجھے اس سے کیا ضرر پہنچے گا؟" میں نے عرض کی: لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ روٹی کا پہاڑ

---

(١) "سنن الترمذي" أبواب الفتن، باب ما جاء في فتنة الدجّال، ر: ٢٢٤٠، صـ ٥١٤ ملخّصاً. [وقال أبو عيسى]: "هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريب، لا نعرفه إلّا من حديث عبد الرحمن بن يزيد بن جابر".
"بہارِ شریعت" "مَعاد وحشر کا بیان، حصّہ ۱، ۱/۱۲۰، ۱۲۱، ملخّصاً۔

(٢) "سنن الترمذي" باب ما جاء في فتنة الدجّال، ر: ٢٢٤٠، صـ٥١٤. [وقال أبو عيسى]: "هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريب، لا نعرفه إلّا من حديث عبد الرحمن بن يزيد بن جابر".

اور پانی کی نہر ہوگی! نبئ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: «هُوَ أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ ذَلِكَ!»[۱] "یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے!"۔

شارحِ بخاری حضرت علّامہ مفتی شریف الحق امجدی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیثِ پاک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "دجّال اصل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش ہے، ایک طرف تو اللہ تعالیٰ اسے خَرقِ عادت پر قدرت عطا فرمائے گا، یہاں تک کہ مُردے بھی جِلائے گا (یعنی زندہ کرے گا)، بارش برسائے گا، کھیتی اُگائے گا، وغیرہ وغیرہ، جس سے کمزور ایمان والے اس کے پھندے میں پھنس جائیں گے، مگر ساتھ ہی ساتھ ایسی نشانیاں بھی اس کے ساتھ ہوں گی، جو اس کے جھوٹے ہونے کی بیّن دلیل ہوں گی، مثلاً کانا ہونا، یہ عیب ہے، اور معبود وہ ہے جو ہر عیب سے پاک ہے! معبود وہ ہے جو ہر چیز پر قادر ہے، اگر یہ معبود ہوتا تو کانا کیوں ہوتا؟ اور بالفرض اس کی ایک آنکھ کانی تھی، تو اسے درست کیوں نہیں کر لیا؟ نیز اس کی پیشانی پر ک، ف، ر لکھا ہوگا، اگر وہ معبود ہوتا تو اسے مٹا کیوں نہیں دیا؟"[۲]۔

دجّال کے اوّلین پیروکار

عزیزانِ محترم! بعض روایات کے مطابق دجّال کے اکثر پیروکار یہود ہوں گے۔ حضرت سیّدُنا انَس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «يَتْبَعُ الدَّجَّالَ مِنْ يَهُودِ إِصْبَهَانَ، سَبْعُونَ أَلْفاً، عَلَيْهِمُ

---

(۱) "صحيح البخاري" باب ذكر الدجّال، ر: ۷۱۲۲، صـ۱۲۲۷.

(۲) "نزہۃ القاری" کتاب الفتن، باب ذکر الدجّال، تحت ر: ۲۹۰۰، ۸/۸۷۶-۸۷۷۔

الطَّيَالِسَةُ»[۱] "اصفہان کے ستّر ہزار یہودی دجّال کے پیَرو کار ہوں گے، جن پر طیلسان نامی لباس ہو گا"۔

میرے عزیز! طیلسان ایک خاص قسم کا لباس (مثلِ شال) ہے، جو زِینت کے طور پر کندھے اور سر ڈھانپنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اسلام کے ابتدائی دَور میں جب تک یہ یہود کا نشانِ خاص رہا ممنوع رہا، اور جب اس کا رَواج عام ہو گیا، تب یہ مُباح (جائز) ہو گیا۔ دجّال کے اوّلین ستر ہزار پیَرو کار جو قومِ یہود سے ہوں گے، ان کی خاص نشانی یہی ہے، کہ وہ "طیلسان" لباس استعمال کرتے ہوں گے۔

حکیم الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی قدّس سرّہٗ اس حدیثِ پاک کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "اس زمانہ میں یہود شہرِ اصفہان میں کثرت سے ہوں گے، اصفہان ایران کا مشہور شہر ہے، یہیں دجّال کا زور زیادہ ہو گا، اور دجّال کے پہلے مُعاون و مدد گار یہود ہوں گے"[۲]۔

مدینہ منوّرہ میں تین زَلزلے

عزیزانِ گرامی قدر! دجّال اپنے سفید گدھے پر، بَرق رفتاری کے ساتھ دنیا بھر کا گشت کرے گا، مکّہ معظّمہ اور مدینہ منوّرہ کے سوا، دنیا کا کوئی خطّہ ایسا نہ ہو گا جہاں دجّال نہ پہنچا ہو، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «المَدِينَةُ يَأْتِيهَا الدَّجَّالُ، فَيَجِدُ المَلاَئِكَةَ يَحْرُسُونَهَا، فَلَا يَقْرَبُهَا الدَّجَّالُ، وَلَا الطَّاعُونُ إِنْ شَاءَ

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الفتن، ر: ۷۳۹۲، صـ۱۲۷۸.

(۲) "مرآۃ المناجیح" "قیامت کے سامنے والی علامات اور دجّال کا بیان، پہلی اوّل، ۷/۲۲۲۔

اللهِ!»(۱) "دجّال مدینہ طیّبہ کے پاس آئے گا، اور فرشتوں کو اس کی حفاظت پر مامور پائے گا، ان شاء اللہ عزّوجلّ نہ دجّال مدینہ طیّبہ میں آسکتا ہے، نہ ہی طاعون!"۔

حضرت سیّدُنا ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «لَا يَدْخُلُ المَدِينَةَ رُعْبُ المَسِيحِ الدَّجَّالِ، لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ، عَلَى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ!»(۲) "مسیح دجّال کا رُعب ودَبدَبہ، مدینہ منوّرہ میں داخل نہیں ہوسکتا، اُس دن مدینہ شریف کے سات ۷ دروازے ہوں گے، ہر دروازے پر دو ۲ فرشتے بطورِ مُحافظ موجود رہیں گے!"۔

ایک اَور مقام پر حضرت سیّدُنا اَنَس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «يَجِيءُ الدَّجَّالُ حَتَّى يَنْزِلَ فِي نَاحِيَةِ المَدِينَةِ، ثُمَّ تَرْجُفُ المَدِينَةُ ثَلَاثَ رَجَفَاتٍ، فَيَخْرُجُ إِلَيْهِ كُلُّ كَافِرٍ وَمُنَافِقٍ!»(۳) "دجّال مدینہ منوّرہ کے ایک کنارے اُترے گا، پھر مدینہ منوّرہ تین ۳ بار (زَلزلے سے) لرز اُٹھے گا، جس کے سبب سارے کافر اور منافق لوگ، یہاں سے نکل کر دجّال کے پاس پہنچ جائیں گے!"۔

فتنۂ دجّال سے بچاؤ کے طریقے

برادرانِ ملّتِ اسلامیہ! فتنۂ دجّال کی شدّت اور غلبہ اس قدر ہوگا، کہ کسی مسلمان کے پاس اس سے دُور بھاگنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا، اس کے شبہات کا اثر

---

(۱) "صحيح البخاري" باب ذكر الدجّال، ر: ۷۱۳٤، صـ۱۲۲۸.

(۲) المرجع نفسه، باب لا يدخل الدجال المدينة، ر: ۱۸۷۹، صـ۳۰۲.

(۳) المرجع السابق، باب ذكر الدجال، ر: ۷۱۲٤، صـ۱۲۲۷.

اِس قدر قوّی ہوگا، کہ مضبوط سے مضبوط ایمان والا بھی لڑکھڑا جائے گا۔ حضرت سیِّدُنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَنْ سَمِعَ بِالدَّجَّالِ فَلْيَنْأَ عَنْهُ، فَوَاللهِ! إِنَّ الرَّجُلَ لَيَأْتِيهِ وَهُوَ يَحْسِبُ أَنَّهُ مُؤْمِنٌ، فَيَتَّبِعُهُ مِمَّا يَبْعَثُ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ -أَوْ لِمَا يَبْعَثُ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ-»[1] "جو شخص دجّال سے متعلق سنے، تو چاہیے کہ اُس سے دُور بھاگے؛ کیونکہ جو اس کے پاس جائے گا، اگرچہ اپنے آپ کو مؤمن سمجھتا ہو، وہ بھی اس کے پیچھے چل پڑے گا؛ کیونکہ دجّال کے لائے ہوئے شکوک وشبہات ہی کچھ ایسے خطرناک ہوں گے، کہ آدمی ڈگمگا جائے!"۔

دجّال کے فتنے سے بچنے کے لیے سورۂ کہف کی آیات

عزیزانِ مَن! حضرت سیِّدُنا نوّاس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دجّال کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: «إِنْ يَخْرُجْ وَأَنَا فِيكُمْ، فَأَنَا حَجِيجُهُ دُونَكُمْ! وَإِنْ يَخْرُجْ وَلَسْتُ فِيكُمْ، فَامْرُؤٌ حَجِيجُ نَفْسِهِ، وَاللهُ خَلِيفَتِي عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ! فَمَنْ أَدْرَكَهُ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُورَةِ الْكَهْفِ؛ فَإِنَّهَا جِوَارُكُمْ مِنْ فِتْنَتِهِ!»[2] "اگر دجّال نکلا اور میں تمہارے درمیان موجود رہا، تو تم سے پہلے میں اُس کا مقابلہ کرکے غلبہ پاؤں گا! اور اگر وہ نکلے اور میں تم میں نہ رہوں، تو ہر شخص خود اُس کا مقابلہ کرے گا، اور میرے بعد بھی اللہ ہر مسلمان کا والی اور وارِث ہے۔ تو تم میں سے جو اُسے پائے، اس پر "سورۂ کہف" کی ابتدائی آیات تلاوت کرے؛ کیونکہ یہ اس کے فتنے کا بچاؤ ہیں"۔

---

(١) "سنن أبي داود" باب خروج الدَّجَّال، ر: ٤٣١٩، صـ٦٠٦.

(٢) المرجع نفسه، ر: ٤٣٢١، صـ٦٠٦-٦٠٧.

سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتوں کی فضیلت

ایک اَور روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ، عُصِمَ مِن فتنَة الدَّجَّالِ!»[1] "جو شخص "سورۂ کہف" کی ابتدائی دس ۱۰ آیات یاد کرلے، وہ دجّال کے فتنہ سے بچالیا جائے گا!"۔

سورۂ کہف کی آخری دس آیات

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَهْفِ، كَانَتْ لَهُ نُوراً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ مَقَامِهِ إِلَى مَكَّةَ، وَمَنْ قَرَأَ بِعَشْرِ آيَاتٍ مِنْ آخِرِهَا، ثُمَّ خَرَجَ الدَّجَّالُ لَمْ يَضُرَّهُ!»[2] "جو کوئی "سورۂ کہف" پڑھے، تو وہ بروزِ قیامت اُس کے لیے وہاں سے لے کر مکۂ مکرّمہ تک کی مسافت جتنا نور ہی نور ہوجائے گا، اور جو اِس سورت کی آخری دس ۱۰ آیات پڑھے، پھر اگر دجّال نکلا، تو اسے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا!"۔

دجّال سے مقابلے کے لیے مسلمانوں کا پڑاؤ

حضراتِ ذی وقار! دجّال سے مقابلہ کرنے کے لیے، مسلمانوں کا پڑاؤ دِمشق کے قریب "غُوطہ" کے مقام پر ہوگا، حضرت سیّدنا ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ فُسْطَاطَ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَ الْمَلْحَمَةِ

(۱) "صحيح مسلم" كتاب صلاة المسافرين وقصرها، ر: ۱۸۸۳، صـ۳۲٦.

(۲) "المعجم الأوسط" باب الألف، من اسمه أحمد، ر: ۱٤٥٥، ۲/ ۱۲۳.

و"مستدرَك الحاكم" كتاب فضائل القرآن، ذكر فضائل سُور وآي متفرّقة، ر: ۲۰۷۲، ۱/ ۷٥۲. و قال الحاكم: "هذا حديثٌ صحيحٌ على شرط مسلم ولم يخرجاه. ورواه سفيان الثوري، عن أبي هاشم فأوقفه".

بِالْغُوطَةِ، إِلَى جَانِبِ مَدِينَةٍ يُقَالُ لَهَا دِمَشْقُ، مِنْ خَيْرِ مَدَائِنِ الشَّامِ!»[1]
"(دجّال سے) جنگ کے دَوران مسلمانوں کا پڑاؤ، شہرِ دمشق کی ایک جانب "غُوطہ" کے مقام پر ہوگا، اور دِمشق شام کے شہروں میں سے ایک بہترین شہر ہے!"۔

آسمان سے نازل ہونے کے بعد، حضرتِ سیّدُنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام مسلمانوں کے ساتھ مل کر، دجّال اور اس کے لشکر کے خلاف جہاد فرمائیں گے، جس میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوگی۔

دجّال کا خاتمہ

میرے بزرگو، دوستو اور بھائیو! قرآن وحدیث کی تعلیمات کے مطابق، حضرتِ سیّدُنا عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام زندہ ہیں، اور قُربِ قیامت میں آسمان سے نُزول فرمائیں گے۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں۔ آپ علیہ الصلاۃ والسلام جب دوبارہ تشریف لائیں گے، تب لوگوں سے اسلام کی خاطر لڑیں گے، صلیب توڑ دیں گے، خنزیز کو قتل کریں گے، جِزیہ موقوف کریں گے، اور دجّال کو قتل کریں گے[2]۔

اللہ رب العزّت نے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو ایسا بلند مقام ومرتبہ عطا فرمایا ہے، کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام جب بھی کسی ایسے کافر کے پاس سے گزریں گے، جس کے مقدّر میں ایمان نہیں، وہ وہیں مَر جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَجِدُ

---

(١) "سنن أبي داود" باب في المعقل من الملاحم، ر: ٤٢٩٨، صـ٦٠٤.
(٢) المرجع نفسه، باب خروج الدَّجّال، ر:٤٣٢٤، صـ٦٠٧، ملخّصاً.

رِيحَ نَفَسِهِ إِلَّا مَاتَ، وَنَفَسُهُ يَنْتَهِي حَيْثُ يَنْتَهِي طَرْفُهُ»[1] "حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے ہی کسی کافر کے پاس سے گزریں گے، آپ کی سانس کی خوشبو پہنچتے ہی وہ مَر جائے گا، اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سانس کی خوشبو، آپ کی حدِ نگاہ تک پھیلتی ہوگی"۔

دجّال کی نظر جونہی حضرتِ سیّدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑے گی، وہ پگھلنے لگے گا، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «ذَابَ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ»[2] "دجّال اس طرح پگھلے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے"۔

وہ بچنے کے لیے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دُور بھاگنے کی کوشش کرے گا، حضرت سیّدُنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس لعین کا تعاقُب فرمائیں گے، یہاں تک کہ بیت المقدس کے قریب، "لُد" نامی ایک بستی کے دروازے پر اُسے پکڑ لیں گے، اور وہیں نیزے کے وار سے اُسے ہلاک فرمائیں گے۔ حضرت سیّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، تاجدارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «يَأْتِي الْمَسِيحُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ، هِمَّتُهُ الْمَدِينَةُ، حَتَّى يَنْزِلَ دُبُرَ أُحُدٍ، ثُمَّ تَصْرِفُ الْمَلَائِكَةُ وَجْهَهُ قِبَلَ الشَّامِ، وَهُنَالِكَ يَهْلِكُ»[3] "مسیحِ دجّال مشرق کی طرف (یعنی خُراسان) سے آئے گا، اس کا ارادہ مدینہ منوّرہ کا ہوگا، حتّٰی کہ جبلِ اُحد کے پیچھے اُترے گا، پھر فرشتے اس کا منہ ملکِ شام کی طرف پھیر دیں گے، اور وہ وہیں ہلاک ہوگا!"۔

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب الفتن وأشراط الساعة، ر: ٧٣٧٣، صـ١٢٧١.

(٢) المرجع نفسه، ر: ٧٢٧٨، صـ١٢٥٤.

(٣) المرجع السابق، كتاب الحج، ر: ٣٣٥١، صـ٥٧٩.

ایک اَور روایت میں ہے: «فَيَطْلُبُهُ حَتَّى يُدْرِكَهُ بِبَابِ "لُدٍّ"، فَيَقْتُلَهُ»[1] "حضرتِ سیّدنا عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام دجّال کا پیچھا کریں گے، یہاں تک کہ اسے بابِ "لُد" میں پائیں گے، تو وہیں اسے قتل کردیں گے"۔

دجّال کا ذکر قرآنِ مجید میں نہ ہونے کی وجہ

عزیزانِ گرامی قدر! بعض حضرات کا کہنا ہے، کہ احادیثِ مبارکہ میں فتنۂ دجّال کو تاریخِ انسانیت کا سب سے بڑا فتنہ قرار دیا گیا ہے، پھر قرآنِ مجید میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ بعض اہلِ علم نے اس اعتراض کے جواب میں، سورۃ الانعام کی آیت بطورِ دلیل پیش کی، کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴾[2] "وہ اس کے سوا کس چیز کا انتظار کررہے ہیں؟ کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا تیرا رب آئے، یا تیرے رب کی کوئی نشانی آئے، جس دن تیرے رب کی کوئی نشانی آئے گی، کسی شخص کو اس کا ایمان فائدہ نہ دے گا، جو اُس سے پہلے ایمان نہ لایا تھا، یا اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کمائی تھی، کہہ دیجیے کہ انتظار کرو، یقیناً ہم بھی منتظر ہیں!"۔

حضراتِ گرامی قدر! جن نشانیوں کا ذکر اس آیتِ مبارکہ میں کیا گیا ہے، ایک حدیث شریف کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان میں سے دجّال بھی ایک

---

(١) "سنن الترمذي" باب ما جاء في فتنة الدجّال، ر: ٢٢٤٠، صـ٥١٤. [وقال أبو عيسى]: "هذا حديثٌ حسنٌ صحيحٌ غريب، لا نعرفه إلّا من حديث عبد الرحمن بن يزيد بن جابر".

(٢) پ٨، الأنعام: ١٥٨.

نشانی ہے۔ حضرت سیِّدُنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «ثَلَاثٌ إِذَا خَرَجْنَ، لَا يَنْفَعُ نَفساً إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ، أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْراً: (١) طُلُوعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، (٢) وَالدَّجَّالُ، (٣) وَدَابَّةُ الْأَرْضِ»[١] "تین ۳ نشانیاں جب نمودار ہو جائیں، تو پھر کسی کو اب ایمان لانا فائدہ نہیں دے گا، جو پہلے سے ایمان نہ لاچکا ہو، یا اپنے ایمان میں بھلائی نہ کمائی ہو، وہ نشانیاں یہ ہیں: (۱) سورج کا مغرب سے نکلنا، (۲) دجّال کا خُروج، (۳) اور اللہ کی مخلوق (دابۃُالارض) کا نکلنا"۔

عزیزانِ محترم! دجّال کا ذکر قرآنِ پاک میں واضح طور پر نہ ہونے کا، حقیقی علم تو اللہ تعالی کے پاس ہے، مگر عدمِ ذکر میں حکمتِ الٰہی شاید، حدیثِ پاک کی اَہمیت کو اُجاگر کرنا بھی ہے، جیسے شادی شدہ زانی کے لیے رجم کی سزا[۲]، غیر شادی شدہ زانی کے لیے کوڑوں کے علاوہ جلاوطنی کی سزا[۳]، پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کی حُرمت کا ذکر[۴] صرف احادیثِ مبارکہ میں ہے، بالکل ایسے ہی دجّال کا ذکر بھی واضح طور پر صرف احادیثِ مبارکہ میں آتا ہے، لہٰذا جس طرح ہم دیگر کئی مسائلِ شرعیہ کو صرف احادیثِ مبارکہ کی بنیاد پر تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح دجّال سے متعلق اُمور پر بھی ایمان رکھنا ہم پر لازم ہے؛ کیونکہ احادیثِ مبارکہ جہاں قرآنِ

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، ر: ٣٩٨، صـ٧٩.

(٢) المرجع نفسه، كتاب الحدود، ر: ٤٤١٤، صـ٧٤٩، ٧٥٠.

(٣) "صحيح البخاري" كتاب الشهادات، ر: ٢٦٤٩، صـ٤٢٩.

(٤) المرجع نفسه، كتاب النكاح، ر: ٥١٠٩، صـ٩١٤.

پاک کے اَحکام کی تفسیر وشرح بیان کرتی ہیں، وہیں بعض ایسے مسائل بھی بیان کرتی ہیں، جن کا ذکر بظاہر قرآنِ پاک میں موجود نہیں۔

فتنۂ دجّال سے پناہ کی دعا

عزیزانِ مَن! فتنۂ دجّال سے پناہ طلب کرنے کے لیے، ہمیں اللہ رب العالمین کے حضور دعا گو رہنا چاہیے؛ کہ یہ ہمارے پیارے آقا ﷺ کی سنّت اور تعلیم ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ فتنۂ دجّال سے یوں پناہ مانگا کرتے تھے: «أَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ!»[1] "اے اللہ میں فتنۂ دجّال سے تیری پناہ مانگتا ہوں!"۔

دعا

اے اللہ! ہمیں اور ہماری آنے والی نسلوں کو بھی، دجّال کے فتنہ، فساد اور شُرور سے محفوظ فرما، ایمان کی سلامتی عطا فرما، ہمارا خاتمہ بالخیر ہو، دجّال اور اس کی پیَروی کرنے والوں کو نیست ونابود فرما۔ ہمیں تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی، بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرما، بخل وکنجوسی سے محفوظ فرما، خوشی سے غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

(١) "سِنن أبي داود" باب ما يقول بعد التشهّد، ر: ٩٨٤، صـ١٥٠.

اسلام اور یورپ کے تناظر میں عورت کی آزادی

(جمعۃ المبارک: ۱۱ ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ - ۰۳/۰۷/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمٰنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

اسلام کی آمد سے قبل عورت کی حالتِ زار

برادرانِ محترم! اسلام کی آمد سے قبل، انسانیت ظلم وستم کی چکّی میں پِس رہی تھی، ہر طرف جہالت کا گھٹاٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، قتل وغارتگری کا بازار خوب گرم تھا، کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہیں تھا۔ ایسے حالات میں مُعاشرے کی کمزور ترین صِنفِ نازک عورت بھی محفوظ نہیں تھی، جہالت کے اُس دَور میں عورت کی حیثیت جنسی تسکین کے سامان سے زیادہ نہیں تھی، مظلوم عورت کئی لوگوں کی راحت کا سامان بننے پر مجبور تھی۔

صرف یہی نہیں، بلکہ بچہ پیدا ہونے کی صورت میں، بچے کے باپ کی تعیین کا طریقہ بھی بڑا عجیب تھا، بچے کی ماں یا کوئی ماہر قیافہ شناس، عورت اپنے نَومولود بچے کے اعضاء اور شکل وصورت وغیرہ دیکھ کر، جس مرد کی طرف اشارہ کرتی، وہی اس بچے کا باپ تصوّر کر لیا جاتا۔ اسی طرح ایّامِ ماہواری میں بھی عورت کے ساتھ انتہائی توہین

آمیز سُلوک برتا جاتا، عورت کو مارنا پیٹنا، اسے اپنے جوتے کی نوک برابر سمجھنا، اور اکثر وبیشتر مُعاملات میں اس کی حق تلفی کرکے اپنی اَنا کو تسکین پہنچانا، مَرد کی شان تصوّر کی جاتی، بحیثیت ماں، بیوی، بیٹی اور بہن، عورت کا کوئی معزّز مقام ومرتبہ نہیں تھا۔

عزیزانِ مَن! دَورِ جاہلیت میں خواتین کو، بالکل حقیر درجہ کا حامل خیال کیا جاتا تھا، کسی کے گھر بیٹی کی ولادت نہایت ہی معیوب بات سمجھی جاتی تھی، اُس بچی کا والد مارے شرم کے، دن بھر لوگوں سے منہ چُھپائے پھرتا رہتا۔ قرآنِ پاک میں دَورِ جاہلیت کے اس منظر کی عکّاسی یوں کی گئی ہے: ﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِیْمٌۚ(۵۸) یَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖؕ اَیُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِؕ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴾[1] "جب ان میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے، تو دن بھر اُس کا منہ کالا رہتا ہے، اور وہ غصہ کھاتا ہے، لوگوں سے چُھپتا پھرتا ہے، اس بِشارت کی برائی کے سبب، کیا اسے ذِلّت کے ساتھ رکھے گا؟ یا اسے مٹی میں دَبادے گا؟ ارے بہت ہی بُرا حکم لگاتے ہیں!"۔

میرے عزیز بھائیو! ذرا سوچیے کہ جو مُعاشرہ اپنی بیٹیوں کو زندہ دَرگور کرتا ہو، وہ عورت کو کوئی معزّز مقام ومرتبہ کیسے دیتا؟ الغرض کفر وشرک کی گرد سے اَٹے اُس مُعاشرے میں کوئی بھی شخص، کمزور، بےبس اور مظلوم عورت کی دادرَسی، اور اُس کے حق میں آواز بلند کرنے کے لیے تیار نہیں تھا، ایسے دِگرگوں حالات میں اسلام کا سورج طلوع ہوتا ہے، ظلم وستم کے بادل چھٹ ہیں، اور مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ عورت کو عزّت واحترام کے اس بلند مقام پر لا کھڑا کرتے ہیں، جس کا دَورِ جاہلیت میں

---

(۱) پ۱٤، النحل: ۵۸، ۵۹.

کسی عورت نے تصوّر بھی نہیں کیا ہو گا!۔

آزادیٔ نسواں کا مغربی نظریہ اور اُس کی حقیقت

عزیزانِ گرامی قدر! دینِ اسلام نے عورت کو بحیثیت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی جس قدر عزّت واحترام سے نوازا، اُس کی مثال دنیا کا کوئی مذہب، ملک، جُمہوریت، یا حقوقِ نسواں کے لیے کام کرنے والی این. جی. اوز (NGOs) تا قیامت پیش نہیں کر سکتیں!۔ آج نام نہاد ترقی یافتہ یورپی ممالک، آزادیٔ نسواں کا ڈھنڈورا پیٹتے نہیں تھکتے، بلکہ اس کی آڑ میں اسلامی تعلیمات پر تنقید کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے! جبکہ یورپ جسے آزادیٔ نسواں (Freedom of women) گردانتا ہے، وہ ہمارے نزدیک فحاشی اور بے حیائی ہے۔ اللہ رب العالمین مسلمانوں کو اس سے آگاہی دیتے ہوئے، اس کی ممانعت پہلے ہی فرما چکا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾(۱) "وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلے، اُن کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے!"۔

عزیزانِ گرامی! اگر آپ بنظرِ غائر دَورِ جاہلیت، اور یورپ کے موجودہ طرزِ زندگی کا جائزہ لیں، تو آپ پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے گی، کہ حالیہ یورپی طرزِ زندگی، دَورِ جاہلیت ہی کی ایک جدید شکل ہے، جس طرح دَورِ جاہلیت میں عورت ظلم وستم کی چکّی میں پِس رہی تھی، اسی طرح یورپ آج اُسے تہذیب وتمدّن،

---

(۱) پ۱۸، النور: ۱۹.

اَخلاقیات اور اَحکامِ شریعت سے آزادی کا لالچ دے کر، مُعاشرتی ذِلّت سے دو چار کر رہا ہے، آزادیٔ نسواں اور مَردوں کے شانہ بشانہ چلنے کے دلفریب یورپی نعروں نے، عورت کو گھر کی چار دیواری سے نکال کر، ڈانس کلب (Dance Club) اور جسم فروشی کے اڈّوں تک پہنچا دیا، فیشن کے نام پر اس کی عزّت، عصمت اور حیاء کی چادر تار تار کر کے رکھ دی، جو عورت اپنی صنفی نزاکت کے سبب اپنے شوہر کے لیے راحت وآرام اور چین وسکون کا سبب تھی، آج یورپ نے اسے کام کاج کی مشین بنا کر، اس سے اس کی نزاکت چھین لی، نیز اسے کئی کئی مَردوں کی ہوَس کا شکار بنا کر رکھ دیا!!۔

میرے عزیز دوستو، بھائیو اور بزرگو! یورپی مُعاشرہ، عورت کی آزادی، اس کی عزّت، احترام اور حقوق کی خاطر نہیں چاہتا، بلکہ اسے آزادیٔ نسواں کے نام پر فحاشی وبے حیائی کے دَلدَل میں دھکیل کر، عورت کی عزّت وعصمت اور حرمت کو پامال کرنا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ایک طرف تو عورتوں کے حقوق، اُن کی مُعاشرتی آزادی اور عزّت واحترام کی بات کرتا ہے، جبکہ دوسری طرف یہی لوگ اپنے شراب نوشی اور زِنا کے اڈّے چلانے کے لیے، ہر سال دنیا بھر سے ہزاروں عورتوں کی خرید وفروخت کا مکروہ دھندہ بھی کرتے ہیں، اور ان کے نزدیک یہ کوئی معیوب عمل بھی نہیں ہے، بلکہ وہ اسے بھی ایک قسم کی تجارت ہی خیال کرتے ہیں۔

شراب نوشی کی حرمت

افسوس کہ شراب وزِنا کی یہ دونوں لعنتیں اور برائیاں، آج اسلامی ممالک میں بھی عام ہوتی جا رہی ہیں، یاد رکھیے! شراب نوشی گناہِ کبیرہ، حرام اور جہنم میں لے جانے والا شیطانی کام ہے! ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ

وَالۡمَیۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ﴾[1] "اے ایمان والو! شراب، جُوا، بُت اور جُوئے کے تیر چلانا ناپاک ہی ہیں، شیطانی کام ہیں، تو اِن سے بچتے رہنا؛ تاکہ تم فلاح پاؤ!"۔

رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «لَعَنَ اللهُ الْخَمْرَ، وَشَارِبَهَا، وَسَاقِيَهَا، وَبَائِعَهَا، وَمُبْتَاعَهَا، وَعَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ»[2] "اللہ تعالی نے لعنت فرمائی، شراب پر، اُسے پینے والے پر، پلانے والے پر، بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، اسے بنانے اور بنوانے والے پر، اسے اُٹھانے والے پر، اور اس پر جس کے لیے اُٹھائی جائے"۔

بدکاری کی حرمت

اسی طرح زِنا کی حرمت بیان کرتے ہوئے اللہ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ وَسَآءَ سَبِیۡلًا﴾[3] "بدکاری کے پاس مت جاؤ! یقیناً وہ بے حیائی اور بہت ہی بُرا راستہ ہے"۔

میرے بھائیو! یورپ ہمیں فحاشی اور بے حیائی کے دلدل میں دھکیلنا چاہتا ہے! آزادئ نسواں کے لیے "میرا جسم میری مرضی" جیسے نعرے ان کے خطرناک عزائم کی عکّاسی کرتے ہیں، مشرق ومغرب کی ہر عورت کو یہ معلوم ہونا چاہیے، کہ یہ نعرہ اُن کی عزّت واحترام اور آزادی کے لیے نہیں، بلکہ فحاشی وعُریانیت کے کاروبار کو ترقی

---

(١) پ٧، المائدة: ٩٠.

(٢) "سنن أبي داود" باب العصير للخمر، ر: ٣٦٧٤، صـ٥٢٧.

(٣) پ١٥، بني إسرائيل: ٣٢.

دینے کے لیے بلند کیا جارہا ہے! یہی وجہ ہے کہ آج اُن کا کوئی بھی تجارتی اشتہار، عورت کے وُجود سے خالی نہیں ہوتا، آپ کسی بھی دفتر، دکان یا فیکٹری میں چلے جائیے، تقریبًا ہر جگہ گاہکوں (Customers) کو متوجہ کرنے، اور ان کا دل لُبھانے کے لیے، نوجوان لڑکیوں کو نیم برہنہ لباس میں کھڑا کر دیا جاتا ہے، گویا عورت نہ ہوئی، ایک شوپیس (Show Piece) ہو کر رہ گئی، جب چاہا، جہاں چاہا، کھڑا کر کے مال بنالیا!!۔

یورپ میں ایسی عورتوں کو جنسی طور پر کس قدر ہراساں اور پریشان کیا جاتا ہے؟ اس کا اندازہ یورپی ممالک میں عورتوں کے ساتھ ہونے والی، جنسی زیادتیوں اور قتل کے واقعات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے!۔

یورپ میں آزادئ نسواں اور اس کے نتائج

عزیزانِ محترم! یورپ جس آزادئ نسواں کی بات کرتا ہے، اس کے بھیانک اور تباہ کن نتائج، ہر سال ہزاروں خواتین کے ساتھ جنسی زیادتی، مار پیٹ، تشدّد اور اُن کے قتل کی صورت میں دنیا کے سامنے آرہے ہیں، اس نام نہاد آزادی کے سبب آج یورپ میں عورت کے ساتھ جو کچھ ہورہا ہے، ایسا تو شاید دَورِ جاہلیت کی کسی عورت کے ساتھ بھی نہیں ہوا ہوگا!۔

یورپی شماریاتی آفس "یورو اسٹیٹ" (Eurostate) کی سال ۲۰۱۷ء کے اَعداد وشمار سے تیار کردہ رپورٹ کے مطابق: "یورپی یونین کے رکن ممالک میں سے فرانس، جرمنی اور برطانیہ میں، عورتوں کے قتل کی شرح سب سے بلند رہی، اور ان میں بھی فرانس پہلے نمبر پر رہا۔ فرانس میں ایک سال کے دَوران ۱۰۹ عورتیں قتل کی جاتی ہیں، اور برطانیہ میں ہر تین ۳ میں سے ایک عورت کو تشدّد کا نشانہ بنایا گیا۔ جرمنی میں

۳۸۰، برطانیہ میں ۲۲۷ اور اسپین میں ۱۱۳۳ عورتیں مَردوں کے ہاتھوں قتل ہوئیں۔ اٹلی میں سال ۲۰۱۸ء کے دَوران قتل ہونے والی عورتوں کی تعداد ۱۴۲ رہی"[1]۔

ترکی کی قومی اسمبلی کے "عورت مرد مُساوی مَواقع کمیشن" کی رپورٹ کے مطابق: "یورپی یونین ممالک میں، ۱۵ سال سے بڑی ہر تین ۳ عورتوں میں سے ایک، مَردوں کے ہاتھوں جسمانی یا جنسی تشدّد کا سامنا کررہی ہے"[2]۔

اسی طرح معروف ویب سائٹ "انڈیپنڈنٹ اردو" کے مطابق: "ہَنگری (Hungary) کی یونیورسٹیز کے دو ۲ ہزار طلبہ وطالبات سے کیے گئے، انٹرویوز اور سوال ناموں کے نتائج یہ ظاہر کرتے ہیں، کہ اس آزادی واختلاط کے ماحول میں، ۳۳ فیصد طالبات کو جنسی ہَراسانی کا سامنا، اور ۱۶ فیصد طالبات کو جنسی تشدّد کا نشانہ بننا پڑا۔

یہی صورتِ حال رومانیہ (Romania)، جرمنی (Germany)، پولینڈ (Poland)، ڈنمارک (Denmark) میں بھی پائی جاتی ہے۔ جرمنی (Germany) میں خواتین پر جنسی تشدّد اور ہَراسانی کی شرح ۵۸ فیصد ہے، جبکہ پولینڈ (Poland) میں ایک تحقیقی جائزہ میں حصہ لینے والی، ۴۵۱ میں سے ۸۸ فیصد خواتین، پندرہ ۱۵ سال کی عمر کے بعد، کسی نہ کسی شکل میں جنسی ہَراسانی اور تشدّد کا شکار رہیں۔ نیدر لینڈ (Netherlands) میں ہَراسانی کے حوالہ سے گیارہ سو خواتین سے جمع کردہ معلومات کی روشنی میں، دن کی روشنی میں گلیوں اور بازاروں میں

(۱) "یورواسٹیٹ رپورٹ، برائے سال ۲۰۱۷ء": https://www.trt.net.tr/

(۲) "عورت مرد مُساوی مَواقع کمیشن رپورٹ": https://www.trt.net.tr/

۹۴فیصد خواتین کو ہراساں کیا گیا۔

خواتین کے ساتھ یہ امتیازی روِیہ ایسے حالات میں اختیار کیا گیا ہے، جب خواتین کی یکساں نمائندگی کے اصول کی بنا پر، یورپی پارلیمنٹ (European Parliament) میں خواتین کی تعداد ۳۸فیصد ہے، اور خواتین یورپی ممالک کے کسی شہر کی انتظامیہ یا عدلیہ میں، ۳۳فیصد تک نمائندگی رکھتی ہیں، لیکن ان تمام مَناصب پر خواتین کی نمائندگی کے باوُجود، مُعاشرے، تعلیمی مراکز، کاروباری اور پیشہ وارانہ اداروں میں، نہ انہیں تحفظ ملا، نہ عزّت و احترام، حتی کہ سیاسی میدان میں قیادت کے مقام تک پہنچنے والی خواتین کو بھی، یورپ (Europe) اور امریکہ (United States) کی حد تک جنسی ہَراسانی اور تضحیک کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ اَعداد وشمار بتاتے ہیں کہ ایسی خواتین کی ۲۵فیصد آبادی، جنسی حملوں کا نہ صرف شکار رہیں، بلکہ بعض اوقات جسمانی تشدّد کا بھی شکار ہوئیں۔ وہاں کے قانون کی نگاہ میں صنفی مُساوات کے باوُجود، ہر شعبہ میں خواتین تعصب، تفریق اور استحصال کا شکار ہیں"[۱]۔

دینِ اسلام میں عورت کی آزادی اور اُس کے فوائد

حضراتِ محترم! یورپی فکر کے مقابل، اسلامی نظامِ زندگی میں، ایک مسلمان خاتون کو جس قدر آزادی اور اختیار حاصل ہے، یورپ میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں۔ ہر مسلمان خاتون چاہے وہ شادی شدہ ہو، یا غیر شادی شدہ، امیر ہو یا غریب، بالغہ ہو یا نابالغہ، وہ ہر طرح کی فکرِ کسب و مُعاش سے آزاد ہے، اُسے اپنا گھر بار چلانے، بال بچوں کو پالنے، اور تعلیمی اِخراجات پورے کرنے کے لیے، آدھی آدھی رات تک یورپین

(۱) https://www.independenturdu.com

عورتوں (European womens) کی طرح کام کاج نہیں کرنا پڑتا، بلکہ اُسے یہ حکم ہے کہ گھر میں آرام وسکون سے رہے، اور ان اِخراجات کا انتظام اُس کا باپ، بھائی، شوہر یا بیٹا کرے گا!۔

اسلامی مُعاشرے کی بعض خوبیاں

میرے عزیزو! اسلام دنیا کا واحد دین ومذہب ہے، جس میں ایک عورت کی کَفالت، یعنی کھانے پینے، رہائش، علاج مُعالجہ اور تعلیم وغیرہ کی ذمہ داری کے لیے، چار چار مرد موجود رہتے ہیں، اگر نابالغ ہے تو اس کی پرورش باپ کے ذمہ ہے، باپ نہ رہے تو بھائی اس ذمہ داری کو نبھاتا ہے، جب شادی ہو جائے تو کَفالت کا ذمّہ شَوہر پر ہے، اور اگر خدانخواستہ باپ، بھائی اور شوہر تینوں وفات پا جائیں، تو اب یہ فریضہ بیٹا انجام دیتا ہے، اور اگر بالفرض وہ بھی نہ رہے، تو اسلام اَخلاقی طَور پر بیوہ عورت سے نکاح کر کے، اسے سہارا دینے کی تعلیم دیتا ہے، خود حضور نبئ کریم ﷺ نے بیوہ اور مطلّقہ خواتین سے شادی کر کے، انہیں "امّہات المؤمنین" کے بلند مقام ومرتبہ سے نوازا!۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان خاتون کو، جتنا لاڈ پیار اور عزّت واحترام ملتا ہے، وہ یورپی آزادئ نسواں کی دلدادہ عورت کو ہرگز نصیب نہیں ہوسکتا، اسلامی مُعاشرے میں عورت جب چھوٹی بچی ہوتی ہے، تو باپ اور بھائیوں کا سارا پیار اور محبت اُسے ملتا ہے، مسلمان باپ اپنے بیٹوں کی نسبت، بیٹیوں سے زیادہ پیار کرتے ہیں، بھائی اپنی بہنوں پر جان نچھاوَر کرتے ہیں، ان کی عزّت کے مُحافظ ہوتے ہیں، لہٰذا عورت کو مُعاشرے میں کسی طرح کا خوف محسوس نہیں ہوتا؛ کیونکہ اُسے یہ معلوم ہے کہ اس کے بھائی اس کی طرف اٹھنے والی ہر میلی نگاہ کو پھوڑ دیں گے! شادی کے بعد اس کا شوہر اُس کے ناز نخرے

اٹھاتا اور خیال رکھتا ہے، اس کی چھوٹی بڑی ہر خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے، جبکہ مسلمان خاتون کے بڑھاپے میں اولاد اس کی خدمت پر مامور ہوتی ہے۔

الغرض زندگی کے کسی بھی موڑ پر، مسلمان خاتون اکیلی نہیں، جبکہ اس کے برعکس یورپی مُعاشرے میں پلنے بڑھنے والی عورت بڑی مظلوم ہوتی ہے، بچپن میں ماں باپ کی شفقت سے محروم رہتی ہے؛ کیونکہ ماں اور باپ دونوں کام کاج اور دفتری مصروفیات کے سبب، بچوں کو ٹھیک سے وقت نہیں دے پاتے، شادی ہو جائے تو گھریلو اِخراجات کے نصف حصے کی ادائیگی بیوی کے ذمّہ بھی ہوتی ہے۔

شُترِ بے مُہار جیسی جنسی آزادی کے باعث، عورت اپنے بوائے فرینڈ (Boyfriend) اور مرد اپنی گرل فرینڈ (Girl friend) کو زیادہ اہمیت دیتا ہے، ناجائز تعلقات رکھتا ہے، اور اپنی بیوی کو اس کے مقام ومرتبہ کی حیثیت کے مطابق وقت اور توجہ نہیں دیتا، جس کے باعث میاں بیوی کا رشتہ ناچاقیوں کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے، اور پھر نَوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے! علیحدگی کی صورت میں اگر بچے بھی ساتھ ہوں، تو یورپی عورت اپنی اور ان بچوں کی کَفالت کی خاطر، ہر صحیح وغلط کام کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے، جبکہ بڑھاپے میں وہی اولاد، اس ماں کو مرنے کے لیے، اولڈ ہاؤسز (Old Houses) میں چھوڑ کر، دنیا کی رنگینیوں میں کھو جاتی ہے!!۔

اسلام اور عورت کا اَخلاقی، مالی اور مُعاشرتی تحفظ

حضراتِ ذی وقار! یورپ کے مقابلے میں، دینِ اسلام خاتون کو اَخلاقی، مالی اور مُعاشرتی طور پر کتنا تحفظ فراہم کرتا؟ اسے کس قدر عزّت واحترام سے نوازتا ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، کہ اللہ ربّ العالمین نے قرآنِ پاک

میں، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کا حکم دیتے ہوئے، ماں کے ساتھ حُسنِ سُلوک کی خاص طور پر الگ سے تاکید فرمائی، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسٰنًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾[1] "ہم نے آدمی کو تاکید کی، اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کی، اسے پیٹ میں رکھے رہی اس کی ماں تکلیف سے، اور اسے جنا بھی تکلیف سے"۔

ماں کا مقام

دینِ اسلام میں عورت کو بحیثیتِ ماں، کیا مقام و مرتبہ اور ادب و احترام حاصل ہے، اس سے متعلق ایک روایت میں ہے، کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آکر عرض گزار ہوا: یا رسولَ اللہ! میری طرف سے سب سے زیادہ بھلائی کا حقدار کون ہے؟ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «أُمُّكَ» "تمہاری ماں" اُس نے عرض کی: پھر کون؟ رسولِ محتشم ﷺ نے فرمایا: «[ثُمَّ] أُمُّكَ» " پھر بھی تمہاری ماں" اُس نے کہا: پھر کون؟ رسولِ مکرّم ﷺ نے فرمایا: «[ثُمَّ] أُمُّكَ» "پھر بھی تمہاری ماں" وہ عرض کرنے لگا: پھر کون؟ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا: «ثُمَّ أَبُوكَ»[2] "پھر تمہارا باپ" اس بات کا زیادہ حقدار ہے، کہ تم اُس سے حسنِ سُلوک کرو!۔

بیوی کا مقام

اسی طرح ایک اَور حدیثِ پاک میں بیویوں کے حقوق کی رعایت پر تاکید کرتے ہوئے، سرورِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا: «اتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ؛ فَإِنَّكُمْ

(۱) پ۲٦، الأحقاف: ١٥.

(۲) "صحیح البخاري" کتاب الأدب، ر: ٥٩٧١، صـ١٠٤٥.

أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ الله، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ الله، ...وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ»[۱] "خواتین کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو! تم نے انہیں اللہ تعالی کی امان میں لیا، اُن کی شرمگاہوں کو اللہ تعالی کے حکم سے اپنے لیے حلال کیا... تم پر اُن کو ان کا کھانا اور کپڑے مہیا کرنا لازم ہے!"۔

بیٹیوں کا مقام

بیٹی کے رُوپ میں بھی دینِ اسلام ایک عورت کے ساتھ حُسنِ سُلوک، اور باعتبارِ صنف بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح نہ دینے کی تلقین کرتا ہے، محسنِ انسانیت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: «مَنْ كَانَتْ لَهُ أُنْثَى فَلَمْ يَئِدْهَا، وَلَمْ يُهِنْهَا، وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا -قَالَ: يَعْنِي الذُّكُورَ- أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ»[۲] "جس کے ہاں بچی پیدا ہوئی، اور اُس نے جاہلیت کے طریقے پر اسے زندہ درگور نہ کیا، نہ اُسے حقیر و ذلیل سمجھا، اور نہ لڑکوں کو اس کے مقابلے میں ترجیح دی، تو اللہ تعالی اس شخص کو جنّت میں داخل فرمائے گا"۔

ایک اَور مقام پر ام المؤمنین حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ، فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، كُنَّ لَهُ سِتْراً مِنَ النَّارِ»[۳] "جو بیٹیاں دے کر آزمایا جائے، پھر اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے، تو وہ بیٹیاں اپنے اس باپ کے لیے جہنم کی آگ سے ڈھال بن جائیں گی!"۔

---

(۱) "صحيح مسلم" باب حَجَّة النَّبيّ ﷺ، ر: ۲۹۵۰، صـ۵۱۵.
(۲) "سنن أبي داود" باب في فضل من عال يتامى، ر: ۵۱٤٦، صـ۷۲۳.
(۳) "صحيح مسلم" كتاب البرّ والصلة والأدب، ر: ٦٦٩٣، صـ١١٤٦.

میرا جسم میری مرضی

حضرات ذی وقار! عورت کام کاج اور محنت مَشقّت کے لیے نہیں، بلکہ گھر کی زینت کے لیے پیدا کی گئی ہے، وہ گھر کی ملکہ ہے، اس کا کام گھر کا نظم ونسق چلانا، صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا، بچوں کی دیکھ بھال کرنا، اور اپنی زیب وزینت کا خیال رکھنا ہے۔ جبکہ گھر کے تمام اَفراد کی کَفالت کا ذمّہ مَرد پر ہے، دن بھر کی مَشقت کے بعد شام کو جب مرد گھر واپس لَوٹے، تو عورت کو یہ حکم ہے کہ خاوند کا خوشدلی سے استقبال کرے، اس کا منہ ہاتھ دھلائے، اور اُسے کھانا وغیرہ پیش کرے۔

اس کے برعکس یورپی کلچر (European culture) میں کَفالت کی جتنی ذمّہ داری ایک مرد پر ہے، اتنی ہی ذمّہ داری عورت پر بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ دن بھر کام کاج کے سلسلہ میں گھر سے باہر رہنے والی یورپی عورت، جب شام کو گھر واپس لَوٹتی ہے، تو وہ اس قابل نہیں رہتی کہ اپنے شوہر یا بچوں کے لیے وقت نکال سکے، ان کے لیے کھانا تیار کر سکے، یا بچوں کی تعلیم وتربیت پر توجہ دے سکے، انہی وُجوہ کی بِناء پر یورپ میں خانگی مسائل اور طلاق کی شرح میں خطرناک حد تک اضافہ ہو رہا ہے۔

میرے عزیز بھائیو! غربت واِفلاس کے باوُجود خوشحال اور محبت بھری زندگی گزارنے والے مسلمانوں پر، یورپ حیران وپریشان ہے! وہ لوگ اس مُعاملہ میں مسلمانوں سے حسد کرتے ہیں، آزادیٔ نسواں کے نام پر ہمارے خاندانی نظام (Family system) کو تباہ وبرباد کر دینا چاہتے ہیں! یہی وجہ ہے کہ وہ ورلڈ بینک (World Bank) اور آئی، ایم، ایف (IMF) کی صورت میں ہمارے سالانہ بجٹ، اور مُعاشی پالیسیوں پر اثر انداز ہو کر، مَن مانے ٹیکس لاگو کرواتے ہیں؛ تاکہ ہر

طرف غربت اور مہنگائی ہو، اور گھریلو اِخراجات پورے نہ پڑنے کے باعث، مجبوراً گھر کے سبھی اَفراد، ماں ہو یا باپ، بیٹا ہو یا بیٹی، کام کاج کے نام پر گھر سے باہر نکلیں۔ ماں بیٹے میں اور باپ بیٹی کے مابین کوئی امتیاز یا شرم وحیا باقی نہ رہے، مُعاشرہ مادر پدر آزادی کی راہ پر چل پڑے، بچوں پر ماں کی صورت میں تربیت ونگہبانی کا سسٹم ختم ہو جائے، انہیں کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو، تاکہ یہ لوگ شرم وحیا کی پیکر مسلمان خواتین سے، آزادئ نسواں کے نام پر، فحاشی وعُریانیت پر مبنی "میرا جسم میری مرضی" جیسے غلیظ اور بدبودار ایجنڈے کی تکمیل کرواسکیں!!۔

در اصل یہ لوگ عورت کی آزادی نہیں چاہتے، بلکہ عورت تک پہنچنے کے لیے اپنی مادر پدر آزادی چاہتے ہیں!!۔

عورت کا مقصدِ تخلیق

عزیزانِ محترم! اللہ رب العالمین نے مرد کو عورت کی نسبت جسمانی طور پر طاقتور بنایا ہے؛ تاکہ وہ مشقّت اور محنت مزدوری کرسکے، جبکہ عورت کا صِنفِ نازک ہونا ہی اس بات پر دلیل ہے، کہ وہ مَردوں کی طرح بھاری کام کاج کے لیے پیدا نہیں کی گئی، بلکہ اُسے یہ حکم ہے کہ وہ شان وشوکت کے ساتھ اپنے گھر میں رہے، پنج وقتہ نماز ادا کرے، اپنی عزّت وعصمت کی حفاظت کرے، اپنے بال بچوں اور گھر کی دیکھ بھال کرے، اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے، اور شوہر جب وہ کام کاج کی تھکن سے چُور ہو کر واپس گھر لَوٹے، تو اس کا خوشدلی سے استقبال کرے، اُسے راحت وآرام پہنچانے کی پوری کوشش کرے؛ تاکہ وہ ہر دنیاوی فکر وغم سے آزاد ہو کر ذہنی طور پر مطمئن اور پُرسکون رہے!۔

خالقِ کائنات عزّوجلّ عورت کا مقصدِ تخلیق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾(۱) "اُس (اللہ عزّوجلّ) کی نشانیوں میں سے ہے، کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے؛ تاکہ اُن سے آرام پاؤ، اور تمہارے آپس میں محبت اور رحمت رکھی، یقیناً اس میں دھیان کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں!"۔

ایک اَور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾(۲) "وہی اللہ ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اُسی میں سے اُس کا جوڑا بنایا؛ تاکہ وہ اُس سے چَین پائے"۔ یعنی مرد عورت کی طرف سے محبت واُلفت پاکر چَین وسکون میں رہتا ہے، جب آدمی گھر لَوٹتا ہے توگھر کے پُرسکون ماحول کی بدَولت، اُس کے دن بھر کی تھکن دُور ہوجاتی ہے۔

حرفِ اخیر

میرے عزیز دوستو، بھائیو اور بزرگو! دینِ اسلام مسلمان خاتون کو اپنی عزّت، عصمت اور وقار کو برقرار رکھنے، اور اسے مُعاشرے کی بُری نگاہوں سے بچانے کے لیے، اسے مَرد وزَن کے اختلاط سے بچنے کا حکم دیتا ہے؛ تاکہ گلی کوچے کے لوگ اسے ہَوسناک نظروں سے نہ دیکھ پائیں! لیکن افسوس صد افسوس! کہ یورپی تہذیب کے دِلدادہ بعض مسلمان، اہلِ یورپ کی اندھی تقلید میں، اپنا وقار اور حقیقی

---

(۱) پ۲۱، الروم: ۲۱.

(۲) پ۹، الأعراف: ۱۸۹.

پہچان کھو رہے ہیں، اسلامی تعلیمات اب انہیں اپنی ترقی کی راہ میں حائل، سب سے بڑی رکاوَٹ محسوس ہو رہی ہیں، خاص طور پر "میرا جسم میری مرضی" گروہ (Group) سے تعلق رکھنے والی وہ عورتیں، جو اسلامی تعلیمات کو اپنے پاؤں کی نہ صرف بیڑیاں سمجھتی ہیں، بلکہ ان حُدود کو توڑ کر باہر نکلنا پسند کرتی ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی فحاشی وبے حیائی کے اس مکروہ کھیل میں شریک کرنا چاہتی ہیں۔

ایسی عورتیں خواتینِ اسلام کے تقدّس کو پامال کر رہی ہیں؛ لہٰذا اس سے پہلے کہ یہ بدبودار طوفانِ بدتمیزی وبدتہذیبی ہمارے گھروں تک آن پہنچے، ہمیں اس کی روک تھام کے لیے عملی اِقدامات کرنے ہوں گے! ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنے گھر والوں، نیز آس پاس کے ماحول کو، صوم وصلاۃ کا پابند بنانے کے ساتھ ساتھ، پردے (حجاب) کی تلقین بھی کرے! اور اس کی اہمیت واِفادیت سے آگاہ کرے۔ اللہ کریم ہمیں اَحکامِ شرعیہ کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق دے، اور یورپ کے آزادیٔ نسواں جیسے دلفریب نعروں کے شرور وفتن سے محفوظ رکھے، آمین!۔

دعا

اے اللہ! ہمارے قول وعمل میں شرم وحیاء نصیب فرما، بے حیائی اور بے شرمی سے محفوظ فرما، ہماری خواتین کو نیک سیرت، باپردہ بنا اور باکردار بنائے رکھ، ہمیں خواتین کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما، ان میں سستی وکاہلی سے بچا۔ ہمیں تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی، بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

مُعاشرتی برائیوں کا سدِّباب

(جمعۃ المبارک ۱۸ ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ - ۱۰/۷/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمٰنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

عزیزانِ محترم! کسی بھی مُعاشرہ سے جب تک برائیوں کا خاتمہ نہ ہو جائے، وہ مُعاشرہ ترقی وکامیابی نہیں پاسکتا! اس میں سُدھار پیدا نہیں ہوسکتا! مُعاشرتی برائیاں لوگوں کو آہستہ آہستہ دیمک کی طرح چاٹ کر کھوکھلا کر دیتی ہیں، بظاہر خوبصورت اور خوب سیرت نظر آنے والے انسان، جانوروں سے بھی بدتر ہوجاتے ہیں، لہٰذا ایسے اَفراد پر مشتمل مُعاشرہ اچھائیوں اور خوبیوں سے عاری ہو کر، وَحشی درندوں کی طرح اپنے گرد وپیش کے دیگر اَفراد اور قوم وملت کو، تباہ وبرباد کر کے رکھ دیتا ہے۔ آج ہم انہی مُعاشرتی برائیوں میں سے چند کا ذکر، اور ان کے اِزالہ کے اسباب بیان کریں گے۔

ظلم اور اس کا انجام

برادرانِ اسلام! دنیا بھر میں جب جب کسی مُعاشرہ میں ظلم وستم، اور جبر واستبداد کا رویہ اختیار کیا گیا، اور طاقت کے نشے میں اس حقیقت کو فراموش کیا گیا، کہ

اللہ رب العالمین اس کائنات کا خالق ومالک ہے، جو ظلم وستم اور زیادتی کرنے والوں کو کسی طور پر پسند نہیں فرماتا! اور وہ جب چاہے ظالموں کو آنِ واحد میں اپنے غضب سے نشانۂ عبرت بنا سکتا ہے! تاریخِ انسانیت گواہ ہے کہ جب کبھی ایسا ہوا، بڑے دردناک اور بھیانک نتائج دیکھنے کو ملے!۔

قومِ نُوح، قومِ ابراہیم، اصحابِ مدیَن اور عاد وثمود کی سرکشی، اور ان کے عبرتناک انجام کو خود اللہ رب العالمین نے قرآنِ پاک میں بیان فرمایا: ﴿اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾[1] "کیا انہیں اپنے سے اگلوں کی خبر نہ آئی؟! نُوح کی قوم اور عاد اور ثمود، اور ابراہیم کی قوم اور مدیَن والے، اور وہ بستیاں جو اُلٹ دی گئیں! ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لائے تھے، تو اللہ کی شان نہ تھی کہ اُن پر ظلم کرتا، بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظالم تھے!"۔

حضرت سیّدنا ابو موسیٰ اَشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتَّى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْه» "اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیے رہتا ہے، یہاں تک کہ جب پکڑتا ہے تو وہ (ظالم) بچ کر نکل نہیں پاتا!"۔ اس کے بعد نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾[2]

---

(۱) پ۱۰، التوبة: ۷۰.

(۲) پ۱۲، هود: ۱۰۲. و"صحيح البخاري" ر: ٤٦٨٦، صـ۸۰۷.

"ایسے ہی تیرے پروَردگار کی گرفت ہے، جب وہ ظالم بستی والوں کو گرفت میں لیتا ہے! یقیناً اس کی گرفت سخت دردناک ہے!"۔

حرص اور لالچ

حضراتِ گرامی قدر! انسان اگرچہ بوڑھا ہوجائے، مگر اس کی دنیاوی طمع اور لالچ میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے، حضرت سیّدنا انَس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، سرکارِ اَبد قرار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: «يَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَتَشِبُّ مِنْهُ اثْنَتَانِ: (١) الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ، (٢) وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ»[1] "آدمی بوڑھا ہوجاتا ہے، مگر اس میں دو ۲ چیزیں ہمیشہ جَوان رہتی ہیں: (۱) مال کی لالچ، (۲) اور طویل عمر کی تمنّا"۔

جب ہمیں معلوم ہے کہ حرص اور لالچ ہلاکت وگمراہی کا باعث ہیں، تو ہر صورت ہمیں قناعت اختیار کرنی چاہیے، اور اللہ تعالی کی عطا پر ہر حال میں راضی رہنا چاہیے! اسی میں ہماری کامیابی، مُعاشرہ کی فلاح وکامرانی، دنیا وآخرت کا سکون، اللہ ورسول کی خوشنودی، اور دُخولِ جنّت کا راز پوشیدہ ہے!۔

حرص اور لالچ کا علاج

میرے بزرگو ودوستو! اس مُعاشرتی مرض کا علاج صبر وقناعت ہے، یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو مل جائے، اس پر راضی رہ کر اللہ کا شکر بجالائے، اور اس عقیدہ پر جم جائے کہ انسان جب ماں کے پیٹ میں تھا، اسی وقت فرشتہ ربّ تعالیٰ کے حکم سے انسان کے بارے میں چار ۴ چیزیں لکھ دیتا ہے: اس کی (۱) عمر، (۲) روزی، (۳) اس کی نیک بختی، (۴) یا بدنصیبی۔

---

(١) "صحيح مسلم" بابُ كَرَاهَةِ الْحِرْصِ ...، ر: ٢٤١٢، صـ٤٢١.

یہی انسان کا نوشتہ تقدیر ہے، لہٰذا اسے وہی ملے گا جو تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے، اس کے بعد یہ یقین جان کر اللہ تعالیٰ کی رضا، اور اس کی عطا پر راضی ہو جائیں، اور یہ کہہ کر لالچ کے قلعے کو ڈھا دیں، کہ جو میری تقدیر میں تھا وہ مجھے ملا، اور جو میری تقدیر میں ہوگا وہ آئندہ بھی ملے گا۔ اور اگر کسی کمی کے باعث دل بے چین و پریشان ہو، اور نفس اِدھر اُدھر لپکنے لگے، تو صبر کی طاقت کے ذریعے نفسِ شریر کی لگام کھینچ لیں، اس طرح رفتہ رفتہ قلب میں قناعت کا نُور چمک اٹھے گا، اور حرص ولالچ کا میلا بادل چھٹتا چلا جائے گا، ان شاء اللہ!۔

مرضِ حسد

رفیقانِ گرامی قدر! مُعاشرتی برائیوں میں سے ایک حسد بھی ہے، یہ کسی بھی مُعاشرہ کی سلامتی کے لیے انتہائی خطرناک ہے، حاسد شخص دوسرے کی نعمت کے زَوال کی تمنّا کرتا ہے، دوسروں کے پاس موجود نعمتوں سے جلتا ہے۔ حسد کے انہی خطرات ومضرّات کے سبب ہمیں اللہ تعالی نے حکم فرمایا، کہ ہم حاسد کے شر سے حفاظتی تدبیر کریں، اس سے اللہ کی پناہ چاہیں، ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ﴾[1] "(آپ فرما دیجیے! کہ میں رب تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں) حاسِد کے شرّ سے، جب وہ مجھ سے جلے"۔

بعض لوگ ایسے تنگ دل ہوتے ہیں، کہ دوسروں کی بھلائی اور بہتری کو اچھی نظر سے نہیں دیکھ سکتے، خاص طور پر اپنے رشتہ داروں، عزیزوں، دوستوں اور ہم پیشہ اَفراد کو، جب اچھی اور آسودہ حالت میں دیکھتے ہیں، تو اُن کے سینوں میں حسد کی

---

(۱) پ۳۰، الفلق: ۵.

آگ بھڑک اٹھتی ہے، وہ چاہتے ہیں کہ خوشحال لوگوں کی نعمتیں اور آسُودگی اُن سے چِھن کر ہمیں مل جائے!۔

میرے عزیز دوستو! حسد ایک بدترین جُرم ہے، اس سے ہر مسلمان کو بچنا بے حد ضروری ہے، حسد ایک ایسی برائی ہے جو کبھی کسی امّت کے لیے جائز نہیں رہی، جب بھی کوئی قوم اس برائی میں مبتلا ہوئی وہ ہلاکت میں پڑ گئی۔ نیز حسد ایمان کے بھی مُنافی ہے، مصطفیٰ جانِ رَحمت ﷺ نے فرمایا: «لَا يَجْتَمِعُ فِي جَوْفِ عَبْدٍ: الْإِيْمَانُ وَالْحَسَدُ»[1] "کسی بندہ کے سینے میں ایمان اور حسد جمع نہیں ہو سکتے"۔ کسی مُعاشرے کے اَفراد کا آپس میں حسد نہ کرنا، اُس مُعاشرے کی بھلائی کی ضمانت ہے، اور مسلمان کے سچے ایمان کی دلیل ہے۔

غُرور و تکبّر

برادرانِ ملّتِ اسلامیہ! تکبر ایک بُری رَوِش اور مُعاشرے کی برائیوں میں سے ایک ہے، جس کا اثر عملاً ظُہور میں آتا رہتا ہے، تکبر یہ ہے کہ انسان خود کو دوسروں سے بہتر اور فائق سمجھے، اپنے کاموں کو دوسروں سے اچھا اور اونچا جانے، کہ میں نے جیسا کام کیا ویسا کسی کا نہیں... وغیرہ وغیرہ۔ اسی خیال سے اُس کے دل میں غرور پیدا ہوتا ہے، اور اسی بنا پر شیطان کو مَردود قرار دیا گیا، ربِ کریم ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ﴾[2] "تُو یہاں سے اُتر جا! تجھے یہ حق حاصل نہیں کہ یہاں رہ کر غرور کرے، نکل جا! تُو ذلّت

(١) "صحيح ابن حِبّان" باب فضل الجهاد، ر: ٤٥٨٧، صـ٧٩٩.
(٢) پ٨، الأعراف: ١٣.

والوں میں سے ہے!"کہ انسان تیری مذمّت کرے گا، اور ہر زبان تجھ پر لعنت کرے گی، اور یہی تکبّر والے کا انجام ہے[1]۔

تکبر کا ایک علاج

محترم حضرات! حضرت سیِّدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، نبیٔ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: «الْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِيءٌ مِنَ الْكِبْرِ»[2] "سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے دُور ہوجاتا ہے" یعنی جو شخص مسلمانوں کو سلام کر لیا کرے، وہ ان شاء اللہ متکبر نہیں ہوگا، اس کے دل میں عجز و نیاز ہوگا[3]۔

بدگمانی اور اس کا حکم

عزیزانِ محترم! ظن کے معنیٰ گمان کرنے کے ہیں، سُوئے ظن یعنی بدگمانی وغلط سوچ رکھنا۔ بُرا گمان کبھی اپنے متعلق، کبھی دوسروں سے متعلق، اور کبھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی ہوتا ہے۔ بدگمانی دِینی خرابی کا بھی باعث ہے، بدگمانی میں گرفتار شخص شیطان کے دامِ فریب میں پھنسا رہتا ہے، حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے، دوسروں کے بارے میں منفی سوچ رکھتا ہے، بدگمانی سے عدمِ اعتماد کی فِضا پیدا ہوتی ہے، نفرتیں پھیلتی ہیں، برائیوں میں اضافہ ہوتا ہے، گمراہیاں جنم لیتی ہیں، اور باہمی تعلقات بھی بہت متاثر ہوتے ہیں۔

---

(۱) "خزائن العرفان فی تفسیر القرآن" پ۸، الاَعراف، زیرِ آیت: ۱۳، صـ۲۷۲۔

(۲) "شعب الإيمان" ٦١- باب في مقاربة ...إلخ، ر: ٨٧٨٦، ٦/ ٢٩٣٤.

(۳) "مرآۃ المناجیح" اچھی باتوں کا بیان، سلام کا باب، تیسری فصل، زیرِ حدیث: ۴۶۶۶، ۶/۲۸۰۔

بدگمانی سے بچنا اہلِ ایمان اور صالحین کا طریقہ ہے، خالقِ کائنات جَلَّ جَلَالُہٗ اہلِ ایمان کو بدگمانی سے روکتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾[1] "اے ایمان والو بہت گمان سے بچو! یقیناً بعض گمان گناہ بھی ہوتے ہیں"۔ اس آیتِ مبارکہ کے تحت مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ "مسلمان بھائی کے بارے میں بدگمانیاں مت کیا کرو! اس کے کام یا کلام میں اچھا پہلو نکل سکتا ہو، تو اسے خواہ مخواہ بُرے پہلو پر محمول مت کرو! بعض گمان حرام ہیں، جیسے رب تعالیٰ پر بدگمانی کہ "وہ مجھے ہرگز نہیں بخشے گا"، یا مسلمان پر بلاوجہ بدگمانی کرنا"[2]۔

بدگمانی کا علاج

عزیزانِ مَن! بدگمانی کی عادت ختم کرنے کے لیے، بذاتِ خود اُس شخص سے واضح بات پُوچھ لینی چاہیے، جس کے بارے میں بُرا خیال آتا ہو۔ دوسرے کے بارے میں زیادہ سوچنے، اور بلاوجہ رائے قائم کرنے سے گریز کرنا بے حد لازم وضروری ہے، اپنی منفی سوچوں پر قابو رکھنے، بدگمانی دُور کرنے کی کوشش، غلطی پر دوسروں کو مُعاف کر دینے، اور دوسروں کو اپنے سے اچھا سمجھنے سے بھی بدگمانی کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ حضرت سیّدنا اَنس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، تاجدارِ رسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: «احْتَرِسُوْا مِنَ النَّاسِ بِسُوءِ الظَّنِّ»[3] "لوگوں کے بارے میں بدگمانی سے بچو!"۔

---

(١) پ٢٦، الحُجُرات: ١٢.

(۲) "تفسیر نور العرفان" پ۲۶، الحجرات، زیرِ آیت: ۱۲، صـ۸۲۴، ۸۲۵، ملخصًا۔

(٣) "المعجم الأوسط" بابُ الألف، من اسمه أحمد، ر: ٥٩٨، ١/ ١٨١.

لہٰذا ان تمام برائیوں کے ساتھ ساتھ، شریعت میں حرام وممنوع، ہر خرابی اور بری چیز سے نہ صرف خود بچیں، بلکہ دوسروں کی اصلاح کرکے انہیں بھی بچانے کی کوشش کریں؛ تاکہ ایک صالح مُعاشرہ تشکیل پاسکے، اور تمام مُعاشرتی برائیوں کا سدِّباب ہوسکے۔

دعا

اے اللہ! ظلم وستم کرنے سے محفوظ فرما، ہمیں توفیق دے اور اس قابل بنا کہ ہم ظالم کا ہاتھ روک سکیں، مظلوم کی مدد کرسکیں، اے اللہ! ہمیں حسد، غرور وتکبّر، حرص، طمع اور بدگمانی وغیرہ مُعاشرتی برائیوں، اور ان کے اثرات سے دنیا وآخرت میں مامون فرما، تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی، بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

اسلام اور یورپ میں نظریۂ ذاتیات

(جمعۃ المبارک ۲۵ ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ - ۱۷/۷/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

دینِ اسلام کا نظریۂ ذاتیات

(Privacy Ideology)

عزیزانِ محترم! دینِ اسلام کا نظریۂ ذاتیات یعنی ایک فرد کی نجی زندگی، بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ دینِ اسلام اپنے ماننے والوں کو، کسی کی پرسنل لائف (Personal Life) میں مُداخلت کرنے، ٹوہ میں میں رہنے، یا تجسس میں مبتلا ہوکر اس پر نظر رکھنے کی، ہرگز اجازت نہیں دیتا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾[1] "اے ایمان والو! بہت گمان سے بچو! یقیناً بعض گمان گناہ

(۱) پ۲۶، الحجرات: ۱۲.

بھی ہوتے ہیں۔ اور عیب مت ڈھونڈو! اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو! کیا تم میں کوئی پسند رکھے گا کہ اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ تو یہ تمہیں گوارا نہ ہوگا! اور اللہ سے ڈرو! یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے!"۔

کسی کے پوشیدہ اُمور سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے، ہر وقت اُس کی ٹوہ میں لگے رہنا، مُعاشرے میں خرابی اور بگاڑ کا سبب بنتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے کسی کی نجی زندگی میں مُداخلت سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: «إِنَّكَ إِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ، أَفْسَدْتَهُمْ»[1] "اگر تم لوگوں کے پوشیدہ اُمور کی ٹوہ میں رہوگے، تو اُن کے مُعاملات خراب کردوگے"۔

ایک اَور روایت میں ہے کہ سرورِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا: «يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ، وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قَلْبَهُ! لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ، وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ؛ فَإِنَّهُ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ، يَتَّبِعُ اللهُ عَوْرَتَهُ، وَمَنْ يَتَّبِعِ اللهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِي بَيْتِهِ»[2] "اے وہ لوگو جو زبان سے تو ایمان لائے، مگر ابھی ایمان اُن کے دلوں میں داخل نہیں ہوا! مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی کھوج نہ لگایا کرو!؛ کیونکہ جو مسلمانوں کے راز کے درپے ہوگا، اللہ تعالی اُس کے راز کے درپے ہوجاتا ہے، اور اللہ تعالی جس کے درپے ہوجائے اُسے اُس کے گھر کے اندر بھی رُسوا کردیتا ہے"۔

ذاتی بُغض ورنجش یا کسی اَور پرخاش کے سبب، کسی سے بدلہ لینے، یا اُسے

---

(١) "سنن أبي داود" باب في النهي عن التجسّس، ر: ٤٨٨٨، صـ٦٨٩.
(٢) المرجع نفسه، باب في الغيبة، ر: ٤٨٨٠، صـ٦٨٨.

بدنام کرنے کی غرض سے، اُس کے نجی مُعاملات کی کھوج میں رہنا، انتہائی غیر اَخلاقی وغیرِ شرعی بات ہے، اور حدیثِ پاک میں اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ حضرت سیّدنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، تاجدارِ رسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: «وَلَا تَجَسَّسُوا، وَلَا تَحَسَّسُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَكُونُوا إِخْوَاناً!»[1] "تجسّس نہ کرو! خبریں معلوم نہ کرو! ایک دوسرے سے بُغض نہ رکھو! اور سب بھائی بھائی بن کر رہو!"۔

حضراتِ گرامی قدر! دینِ اسلام میں پرائیویسی (Privacy) کی کس قدر اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، کہ ایک بار ایک خاتون نے، حضورِ اکرم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ میں بسا اوقات اپنے گھر میں اَیسی حالت میں ہوتی ہوں، کہ مجھے پسند نہیں کہ کوئی (غیر مَرد) مجھے اُس حالت میں دیکھے، جبکہ بعض لوگ بنا اِجازت اندر چلے آتے ہیں[2]، اس پر اللہ ربّ العالمین نے یہ حکم نازل فرمایا: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۞ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ وَ اِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾[3] "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اَور گھروں میں نہ جاؤ، جب تک اجازت نہ لے لو! اور ان کے ساکِنوں پر سلام نہ کر لو! یہ تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم دھیان دو! پھر اگر ان میں کسی کو نہ پاؤ جب بھی بے مالکوں کی اجازت

(۱) "صحيح البخاري" كتاب النكاح، ر: ٥١٤٣، صـ٩٢٠.

(۲) "تفسیر نور العرفان" پ۱۸، نور، زیرِ آیت: ۲۸، ص۵۶۳۔

(۳) پ۱۸، النور: ۲۷، ۲۸.

کے ان گھروں میں نہ جاؤ! اور اگر تم سے کہا جائے کہ "واپس جاؤ" تو لَوٹ جاؤ! یہ تمہارے لیے بہت ستھرا ہے، اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے!"۔

اسی طرح بلااجازت دوسروں کے خط، یا موبائل فون (Mobile Phone) سے میسج (Message) پڑھنا، یا چوری چھپے اُن کی باتیں سننا بھی انتہائی معیوب عمل ہے، دینِ اسلام سختی سے اس کی ممانعت فرماتا ہے، حدیثِ پاک میں ایسے شخص کے بارے میں نبئ کریم ﷺ نے سخت وعید سناتے ہوئے ارشاد فرمایا: «مَنِ اسْتَمَعَ إِلَى حَدِيثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُونَ، أَوْ يَفِرُّونَ مِنْهُ، صُبَّ فِي أُذُنِهِ الآنُكُ يَوْمَ القِيامَةِ!»[١] "جو شخص لوگوں کی باتیں سنتا ہے، حالانکہ وہ اسے سنانا نہیں چاہتے، بلکہ وہ اس سے دُور بھاگتے ہیں، تو قیامت کے دن اس کے کان میں سیسہ (ایک دھات) پگھلا کر ڈالا جائے گا!"۔

حضراتِ محترم! بلااجازت دوسروں کے گھروں میں جھانکنا بھی، اسلام کے نظریۂ ذاتیات (Privacy Ideology) کے خلاف ہے، اور اس بات کی خلاف ورزی کے مرتکب ہونے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا: «لَوِ اطَّلَعَ فِي بَيْتِكَ أَحَدٌ وَلَمْ تَأْذَنْ لَهُ، خَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ، مَا كَانَ عَلَيْكَ مِنْ جُنَاحٍ»[٢] "اگر کوئی بلااجازت تمہارے گھر میں جھانکے، اور تم کنکر پھینک کر اُسے مارو، جس سے اس کی آنکھ پُھوٹ جائے، تو تم پر کوئی گناہ نہیں"۔

"صحیح مسلم" کی روایت میں ہے: «مَنِ اطَّلَعَ فِي بَيْتِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ،

---

(١) "صحيح البخاري" باب مَن كذبَ في حُلمه، ر: ٧٠٤٢، صـ١٢١٤.

(٢) المرجع نفسه، كتاب الدِيات، ر: ٦٨٨٨، صـ١١٨٦.

فَقَدْ حَلَّ لَهُمْ أَنْ يَفْقَئُوا عَيْنَهُ»[1] "جو کسی کے گھر میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکے، تو اس (گھر والوں) کے لیے جائز ہے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں!"۔

اسی طرح ایک اَور روایت میں ہے: «مَنِ اطَّلَعَ فِي بَيْتِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ، فَفَقَئُوا عَيْنَهُ، فَلَا دِيَةَ لَهُ، وَلَا قِصَاصَ!»[2] "جو بلا اجازت کسی کے گھر میں جھانکے، اس پر اگر وہ لوگ اس کی آنکھ پھوڑ دیں، تو نہ اس کی دِیت ہے نہ ہی کوئی قصاص!"۔

حضراتِ مَن! دوسروں کے گھروں میں بلا اجازت جانا تو بہت دُور کی بات ہے، دینِ اسلام تو یہاں تک تاکید فرماتا ہے، کہ کوئی شخص خود اپنے گھر میں بھی اچانک داخل نہ ہو، اور اندر آنے سے قبل کسی نہ کسی طرح، مثلاً کھنکار کر، یا کوئی آواز پیدا کرکے، اپنے اہلِ خانہ کو خبر دار کرے؛ تاکہ اس کی ماں، بہن یا جَوان بیٹی وغیرہ، الغرض جو کوئی عورت گھر میں ہو، اپنے کپڑے اور دوپٹہ وغیرہ درست کر سکے!۔

علاوہ ازیں مذکورہ بالا جن آیات واحادیث میں، تجسس یا ٹوہ لگانے کی ممانعت ہے، وہاں مسلمانوں کی عیب جُوئی کے لیے تجسس یا ٹوہ لگانا مراد ہے۔ لہٰذا ملکی انتظامات کو بہتر بنانے، اور اُسے دشمنوں کی میلی نظر سے بچانے کے سلسلہ میں، خفیہ ایجنسیز (Secret Agencies) کے، جاسوسی سے متعلق اِقدامات اور نیٹ ورکس (Net Works) شرعی طور پر اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۱) "صحیح مسلم" باب تحریم النظر في بيت غيره، ر: ٥٦٤٢، صـ٩٦١.

(۲) "سنن النَّسائي" كتاب القسامة، ر: ٤٨٦٤، صـ٦٧٠.

یورپ کا نظریۂ ذاتیات

(Privacy Ideology)

برادرانِ اسلام! دینِ اسلام کے مقابلے میں، اگر نام نہاد جدید تہذیب کی حامل، مہذّب یورپی دنیا کے رہن سہن، اور ملکی قوانین کا جائزہ لیا جائے، تو واضح طور پر نظر آتا ہے، کہ ایک عام یورپی شہری کی نجی زندگی اور مُعاملات ہرگز محفوظ نہیں، اکثریت تو شاید اس بات سے بھی ناواقف ہو، کہ حقیقی پرائیویسی (Privacy) کہتے کسے ہیں؟ اور اس کے تقاضے کیا ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ یورپ کے بیشتر ممالک ترقی یافتہ ہونے کے باوُجود، پرائیویسی کے اعتبار سے، انتہائی اَخلاقی پستی کا شکار ہیں، بحیثیت قوم یورپ میں نظریۂ ذاتیات (Privacy Ideology) کا فقدان بہت زیادہ ہے۔

میرے محترم بھائیو! آپ خود ہی سوچیے کہ جس یورپ میں عورتیں نیم برہنہ حالت میں سرِعام گھومتی ہوں، مرد و عورت پبلک پارکس (Public Parks) میں کھلے عام بوس و کنار کرتے ہوں، کسی گاڑی یا درخت کی آڑ میں بے حیائی کا کام ہوتا ہو، بیوی یا نوجوان بیٹی کا اپنے بوائے فرینڈ (Boyfriend) کو گھر بلا کر، اپنے شوہر یا باپ کے سامنے ہم آغوش ہونا بھی معیوب نہ سمجھا جاتا ہو، اس یورپ کا نظریۂ ذاتیات (Privacy Ideology) کیا اور کیسا ہو سکتا ہے؟!

اپنی تمام تر قباحتوں اور فحاشی کے باوُجود، بفرضِ مُحال اگر یورپ کے نظریۂ ذاتیات، یا حقِ رازداری کو تسلیم کر بھی لیا جائے، تب بھی یورپی اَعداد و شمار کے مطابق، لوگوں کی نجی زندگی میں مُداخلت سے متعلق صورتحال بہت سنگین ہے، سپر پاور کے زعم میں مبتلا، مغرب کے سب سے بڑے نام نہاد جُمہوری مُلک امریکہ ہی کو لے لیجیے،

وہ اپنے آئین میں پرائیویسی یعنی حقِ رازداری سے متعلق، چار بار ترامیم منظور کر چکے ہیں، لیکن اس کے باوُجود عملی طور پر، پورے امریکہ میں ان کا نفاذ کہیں بھی نہیں، اور یہ ترامیم ابھی محض زینتِ اَوراق ہی ہیں۔

نجی زندگی میں مُداخلت کے اسباب

عزیزانِ محترم! کسی کی نجی زندگی میں مُداخلت سے ممانعت کی بنیادی وجہ، عزّت وآبرُو کی حرمت قائم کرنا، اور نجی مُعاملات کی رازداری برقرار رکھنا ہے؛ تاکہ مُعاشرے کو منفی طرزِ عمل سے پاک کرکے، باہمی ہمدردی اور بھائی چارے کو فروغ دیا جاسکے۔ لیکن اس کے باوُجود بعض لوگ کسی کی پرائیویسی پر اثرانداز ہونے سے باز نہیں آتے، اس کے مختلف اسباب ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے، کہ بعض لوگ عادت سے مجبور ہوکر ایسا کرتے ہیں، انہیں دوسروں کے نجی اُمور سے آگاہی، اور برائیوں کی کھوج لگانے میں مزا آتا ہے، لذّت ملتی ہے۔ عام طور پر اس عادتِ بد میں وہ لوگ زیادہ ملوّث پائے جاتے ہیں، جو کام کاج سے فارغ ہوتے ہیں، لہٰذا ٹائم پاس کے طور پر وہ خود کو اس طرح کے غیر اَخلاقی مَشاغل میں مصروف کرلیتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگ بدگمانی، احساسِ کمتری، ذاتی انتقام یا نفرت وعداوَت کے باعث بھی، فریقِ مخالف کے نجی مُعاملات اور راز جاننے کی کوشش کرتے ہیں؛ تاکہ اُسے دوسروں کے سامنے شرمندہ اور کمزور ثابت کرکے، اپنی اَنا کو تسکین پہنچا سکیں، اور اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کرسکیں!۔

لوگوں کے نجی مُعاملات کی ٹوہ میں رہنے کے نقصانات

میرے عزیز دوستو! کسی کے نجی مُعاملات میں مُداخلت، تجسس اور ٹوہ میں رہنے کی عادت، ایک ایسی نفسیاتی بیماری ہے، جو انسان کے دل ودماغ میں غم وغصہ، نفرت وعداوت، بُغض وعناد اور حسد وبے چینی کے بیج بُودیتی ہے، یہ برائی رفتہ رفتہ اس قدر بڑھ جاتی ہے، کہ گناہوں کی دَلدَل میں اُترنے کے ساتھ ساتھ، جسمانی طور پر بھی بندہ بیمار ہوجاتا ہے، طرح طرح کے پراگندہ خیالات سے ذہن منتشر رہتا ہے، اور نتیجۃً انسان بلڈ پریشر (Blood pressure)، ڈپریشن (Depression) اور احساسِ کمتری کا شکار ہوجاتا ہے!۔

لہٰذا جہاں تک ممکن ہو، دوسروں کے بارے میں حُسنِ ظن رکھیں، بدگمانی اور منفی سوچ سے مغلوب ہوکر، کسی کے نجی مُعاملات کی ٹوہ میں پڑنے کی کوشش ہرگز نہ کریں، اللہ نہ کرے اگر آپ پر کسی کا عیب ظاہر ہو بھی جائے، تب بھی اُسے اپنے سینے کے اندر ہی دفن کردیں، کسی سے بھی ہرگز شیئر (Share) نہ کریں۔

حضرت سیّدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَنْ سَتَرَ مُسْلِماً، سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَة»[1] "جس نے (دنیا میں) کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالی بروزِ قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائے گا"۔

ایک اَور مقام پر حضرت سیّدنا ابنِ عبّاس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ أَخِيْهِ الْمُسْلِم، سَتَرَ اللهُ عَوْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ كَشَفَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِم، كَشَفَ اللهُ

(١) "صحيح البخاري" كتاب المظالم، ر: ٢٤٤٢، صـ٣٩٤.

عَوْرَتَهُ حَتَّى يَفْضَحَهُ بِهَا فِيْ بَيْتِه»[1] "جو اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا، اور جو اپنے مسلمان بھائی کا عیب ظاہر کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کا عیب ظاہر کر دے گا، یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں بھی رُسوائی سے محفوظ نہیں رہ پائے گا!"۔

ہاں البتہ اگر کسی کے عیب کی نَوعیت ایسی ہو، کہ دوسرے مسلمانوں کو اس سے جانی، مالی یا دینی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، تو اس کی تشہیر میں شرعًا کوئی حرج نہیں ہے۔

نجی زندگی اور اُس کے تقاضے

برادرانِ اسلام! دینِ اسلام کی طرف سے ساڑھے چودہ سو سال سے ہر مسلمان کو، پیدائشی طور پر پرائیویسی (Privacy) کا یہ حق حاصل ہے، کہ کوئی دوسرا شخص اس کی نجی زندگی میں مُداخلت نہیں کر سکتا۔ نجی زندگی میں مُداخلت سے مراد کسی کے احساسات، پوشیدہ راز اور کاروباری وگھریلو زندگی کے حالات وواقعات کی ٹوہ میں پڑنا ہے، اس کی دینِ اسلام میں بلاوجہِ شرعی ہرگز اجازت نہیں!۔

میرے عزیز دوستو، بھائیو اور بزرگو! دینِ اسلام کی اِنفرادی وامتیازی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے، کہ یہ دِین لوگوں کے حقوق صرف بیان نہیں کرتا، بلکہ اس کے عملی نفاذ کے لیے اپنے ماننے والوں کو اس حق کا لحاظ رکھنے، اور پاسداری کرنے کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نجی زندگی میں مُداخلت سے متعلق، حقِ رازداری کے تقاضے بیان کرتے ہوئے، دینِ اسلام نے ہر مسلمان کو یہ حکم دیا ہے، کہ جب بھی کوئی کسی کے ہاں جائے، تو گھر وغیرہ میں داخل

(۱) "سنن ابن ماجه" كتابُ الحُدود، ر: ٢٥٤٦، صـ٤٣٢.

ہونے سے پہلے اس سے اجازت طلب کرے، اور اگر اجازت نہ ملے، تو بغیر ناراض ہوئے واپس لَوٹ جائے۔

غیر تو غیر، بعض اوقاتِ مخصوصہ میں، بچوں اور گھر کے خادموں پر بھی پرائیویسی کا لحاظ رکھتے ہوئے، اجازت لینا لازم قرار دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ﴾[1] "اے ایمان والو! تمہارے غلام وخادم اور تمہارے وہ بچے جو اَبھی جوانی کو نہ پہنچے، تین ۳ اَوقات: (۱) نمازِ صبح سے پہلے، (۲) دوپہر کو جب تم اپنے کپڑے اُتارے رہتے ہو، (۳) اور نمازِ عشاء کے بعد، تم سے اِجازت لے کر تمہارے پاس آئیں، یہ تین ۳ اَوقات تمہارے پردے کے ہیں"۔

اس فرمانِ الٰہی سے معلوم ہوا، کہ نمازِ فجر سے پہلے، دوپہر قَیلولہ کے وقت جب مَرد حضرات آرام کی غرض سے اپنی قمیص اُتار دیتے ہیں، اور خواتین دوپٹے وپردے کا زیادہ اہتمام نہیں کیا کرتیں، اور رات بعد نمازِ عشاء جب سونے کی تیاری کی جاتی ہے، یہ تین ۳ اَوقات سونے اور آرام وسکون کے ہیں، لہٰذا ان اَوقات میں بغیر اجازت اپنے گھر کے اندر بھی، دوسروں کے کمرے میں داخل ہونا ممنوع ہے، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، مَرد ہو یا عورت، سبھی پر لازم ہے کہ اس حکم پر عمل کریں، اور پرائیویسی (Privacy) سے متعلق تمام اُمور، مثلاً بغیر اجازت کسی کے گھر یا کمرے میں داخل ہونے، ڈائری (Diary) یا خط یا میسج (Message) پڑھنے، چوری چھپے اُن کی باتیں

---

(۱) پ۱۸، النور: ۵۸.

سننے، آڈیو ریکاڈنگ کرنے یا ویڈیو بنانے میں، اُن کے حق کی رعایت کریں، اور ایسا کرنے سے باز رہیں!!۔

پرائیویسی کا لحاظ رکھنے کے فوائد وثمرات

حضراتِ ذی وقار! اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں، اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری نبی ورسول ﷺ کی خوشنودی ورِضا، اور انسان کی دنیا وآخرت دونوں کی بہتری ہے، دینِ اسلام نے ہر وہ کام جو فتنہ وفساد، بگاڑ وبداَمنی اور گناہ وبربادی کی طرف لے جاتا ہو، اُس کے تمام اَسباب ومحرّکات سے منع فرمایا ہے، زندگی گزارنے کے اُصول وضوابط مقرّر فرمائے، جن پر عمل کسی مصلحت سے خالی نہیں۔ رب تعالیٰ کے تمام اَحکام علم وحکمت پر مبنی ہیں، چاہے ہماری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں!!۔

اِنہی آداب واَحکام میں سے ایک، اپنے مسلمان بھائی کی نجی زندگی کا لحاظ رکھنا بھی ہے، کہ یہ طریقہ ثواب اور اُخروی انعام واِکرام کا باعث، اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر دنیاوی فوائد کا بھی حامل ہے، پرائیویسی کے پیشِ نظر، اجازت لے کر داخل ہونے سے گھروں کو عزّت نصیب ہوتی ہے، اور خود ہماری عزّت ووقار میں بھی اضافہ ہوتا ہے، اہلِ خانہ پردے اور لباس وغیرہ کو درست کرلیتے ہیں، علاوہ ازیں کسی کی پرسنل لائف (Personal life) میں، کسی بھی نَوعیت کی مُداخلت سے قبل اجازت لینا، شُکوک وشُبہات کو ختم کرنے کا بھی مؤثِر ذریعہ ہے، اللہ رب العالمین ہمیں اَحکامِ شریعت کی پاسداری کرنے کی توفیق دے، آمین!۔

دعا

اے اللہ ! ہمیں لوگوں کے گھروں میں جھانکنے ، اور انہیں تکلیف دینے سے محفوظ فرما، گھر وغیرہ میں آنے جانے کے آداب اور اجازت لینے کے اَحکام پر عمل کی توفیق عطا فرما، کسی کی غیبت یا جاسوسی کرنے ، اور ٹوہ میں لگنے سے محفوظ فرما، آمین یا ربّ العالمین !۔

حجِ بیت اللہ اور حاضریٔ بارگاہِ اقدس ﷺ

(جمعۃ المبارک ۳ ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ - ۲۴/۷/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلهِ وصحبهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلهِ وصَحبهِ أجمعين.

حج بیت اللہ کی تیاری

عزیز دوستو! زیارتِ حرمین شریفین کی تمنّا وشوق ہر مسلمان کے دل میں مَوجزن رہتا ہے، بعض لوگ استطاعت نہ ہونے کے باعث انتظار ہی میں رہتے ہیں۔ جسے استطاعت ہو اُس پر لازم وضروری ہے، کہ حج بیت اللہ کی تیاری میں کوشاں رہے، فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾[1] "اللہ تعالی کی خاطر لوگوں پر اِس گھر (بیت اللہ) کا حج ادا کرنا فرض ہے، جو وہاں تک جانے پر قادر ہو!"۔

مسئلہ: اس آیتِ مبارکہ میں حج کی فرضیت کا بیان ہے، اور اس بات کا کہ اس کے لیے استطاعت شرط ہے۔ حدیث شریف میں سیّدِ عالَم ﷺ نے اس کی

---

(١) پ٤، آل عمران: ٩٧.

تفسیر، زاد وراحلہ سے فرمائی، زاد یعنی توشہ، کھانے پینے کا انتظام اس قدر ہونا چاہیے، کہ جاکر واپس آنے تک کے لیے کافی ہو، اور یہ واپسی کے وقت تک اہل وعِیال کے نفقہ کے علاوہ ہونا چاہیے، راستے کا امن واَمان بھی ضروری ہے؛ کیونکہ بغیر اس کے استطاعت ثابت نہیں ہوتی(۱)۔

لہٰذا ہم میں سے ہر ایک اس کوشش ولگن میں رہے، کہ کسی طرح حجِ بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوجائے، سچی لگن کی برکت سے، ایک نہ ایک دن ضرور حاضری ہو ہی جائے گی، ان شاء اللہ!۔

حج کی فرضیت کا اعلان

عزیزانِ محترم! خالقِ کائنات جَلَّ جَلالُہ کے عطاکردہ مبارک ایّام میں سے، حج کے دن بھی نہایت اہم ہیں، ان ایّام میں ربِ کائنات جَلَّ جَلالُہ نے ہمارے لیے بھلائی کے مَواقع مہیا فرمائے ہیں، کہ ہم ان مبارک لمحات میں زیادہ سے زیادہ آخرت کا سامان کرسکتے ہیں، لہٰذا ہم میں سے ہر ایک کو فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے، ہر وقت تیار ومستعد رہنا چاہیے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ﴾(۲) "لوگوں میں حج کی عام ندا کردو! وہ تمہارے پاس پیدل بھی

(۱) "تفسیر خزائن العرفان" پ۴، آل عمران، زیرِ آیت: ۹۷، صـ۱۱۲، ۱۰۹۹۔
(۲) پ۱۷، الحج: ۲۷- ۲۹.

حاضر ہوں گے، اور ہر دُبلی اُونٹنی پر بھی، دُور دراز کی تمام راہوں سے آئیں گے؛ تاکہ وہ اپنا فائدہ پائیں، اور مقرّرہ دنوں میں اللہ کا نام لیں، اس بات پر کہ اللہ تعالی نے انہیں روزی دی، بے زبان چوپایوں کی صورت میں، تواِن میں سے تم خود بھی کھاؤ، اور مصیبت زدہ محتاجوں کو بھی کھلاؤ، پھر اپنا میل کچیل دُور کریں، اپنی منتیں پوری کریں، اور اس آزاد گھر (خانۂ کعبہ) کا طواف کریں"۔

مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ "حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے جبلِ ابی قبیس پر کھڑے ہوکر، چاروں طرف آواز دی کہ "اے اللہ کے بندو! اللہ کے گھر کی طرف آؤ!" آپ کی اس دعوت کو قیامت تک پیدا ہونے والوں نے سُن لیا، اور سن کر جس نے جتنی بار "لبَّيك" کہا، وہ اتنی بار حج ادا کرے گا، اور جو رُوح خاموش رہی وہ حج نہ کرسکے گی۔ اس آیتِ مبارکہ میں نبیٔ کریم ﷺ کو بھی حکم ہے، کہ آپ لوگوں میں حج کی فرضیت کا اعلان فرما دیجیے"[1]۔

حجِ اکبر

اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ رَسُوْلُهٗ﴾[2] "اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن مُنادی پکار دینا ہے، کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہیں!"۔ اس آیتِ مبارکہ میں "حج کو حجِ اکبر فرمایا؛ اس لیے کہ اُس زمانہ میں عمرہ کو حجِ اصغر کہا جاتا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس حج کو حجِ اکبر اس لیے کہا گیا، کہ اس سال

(۱) "تفسیر نور العرفان" پ۱۷، الحج، زیرِ آیت: ۲۷، ص۵۳۴، ملخصًا۔

(۲) پ۱۰، التوبة: ۳.

رسولِ کریم ﷺ نے حج فرمایا تھا، اور چونکہ یہ جمعہ کے دن واقع ہوا تھا، لہذا مسلمان اس حج کو جو روزِ جمعہ واقع ہو، حجِ وَداع کی یادگار جان کر "حجِ اکبر" کہتے ہیں"[1]۔

فضائلِ حج

عزیزانِ گرامی قدر! جو مسلمان حج کرتا ہے، اللہ تعالی اس کے سارے گناہ مُعاف فرما کر، اسے گناہوں سے بالکل پاک وصاف فرما دیتا ہے، حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، مصطفی جانِ رَحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: «مَنْ حَجَّ لله فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»[2] "جس نے اللہ تعالی کی رضا کی خاطر حج کیا، اور اس میں کوئی فحش وگناہ کا کام نہیں کیا، وہ گناہوں سے اَیسا پاک ہو کر لَوٹے گا، جیسا اُس دن تھا جس دن اپنی ماں سے پیدا ہوا تھا"۔ محدثینِ کرام فرماتے ہیں کہ "حجِ مبرور (مقبول) کی علامت یہ ہے، کہ دَورانِ حج حاجی کسی سے لڑائی جھگڑا نہ کرے، نہ کسی کو گالی دے، نہ کسی گناہ کا اِرتکاب کرے"[3]۔

محترم بھائیو! مصطفی جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «العُمْرَةُ إِلَى العُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالحَجُّ المَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الجَنَّةُ»[4] "دو۲ عمروں کے درمیان کیے گئے گناہ مٹا دیے جاتے ہیں، اور حجِ مبرور کا ثواب جنّت ہی ہے"۔

---

(۱) "تفسیر خزائن العرفان" پ۱۰، التوبۃ، زیرِ آیت: ۳، صـ۳۴۳۔

(٢) "صحيح البخاري" كتاب الحج، ر: ١٥٢١، صـ٢٧٤.

(۳) "نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری" ۴/۲٦۵۔

(٤) "صحيح البخاري" باب وجوب العمرة وفضلها، ر: ١٧٧٣، صـ٢٨٥.

نیز رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «تَابِعُوا بَيْنَ الحَجِّ وَالعُمْرَةِ؛ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الفَقْرَ وَالذُّنُوبَ، كَمَا يَنْفِي الكِيرُ خَبَثَ الحَدِيدِ وَالذَّهَبِ وَالفِضَّةِ»[1] "حج وعمرہ کرتے رہا کرو؛ کہ یہ محتاجی اور گناہوں کو ایسا دُور کرتے ہیں، جیسے بھٹّی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کو دُور کر دیتی ہے"۔

میرے پیارے بھائیو! مصطفی جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «الْحَاجُّ يَشْفَعُ فِي أَرْبَعِمِئَةِ أَهْلِ بَيْتٍ» یا فرمایا: «مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ، وَيَخْرُجُ مِنْ ذُنُوبِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ»[2] "حاجی اپنے گھر والوں میں سے، چار سو اَفراد کی شَفاعت کرے گا، اور وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے گا، گویا آج ہی اپنی ماں سے پیدا ہوا ہو"۔

جانِ برادر! تاجدارِ ختمِ نبوّت ﷺ نے فرمایا: «يُغْفَرُ لِلْحَاجِّ، وَلِمَنِ اسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَاجُّ»[3] "حاجی کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں، اور جس کے لیے حاجی استغفار کرے اُس کی بھی مغفرت کر دی جاتی ہے"۔

عزیزانِ محترم! اگر کسی پر حج فرض ہے، تو اسے چاہیے کہ اس سفر کے اِخراجات کے لیے، مالِ حلال ہی استعمال کرے، رشوت وغیرہ حرام مال اس میں صَرف کرنا حرام ہے، نیز وہ حج قابلِ قبول بھی نہیں، اگرچہ ذمّہ سے فرض ساقط ہو جائے گا؛ کہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا: «إِذَا قَالَ المُلَبِّي: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ! وَعِنْدَهُ مَالٌ حَرَامٌ، قِيلَ لَهُ: لَا لَبَّيْكَ وَلَا سَعْدَيْكَ! حَتَّى تَرُدَّ مَا فِي

---

(١) "سنن الترمذي" باب ما جاء في ثواب الحج...، ر: ٨١٠، صـ٢٠٢.

(٢) "مسند البزّار" مسند أبي موسى رضي الله تعالى عنه، ر: ٣١٩٦، ٨/ ١٦٩.

(٣) المرجع نفسه، مسند أبي حمزة أنس بن مالك، ر: ٩٧٢٦، ١٧/ ١٣٥.

يَدَيْكَ!»[1] "جو مالِ حرام لے کر حج کو جاتا ہے، جب وہ لبیک کہتا ہے، تو فرشتہ اسے جواب دیتا ہے، کہ نہ تیری حاضری قبول، نہ تیری خدمت مقبول، اور تیرا حج تیرے منہ پر مردود، جب تک تو یہ حرام مال جو تیرے ہاتھ میں ہے، صاحبِ حق کو واپس لَوٹا نہ دے!"۔ اس کے لیے چارۂ کار یہ ہے، کہ اگر مالِ حرام کے علاوہ کچھ مال نہیں، تو قرض لے کر فرض ادا کرے[2]۔

حج کی اقسام اور نیتوں کا بیان

میرے پیارے بھائیو! حج تین ۳ طرح کا ہوتا ہے:

حجِ اِفراد

(۱) ایک یہ کہ صرف حج کرے، اسے اِفراد کہتے ہیں۔ اس میں سلے ہوئے کپڑے اتار کر اِحرام باندھے، پھر دو ۲ رکعت نفل پڑھے اور اس کے بعد یوں کہے: "الٰہی! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں، تو اِسے میرے لیے آسان کردے، اور اسے مجھ سے قبول فرما! میں نے خاص اللہ تعالی کے لیے حج کی نیّت کی"[3]۔

حجِ تمتُّع

(۲) دوسرا یہ کہ وطن سے صرف عمرے کی نیّت کر کے چلے، وہاں پہنچ کر عمرہ ادا کر کے اِحرام کھول دے، اور پھر مکّہ معظمہ سے حج کا اِحرام باندھے۔ اسے تمتع کہتے ہیں، اس میں اِحرام کے دو ۲ رکعت نفل کے بعد یوں کہے: "الٰہی! میں عمرہ کا ارادہ کرتا

---

(۱) "بحر الفوائد المشهور بمعاني الأخبار" حديثٌ آخَر، صـ٣٦٦.
(۲) "فتاوی رضویہ" "کتاب الحج، شرائطِ حج، ۵۴۹/۸، ملخصًا۔
(۳) "المسلَك المتقسّط" باب الإحرام، فصل، صـ٩٩، ١٠٠.

ہوں، تو اِسے میرے لیے آسان کر دے، اور اسے مجھ سے قبول فرما! میں نے خاص اللہ تعالی کے لیے عمرہ کی نیّت کی"[1]۔ اور پھر ایامِ حج میں وہیں مکہ مکرمہ سے حج کا اِحرام باندھے، اور احرام کے دو ۲ رکعت نفل کے بعد حج کی نیّت کرے!۔

حجِ قِران

(۳) تیسرا یہ کہ حج وعمرہ کی نیّت ایک ساتھ ایک اِحرام میں، وطن ہی سے کرلے، اور یہ سب سے افضل ہے، اسے قِران کہتے ہیں۔ اس میں بعد سلام نفلِ اِحرام یوں کہے: "الٰہی! میں حج وعمرہ کا ارادہ کرتا ہوں، تو انہیں میرے لیے آسان کر دے، اور انہیں مجھ سے قبول فرما! میں نے خاص اللہ تعالی کے لیے حج وعمرہ کی نیّت کی"[2]۔

لَبَّيْكَ

تینوں صورتوں میں اس نیّت کے بعد لبیک بآوازِ بلند کہے، لبیک یہ ہے:

"لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ! لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ! إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ! لَا شَرِيْكَ لَكَ"[3].

جانِ برادار! صدرُ الشریعہ حضرت علّامہ مفتی امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالی، حج وعمرہ کے سفر کے آداب میں لکھتے ہیں کہ "(۱) جس کا قرض لیا ہو، یا امانت پاس ہو ادا کر دے، جن کے مال ناحق لیے ہوں واپس کر دے، اگر پتا نہ چلے تو اُتنا مال فقیروں کو دے دے۔ (۲) جس کی بے اجازت سفر مکروہ ہے، جیسے ماں، باپ، شَوہر، انہیں راضی کرے۔ (۳) اس سفر

---

(۱) المرجع نفسه، صـ١٠١.

(۲) المرجع السابق.

(۳) المرجع السابق، صـ١٠٠.

سے مقصود صرف اللہ تعالی اور رسول ﷺ ہوں، رِیا، شُہرت اور فخر وغرور سے جُدا رہے۔(۴) عورت کے ساتھ جب تک شَوہر، یامحرم بالغ قابلِ اطمینان نہ ہو، جس سے نکاح ہمیشہ کو حرام ہے، سفر حرام ہے، اگر کرے گی توحج ہو جائے گا، مگر ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا۔(۵) توشہ یعنی خرچ مالِ حلال سے لے، ورنہ قبولِ حج کی امید نہیں"[1]۔

عزیزانِ گرامی قدر! اسی طرح موجودہ حالات کے پیشِ نظر یہ بات بھی ملحوظ رہے، کہ وطنِ عزیز کے ظالم حکمرانوں نے، ماضی میں دیگر مُعاملات کے ساتھ ساتھ، نظامِ حج میں بھی، بے ایمانی اور کرپشن (Corruption) کے کیسے کیسے کرتب وکارنامے دکھائے ہیں، اور کس کس اندازِ فنکاری سے حُجاج کرام کو اَذیت پہنچائی ہے۔ لہذا سابقہ تجربات سے سبق حاصل کرتے ہوئے، آئندہ کے لیے لائحہ عمل طے کریں، اور سفرِ حج میں ایسے لوگوں کی صحبت کا انتخاب کریں، جو دِینی اور دُنیاوی اعتبار سے انتہائی ایماندار بھی ہوں اور امانتدار بھی، نیز خدمتِ قوم کے جذبہ سے بھی سرشار ہوں۔

حج کے اَحکام وآداب

برادرانِ محترم! حالتِ اِحرام میں شکار کرنا حرام ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ﴾[2] "جب تم اِحرام میں ہو تو شکار حلال نہ سمجھو!"۔ ہر محرِم پر لازم ہے کہ حج کے دَوران اچھے اَخلاق کا مُظاہرہ کرے، کمزور اور خواتین کا خیال رکھے، نیز راستے میں کچرا وگندگی پھیلانے، اور کسی کو تکلیف پہنچانے، یاکسی کے آرام میں خلل ڈالنے سے بچنا بھی بہت ضروری ہے۔

---

(۱) "بہارِ شریعت" حج کا بیان، آدابِ سفر ومقدّمات حج کا بیان، حصّہ ٦، ١/١٠٥١۔

(٢) پ٦، المائدة: ١.

طواف

اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں: «أَنَّ أَوَّلَ شَيْءٍ بَدَأَ بِهِ حِينَ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ، أَنَّهُ تَوَضَّأَ ثُمَّ طَافَ»[1] "جب نبئ کریم ﷺ مکّہ مکرمہ میں تشریف لائے، سب کاموں سے پہلے وضوکر کے طواف کیا"۔

حضرت سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے: «أَنَّ رَسُولَ الله ﷺ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهُ، ثُمَّ مَشَى عَلَى يَمِينِهِ، فَرَمَلَ ثَلَاثاً وَمَشَى أَرْبَعاً»[2] "رسول اللہ ﷺ جب مکّہ مکرمہ تشریف لائے تو حجرِ اَسوَد کے پاس آکر اُسے بوسہ دیا، پھر دہنے ہاتھ کو چلے، اور ابتدائی تین ۳ پھیروں میں رَمَل کیا، اور باقی چار ۴ میں معمول کے مطابق چلے"۔

مقامِ ابراہیم

مقامِ ابراہیم وہ پتھر ہے، جس پر حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کعبہ شریف کی تعمیر کے وقت کھڑے ہوتے تھے، اور اس میں آپ کے قدموں کے نشان نقش ہو گئے، جو باوُجود طویل زمانہ گزرنے، اور بکثرت ہاتھوں سے مَس ہونے کے، اب تک موجود ہیں۔ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيمَ﴾[3] "اس میں کھلی نشانیاں ہیں: ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ"۔

ان نشانیوں میں سے بعض یہ ہیں، کہ وُحوش ایک دوسرے کو حرم میں اِیذاء

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الحج، ر: ١٦١٤، صـ٢٦١.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الحج، ر: ٢٩٥٣، صـ٥١٧.

(۳) پ٤، آل عمران: ٩٧.

نہیں دیتے، حتیٰ کہ کتّے اس سرزمین میں ہرن پر نہیں دَوڑتے، اور وہاں شکار نہیں کرتے، اور لوگوں کے دل کعبہ معظّمہ کے لیے اس قدر بے تاب ہوتے ہیں، کہ صرف اس کی طرف نظر کرنے سے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، ہر شبِ جمعہ اَرواحِ اَولیاء اس مبارک گھر کے گرد حاضر ہوتی ہیں۔ اور جو کوئی اس کی بے حرمتی کا قصد کرتا ہے برباد ہو جاتا ہے، انہیں نشانیوں میں سے مقامِ ابراہیم وغیرہ وہ چیزیں بھی ہیں، جن کا آیتِ مبارکہ میں بیان فرمایا گیا[1]۔

ایک اَور جگہ اسی مقامِ ابراہیم کے بارے میں ارشاد ہوا: ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾[2] "ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ!" "اس کو نماز کا مقام بنانے کا حکم استحباب کے لیے ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس نماز سے طواف کی دو ۲ رکعتیں مراد ہیں"[3] جو طواف کے بعد بطورِ شکرانہ ادا کی جاتی ہیں۔

حج یا عمرہ میں سعی (یعنی صفا و مروہ کے درمیان دَوڑنا)

عزیزانِ محترم! صفا و مروہ مکّہ مکرّمہ کے دو ۲ پہاڑ ہیں، جو کعبۂ معظّمہ کے مقابل جانبِ شرق واقع ہیں، مروہ شمال کی طرف مائل، اور صفا جنوب کی طرف جبلِ ابی قُبیس کے دامن میں ہے۔ حضرت سیّدہ ہاجرہ اور حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام نے ان دونوں پہاڑوں کے قریب، اس مقام پر جہاں زَمزَم کا کنواں ہے، بحکمِ الٰہی

---

(١) "تفسير المدارك" پ٤، آل عمران، تحت الآية: ٩٧، ١/ ٢٧٥، ٢٧٦.
"تفسير الخازن" پ٤، آل عمران، تحت الآية: ٩٧، ١/ ٢٧٢، ملخصاً.
(٢) پ١، البقرة: ١٢٥.
(٣) "تفسیر خزائن العرفان" پ۱، البقرۃ، زیرِ آیت: ۱۲۵، ص۴۲، ملخصًا۔

سکونت اختیار فرمائی۔ اس وقت یہ مقام سنگلاخ بیابان (پتھریلا صحرا) تھا، نہ یہاں سبزہ تھا نہ پانی، نہ خورد ونوش کا کوئی سامان، رِضائے الٰہی کی خاطر اُن مقبول بندوں نے صبر کیا، حضرت سیّدنا اسماعیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ابھی بہت کم سن تھے، تشنگی کے باعث جب ان کی حالت غیر ہونے لگی، تو حضرت ہاجرہ بے تاب ہوکر کوہِ صفا پر تشریف لے گئیں؛ کہ کہیں دُور تک پانی کے آثار نظر آجائیں، مگر وہاں سے بھی پانی کا کوئی اثر نہ پایا، تو اُتر کر نشیب کے میدان میں دَوڑتی ہوئی مروہ تک پہنچیں، اس طرح سات ۷ مرتبہ گردش ہوئی، تب اللہ تعالی نے ﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾[1] کا جلوہ اس طرح ظاہر فرمایا، کہ غیب سے ایک چشمہ زَمزَم نمودار کیا، اور ان کے صبر واِخلاص کی برکت سے ان کے اتّباع میں، ان دونوں پہاڑوں کے درمیان دَوڑنے والوں کو مقبولِ بارگاہ کیا، اور ان دونوں کو محلِّ اِجابتِ دعا بنایا!۔

زمانۂ جاہلیت میں صفا ومروہ پر دو ۲ بُت رکھے تھے، صفا پر جو بُت تھا اس کا نام اساف، اور جو مروہ پر تھا اس کا نام نائلہ تھا، کفّار جب صفا ومروہ کے درمیان سعی کرتے، تو ان بُتوں پر تعظیمًا ہاتھ پھیرتے، عہدِ اسلام میں بُت تو توڑ دیے گئے، لیکن چونکہ کفّار یہاں مشرکانہ فعل کرتے تھے، لہٰذا مسلمانوں کو صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا گراں ہوا؛ کہ اس میں کفّار کے مشرکانہ فعل کے ساتھ کچھ مُشابہت ہے[2]۔

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِہِمَا﴾[3] "یقینًا صفا

---

(۱) پ۲، البقرة: ۱۵۳.

(۲) "خزائن العرفان" پ۲، البقرة، زیرِ آیت: ۱۵۸، ص۴۳، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶۔

(۳) پ۲، البقرة: ۱۵۸.

اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، تو جو اِس گھر کا حج یا عمرہ کرے، اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے پھیرے کرے"۔ اس سے مسلمانوں کو اطمینان دلایا گیا، کہ چونکہ تمہاری نیّت خالص عبادتِ الٰہی کی ہے، لہذا تمہیں کفّار سے مُشابہت کا اندیشہ نہیں، اور جس طرح کعبہ کے اندر زمانۂ جاہلیت میں کفّار نے بُت رکھے تھے، اب عہدِ اسلام میں بُت اٹھا دیے گئے، اور کعبہ شریف کا طواف درست رہا، اور وہ شعائرِ دین میں سے رہا، اسی طرح کفّار کی بُت پرستی سے صفا و مروہ کے شعائرِ دین ہونے میں کچھ فرق نہیں آیا۔

مسئلہ: سعی (یعنی صفا و مروہ کے درمیان دَوڑنا) واجب ہے، حدیثِ پاک سے ثابت ہے کہ سیّدِ عالم ﷺ نے اس پر مُداوَمت (ہمیشگی) اختیار فرمائی ہے، اس کے ترک سے دم دینا، یعنی قربانی واجب ہوتی ہے۔

مسئلہ: صفا و مروہ کے درمیان سعی، حج و عمرہ دونوں میں لازم ہے۔

مسئلہ: عمرہ ادا کرنے والا، اگر بیرونِ مکّہ سے آئے، تو اسے براہِ راست مکّہ مکرّمہ آکر طواف کرنا چاہیے، اور اگر مکہ شریف کا رہنے والا ہو، تو اسے چاہیے کہ حدودِ حرم سے باہر جائے، اور وہاں سے طوافِ کعبہ کا اِحرام باندھ کر آئے [۱]۔

حج و عمرہ میں ایک فرق یہ بھی ہے، کہ حج سال میں ایک ہی بار ہوسکتا ہے؛ کیونکہ عرَفات میں عرَفہ کے دن، یعنی نویں ۹ ذی الحجہ کو جانا، جو حج میں فرض ہے، سال میں ایک ہی بار ممکن ہے، اور عمرہ ہر دن ہوسکتا ہے، اس کے لیے کوئی وقت معیّن نہیں [۲]۔

---

(۱) "خزائن العرفان" پ ۲، البقرہ، زیرِ آیت: ۱۵۸، ص۱۰۹۶۔

(۲) "بہارِ شریعت" حج کا بیان، حج کے فرائض، حصّہ ۶، ۱/ ۱۰۴۷، ملخصًا۔

زیارتِ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

میرے بزرگو ودوستو! زیارتِ سراپا طہارت، حضور پُرنور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بالقطع والیقین، باجماعِ مسلمین، افضل قُربات واعظم حَسنات سے ہے، جس کی فضیلت وخُوبی کا انکار، گمراہ بددِین، یا کوئی سخت جاہل، سَفیہ غافل، مسخرۂ شیاطین ہی کرے گا، والعیاذ باللہ ربّ العالمین!۔

عزیز دوستو! اس قدر پر تو اِجماعِ قطعی قائم ہے، اور کیوں نہ ہو؟ کہ خود قرآنِ عظیم اس کی طرف بُلاتا، اور مسلمانوں کو رغبت دلاتا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾(١) "اگر وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں، اے حبیب! آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں، پھر خدا سے مغفرت مانگیں، اور ان کے لیے رسول مغفرت چاہے، تو یقیناً اللہ عزّوجلّ کو خوب توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے"۔

حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: «مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ فَلَمْ يَزُرْنِيْ، فَقَدْ جَفَانِيْ!»(٢) "جو حج کرے اور میری زیارت کو حاضر نہ ہو، اُس نے مجھ سے بے وفائی کی!"۔

امام ابنِ عساکر نے حضرت سیّدنا انَس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی، کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: «مَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أُمَّتِيْ لَهُ سعةٌ، ثُمَّ لَمْ يَزُرْنِيْ، فَلَيْسَ لَهُ عُذْرٌ!»(٣) "میرا جو اُمّتی باوصفِ قدرت میری زیارت کو حاضر

---

(١) پ٥: النساء: ٦٤.

(٢) "الكامل" لابن عدي، تحت ر: ١٩٥٦- النعمان بن شبل، ٨/ ٢٤٨.

(٣) "إتحاف الزائر وإطراف المقيم للسّائر" فصل ويتعلّق بالزيارة، صـ٢٨.

نہ ہو، اس کے لیے کوئی عُذر نہیں!"۔

حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کے آداب

عزیزانِ گرامی قدر! "حضرت سیّدنا انَس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے، تو ایسے اِنہماک سے مؤدّب کھڑے ہوتے، کہ دیکھنے والوں کو شُبہ ہوتا، کہ شاید وہ نماز پڑھ رہے ہیں"[۱]۔

برادرانِ اسلام! مَناسکِ حج وزیارتِ رسولِ اکرم ﷺ کے آداب پر مشتمل کتاب "لُباب" میں ہے کہ "حجِ نفل میں زیارتِ قبرِ اطہر المصطفی ﷺ ضرور کرنی چاہیے، حج اگر فرض ہو تو پہلے حج ادا کرے، لیکن اگر مدینہ طیّبہ راستے میں ہو، تو پہلے زیارتِ اقدس سے مشرّف ہو"[۲]۔

امامِ اہلِ سنّت، مجدّدِ دین وملّت، امام احمد رضا محدّثِ بریلوی رحمہ اللہ تعالی نے آدابِ زیارت میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ "خبردار! جالی شریف کو بوسہ دینے، یا ہاتھ لگانے سے بچو! کہ یہ خلافِ ادب ہے، بلکہ چار ۴ ہاتھ کے فاصلہ سے زیادہ قریب نہ جاؤ! یہ اُن کی رحمت کیا کم ہے، کہ تم کو اپنے حضور بُلایا! اور اپنے مُواجَہہ اقدس میں جگہ بخشی! ان کی نگاہِ کریم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی، اَب خصوصیت اور اِس درجہ قُرب کے ساتھ ہے!"[۳] ؏

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو! کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو![۴]

---

(۱) "الشِّفا" فصل في حكم زيارة قبره ﷺ، الجزء۲، صـ۵۵.

(۲) انظر: "المسلَك المتقسّط" باب زيارة سيِّد المرسلين، صـ۵۰۳.

(۳) "فتاوی رضویہ" کتاب الحج، باب الجنایات، رسالہ "انور البشارۃ" ۶۰۲/۸۔

(۴) "حدائقِ بخشش" حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو، صـ۱۲۷۔

دعا

اے اللہ ! ہمیں حج کی سعادت عطا فرما، اور بارگاہِ اقدس ﷺ کی باادب حاضری نصیب فرما! ہر نیک کام میں اِخلاص کی دَولت عطا فرما، تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرما، بخل وکنجوسی سے محفوظ فرما، اور غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین !۔

قربانی کے فضائل ومسائل

(جمعۃ المبارک ۲ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ- ۲۴/۷/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلِه وصحبِه أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ بالله مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلِه وصَحبِه أجمعين.

قربانی

عزیزانِ گرامی قدر! اللہ تعالی نے جن واِنس کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا، ان عبادات میں سے کچھ فرض ہیں اور کچھ واجب، مگر دونوں ہی ضروری ہیں۔ بعض کا تعلّق انسان کے بدن سے ہے، اور بعض کا اس کے مال سے۔ جو عبادات بدن سے متعلق ہیں وہ بدَنیہ کہلاتی ہیں، اور جن کا تعلق مال سے ہے وہ عباداتِ مالیہ کہلاتی ہیں۔ مالی عبادات میں سے ایک عظیم عبادت قربانی بھی ہے۔ قربانی کا مفہوم بہت وسیع ہے، لیکن ہم یہاں صرف اس قربانی کے ضروری فضائل ومسائل کا ذکر کریں گے، جو عید الاضحیٰ کے موقع پر کی جاتی ہے۔

قربانی کا معنی

علّامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں: "القربان" سے مراد ہر وہ چیز ہے، جس کے ذریعے اللہ تعالی کا قُرب حاصل کیا جائے۔ اور عُرف میں قربان بمعنی "نَسیکۃ" یعنی "ذبیحہ" کے استعمال ہوتا ہے"[1]۔

قربانی کا آغاز

عزیزانِ محترم! تخلیقِ انسانیت کے آغاز ہی سے، انسان میں قربانی کا جذبہ کار فرما ہے، قرآنِ مجید میں حضرت سیّدنا آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے دو ۲ بیٹوں کی قربانی کا واقعہ موجود ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَ لَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾[2] "جب دونوں نے ایک ایک نیاز (قربانی) پیش کی، تو ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نا قبول ہوئی، (ایک دوسرے سے) بولا: قسم ہے میں تجھے قتل کر دوں گا! (دوسرے نے) کہا کہ جو خوفِ خدا والے ہیں، اللہ انہی سے قبول کرتا ہے"۔ مطلب یہ کہ قربانی کا قبول کرنا اللہ تعالی کا کام ہے، اور وہ اہلِ تقوی کی قربانی قبول فرماتا ہے۔

اللہ ربّ العالمین کی رضا وخوشنودی کی خاطر عملِ صالح

میرے محترم بھائیو! یہ بات بہت ضروری ہے، کہ ہر نیک کام اللہ ربّ العالمین کی رضا وخوشنودی کی خاطر انجام دیا جائے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾[3] "اے حبیب

(۱) "مفردات ألفاظ القرآن" القاف، صـ٤١٤، ٤١٥.
(۲) پ٦، المائدة: ٢٧.
(۳) پ٨، الأنعام: ١٦٢.

آپ فرما دیجیے !کہ یقیناً میری نماز، میری قربانیاں، میرا جینا اور میرا مرنا، سب اللہ کے لیے ہے، جو سارے جہان کا ربّ ہے"۔

قربانی ہر امّت کے لیے مقرّر فرمائی گئی

عزیز ہم وطنو! ایمان والی پچھلی امّتوں میں بھی قربانی رائج تھی، اللہ عزّوجلّ کا ارشادِ گرامی ہے: ﴿ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا ﴾[1] "ہر امّت کے لیے ہم نے ایک قربانی مقرّر فرمائی"۔

ربِ کریم کو جانوروں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے

خالقِ کائنات جلّ جلالہ ہماری قربانیوں سے متعلق ارشاد فرماتا ہے: ﴿ لَنْ يَّنَالَ اللهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ﴾[2] "اللہ تعالی کو ہرگز نہ اِن کے گوشت پہنچتے ہیں نہ اِن کے خون، ہاں تمہاری پرہیزگاری اللہ تک باریاب ہوتی ہے"۔ یعنی ربِ کریم جلّ جلالہ کو ان جانوروں کے گوشت اور خون کی قطعًا حاجت نہیں، وہ تو صرف یہ دیکھتا ہے کہ تمہارے دلوں میں کس قدر اُس کا خوف اور تقویٰ موجود ہے! اِطاعت وفرمانبرداری کے کتنے جذبات مَوجزن ہیں!۔

اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو نانِ شبینہ کے محتاج ہیں، لیکن ان کا جی چاہتا ہے کہ کاش! ہمارے پاس بھی وسائل ہوتے، تو ہم اللہ عزّوجلّ کی راہ میں قربانیاں پیش کرتے۔ ممکن ہے کہ ان لوگوں کو قربانی نہ کرنے کے باوُجود، محض حسنِ نیّت کا ثواب مل جائے، جو رِیاکاری والی قربانی سے کبھی میسّر نہ آئے!۔

---

(۱) پ۱۷، الحجّ: ۳٤.

(۲) پ۱۷، الحجّ: ۳۷.

قربانی کا حکم

یاد رہے کہ قربانی کرنا بہت ہی پیاری سنّت، اور ایک ایسی عبادت ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے پیارے نبی حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی جان کے فِدیہ میں ذبیحہ دے کر، لوگوں کے لیے اس کو مقرّر فرمادیا۔ حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے جب اپنے رب تعالی سے نیک اولاد کی دعا کی، تو اللہ تعالی نے انہیں حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی صورت میں بیٹا عطا فرمایا، اور پھر انہیں ذبح کرنے کا حکم دے کر امتحان لیا، حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام جو اپنے رب تعالی کے ہر حکم کو تسلیم کرتے رہے، یہاں تک کہ اپنے پیارے بیٹے کو ذبح کے لیے بھی پیش کر دیا، جبکہ یہ بیٹا آپ کو بڑھاپے میں عطا کیا گیا، اور وہ اس وقت تک آپ کے اکلوتے بیٹے تھے، یہ سب کچھ بیٹے کی محبت پر اللہ تعالی کی محبت کو ترجیح دینے کے سبب ہوا۔

اللہ تعالی نے ان کی اس نیکی کا بدلہ یہ عطا فرمایا، کہ ان کے بیٹے کے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ بھیج دیا، اس واقعہ کو اللہ تعالی نے یوں بیان فرمایا: ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰۰ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ۝۱۰۱ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْۤ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ؗ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۰۲ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝۱۰۳ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝۱۰۴ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۰۵ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝۱۰۶ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴾[1]۔

"ان (ابراہیم) نے کہا: الٰہی مجھے لائق اولاد دے! تو ہم نے اسے ایک عقلمند لڑکے کی خوشخبری سنائی، پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا، تو اس نے کہا

(۱) پ۲۳، الصّٰفّٰت: ۱۰۰-۱۰۷.

کہ اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا کہ میں تمہیں ذَبح کر رہا ہوں، اب تم دیکھ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ (بیٹے نے جواب میں) کہا کہ اے میرے والد! آپ کو جس بات کا حکم ہوتا ہے آپ وہ کیجیے! اللہ نے چاہا تو عنقریب آپ مجھے صابر پائیں گے! تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی، اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا، اس وقت کا حال مت پوچھو! اور ہم نے اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم! یقیناً تم نے خواب سچ کر دکھایا، ہم نیکوں کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں، یقیناً یہ رَوشن امتحان تھا، اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اُس کے فدیہ میں دے کر اُسے بچالیا"۔

ہر دَور میں قربانی کا یہ سلسلہ چلتا رہا، حتی کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی قربانی کا رَواج رہا، مگر ان کا طریقۂ کار یہ تھا کہ جانور ذَبح کرنے کے بعد، اس کا خون کعبۂ معظّمہ کی دیواروں پر لگا دیتے، اور گوشت بتوں کے سامنے اکٹھا کر دیتے تھے، بعد ازاں جب حضور نبئ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، خاتم المرسلین کا تاج سجائے مبعوث ہوئے، تو خالقِ کائنات جل جلالہ نے قربانی کو باقی رکھتے ہوئے، اپنے حبیبِ کریم اور آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی اُمّت کو قربانی کا حکم فرمایا، چنانچہ ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾[1] "توتم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو!"۔

رحمتِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام رضی اللہ تعالی عنہم قربانی کرتے رہے

حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم خود بھی، اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اس پر عمل کرتے ہوئے قربانی کرتے رہے۔ حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: «كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ، وَأَنَا أُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ»[2] "نبئ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دو ۲

---

(۱) پ۳۰، الكوثر: ۲.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الأضاحي، ر: ۵۵۵۳، صـ۹۸۷.

مینڈھے قربان کیا کرتے، اور میں بھی دو ۲ مینڈھے قربان کرتا ہوں"۔

اسی طرح دیگر صحابۂ کرام وتابعینِ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی قربانی کے جانوروں کی پرورش کرکے، انہیں فربہ کرنے کا خاص اہتمام فرماتے، اور پھر انہیں اللہ کی راہ میں قربان کیا کرتے، چنانچہ حضرت سیّدنا ابو اُمامہ بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «كُنَّا نُسَمِّنُ الأُضْحِيَّةَ بِالْمَدِينَةِ، وَكَانَ الْمُسْلِمُونَ يُسَمِّنُونَ»[1] "مدینۂ منوّرہ میں ہم اور دیگر مسلمان بھی، قربانی کے جانوروں کی پرورش کرکے انہیں خوب فربہ کیا کرتے تھے"۔

صاحبِ نصاب مقیم حاجی پر بھی عید الاَضحی کی قربانی واجب ہے

محترم بھائیو! حضرت سیّدہ عائشہ صدّیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے: «فَلَمَّا كُنَّا بِمِنى، أُتِيتُ بِلَحْمِ بَقَرٍ، فَقُلْتُ: مَا هَذَا؟ قَالُوا: ضَحَّى رَسُولُ الله ﷺ عَنْ أَزْوَاجِهِ بِالْبَقَرِ»[2] "جب ہم مِنیٰ میں تھے، تو میرے پاس گائے کا گوشت لایا گیا، میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ جواب ملا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اَزواج کی طرف سے گائے قربان کی ہے"۔ اس حدیثِ پاک سے یہ بات واضح ہوتی ہے، کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کا گائے ذَبح کرنا، عید الاضحیٰ کی قربانی کے لیے تھا"[3] جو کہ صاحبِ نصاب پر حج کی قربانی کے علاوہ ہے۔

گائے اور اونٹ میں سات سات آدمی شریک ہوسکتے ہیں

میرے عزیز ہم وطنو! حضرت سیّدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «اشْتَرَكْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، كُلُّ سَبْعَةٍ فِي بَدَنَةٍ» "حج وعمرہ کے موقع پر، ہم

---

(١) "صحيح البخاري" باب في أضحية النبي ﷺ بكبشين أقرنين، صـ٩٨٧.
(٢) المرجع نفسه، ر: ٥٥٤٨، صـ٩٨٦.
(٣) "فتح الباري" باب الأُضحِية للمسافر والنساء، تحت ر: ٥٥٤٨، ١٠/ ٨.

نبی کریم ﷺ کے ساتھ، فی اونٹ سات ۷ لوگ شریک ہوئے"، کسی نے دریافت کیا کہ کیا گائے میں بھی سات ۷ لوگ شریک ہوسکتے ہیں؟ حضرت سیّدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: «مَا هِيَ إِلَّا مِنَ الْبُدْنِ»(۱) "گائے بھی قربانی کے ڈِیل دار (بڑی جسامت والے، بھاری بھرکم) جانور میں سے ہے"۔ اور صحیح بھی یہی ہے کہ گائے اور اونٹ میں سات سات لوگ شریک ہوسکتے ہیں، اور یہی مسلک جُمہور محدثین اور حنفیہ کا ہے۔

فَوت شدگان کی طرف سے قربانی

عزیزانِ محترم! حضرت سیّدنا حنَش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو ۲ مینڈھوں کی قربانی کی: ایک نبی کریم ﷺ کی طرف سے، اور ایک خود اپنی طرف سے، اور فرمایا: «أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ أُضَحِّيَ عَنْهُ، فَأَنَا أُضَحِّي أَبَداً»(۲) "رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا، کہ میں اُن کی طرف سے قربانی کروں! لہذا میں ہمیشہ اسی طرح قربانی کرتا رہوں گا!"۔ "یہ اس بات پر دلیل ہے، کہ اگر کوئی فَوت شدہ مسلمان کی طرف سے قربانی کرے تو جائز ہے"(۳)۔

قربانی کے جانور کی عمر

عزیز دوستو! حضرت سیّدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، مصطفی جانِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً، إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ، فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً مِنَ الضَّأْنِ»(٤) "دو ۲ دانت والے (اونٹ کی عمر پانچ ۵ سال، گائے کی عمر

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب الحج، ر: ٣١٨٨، صـ٥٥٣.
(٢) "مستدرَك الحاكم" كتاب الأضاحي، ر: ٧٥٥٦، ٧/ ٢٦٩٤.
(٣) "الكاشف عن حقائق السنن" كتاب الصلاة، تحت ر: ١٤٦٢، ٣/ ٢٥٢.
(٤) "صحيح مسلم" باب سنّ الأُضحِية، ر: ٥٠٨٢، صـ٨٧٦.

دو ۲ سال، اور بکرے کی عمر ایک سال یا اس سے زیادہ) کے علاوہ کسی کی قربانی مت کرو! ہاں اگر دشواری ہو تو اس سے کم عمر والے (جو دیکھنے میں ایک سال کا لگتا ہو، صرف اُس) دُنبہ کی قربانی کرلو!"۔

قربانی کے جانور عیب سے پاک ہوں

برادرانِ اسلام! قربانی کرنے والے کے لیے ضروری ہے، کہ جانور اچھا اور بے عیب خریدے، حضور نبئ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: «أَرْبَعَةٌ لَا يَجْزِيْنَ فِي الْأَضَاحِي: (١) الْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا، (٢) وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا، (٣) وَالْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا، (٤) وَالْكَسِيرَةُ الَّتِي لَا تُنْقِي»[1] "چار ۴ قسم کے جانوروں کی قربانی جائز نہیں: (۱) وہ کانا جانور جس کا کاناپَن صاف معلوم ہو، (۲) ایسا بیمار جانور جس کی بیماری ظاہر ہو، (۳) ایسا لنگڑا جانور جس کا لنگڑاپَن صاف معلوم ہو، (۴) اور ایسا کمزور وناتواں جانور، جس کی ہڈیوں میں گُودا نہ رہا ہو"۔

قدرت کے باوُجود قربانی نہ کرنے پر وعید

قابلِ صد احترام بھائیو! حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ، فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا»[2] "جس کے پاس قربانی کرنے کی وسعت وقدرت ہو، پھر بھی وہ قربانی نہ کرے، تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے!"۔ لہٰذا جو لوگ قربانی کی استطاعت رکھنے کے باوُجود قربانی نہیں کرتے، ان کے لیے لمحۂ فکریہ ہے، اوّل یہی نقصان کیا کم

---

(١) "سنن النَّسائي" كتاب الضحايا، ر: ٤٣٧٧، الجزء ٧، صـ٢٢٨.

(٢) "سنن ابن ماجه" باب الأضاحي واجبة هي أم لا؟ ر: ٣١٢٣، صـ٥٣٤.

تھا کہ قربانی نہ کرنے سے اتنے بڑے ثواب، اور عید گاہ میں مسلمانوں کے عظیم اجتماع ودعا سے محروم ہوگئے، مزید یہ کہ وہ گنہگار بھی ہیں۔

صاحبِ نصاب پر ہر سال ایک قربانی ہے

پیارے بھائیو! حضرت سیّدنا مِخنَف بن سُلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، کہ ہم عرفہ میں نبئ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، تب نبئ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «يا أيُّها النَّاسُ! إِنَّ عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ، فِيْ كُلِّ عَامٍ أُضْحِيَّةً»[1] "اے لوگو! گھر کے ہر فرد پر، ہر سال ایک قربانی ہے"، یعنی گھر میں جتنے اَفراد صاحبِ نصاب ہوں گے، ان پر قربانی لازم ہوگی۔

لہذا جو استطاعت رکھتا ہو، مگر اس کے پاس جانور خریدنے کے لیے رقم نہیں، تو حکم یہ ہے کہ "اگر قربانی اُس پر واجب ہے، اور اس وقت اس کے پاس روپیہ نہیں، تو قرض لے کر، یا اپنی کوئی چیز فروخت کرکے قربانی کا جانور حاصل کرے، اور قربانی کرے"[2]۔ یا بڑے جانور یعنی اونٹ، گائے وغیرہ میں حصّہ لے کر شراکت داری کرے۔

نصاب کیا ہے؟

ہر بالغ، مقیم مسلمان، مرد وعورت، مالکِ نصاب پر قربانی واجب ہے۔ مالکِ نصاب ہونے سے مراد یہ ہے، کہ اس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا، یا ساڑھے باوَن تولہ چاندی، یا اتنی مالیت کی رقم، یا اتنی مالیت کا مالِ تجارت، یا اتنی مالیت

(١) "سنن ابن ماجه" باب الأضاحي واجبة هي أم لا؟ ر: ٣١٢٥، صـ٥٣٥.

(٢) "فتاوی امجدیہ" "کتاب الاُضحیہ"، ۳/۳۱۵۔

کا حاجتِ اصلیہ سے زائد سامان ہو، اور اس پر شریعتِ مطہَّرہ کی طرف سے مقرّر کردہ زکات یا فطرہ، یا خود لازم کردہ منّتِ شرعی کی ادائیگی، یا بندوں کا اتنا قرض نہ ہو، جسے ادا کرکے مذکورہ نصاب باقی نہ رہے[1]۔

حاجتِ اصلیہ (ضروریاتِ زندگی) سے مراد

فقہائے کرام فرماتے ہیں، کہ حاجتِ اصلیہ (ضروریاتِ زندگی) سے مراد وہ چیزیں ہیں، جن کی عموماً انسان کو ضرورت رہتی ہے، اور ان کے بغیر گزر اوقات میں شدید تنگی ودُشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسے رہنے کا گھر، پہننے کے کپڑے، خانہ داری کے سامان، سواری، علمِ دین سے متعلق حاجت کی کتابیں، اور پیشے سے متعلق اَوزار وغیرہ[2]۔ اگر "حاجتِ اصلیہ" کی تعریف پیشِ نظر رکھی جائے، تو بخوبی معلوم ہوگا کہ ہمارے گھروں میں بھی کچھ چیزیں ایسی ہیں جو حاجتِ اصلیہ میں داخل نہیں، چنانچہ اگر ان کی قیمت کُل ملاکر ساڑھے باوَن تولہ چاندی کے برابر پہنچ گئی، تو قربانی واجب ہوگئی!۔

قربانی کا ثواب

میرے بزرگو ودوستو! حضرت سیّدنا زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند اصحاب کرام نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ» "تمہارے باپ ابراہیم کی سنّت ہے!" انہوں نے سوال کیا: یا رسولَ اللہ! ان میں ہمارے لیے کیا ثواب ہے؟ رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: «بِكُلِّ شَعَرَةٍ حَسَنَةٌ!» "جانور کے ہر

---

(۱) "بہارِ شریعت" زکات کا بیان، حصّہ ۵، ۸۷۸/۱، ۸۸۰۔ وقربانی، حصّہ پانزدہم ۱۵، ۱۳۲/۴۔

(۲) ایضاً، حصّہ پنجم ۵، ۸۸۰/۱ - ۸۸۱۔

بال کے عوض ایک نیکی ہے!" صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! اُون کے بدلے؟ سرورِ کونین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «بِكُلِّ شَعرَةٍ مِنَ الصُّوفِ حَسَنَةٌ!»[1] "اُون کے بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے!"۔

بہترین قربانی

محترم دوستو! حضرت سیّدنا ابواُمامہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: «خَيرُ الأُضْحِيَّةِ الكَبْشُ»[2] "قربانی کے لیے سب سے بہتر دُنبہ ہے"۔

اللہ تعالی کی بارگاہ میں سب سے محبوب قربانی

جانِ برادر! حضرت سیّدنا ابو اَسوَد انصاری رضی اللہ تعالی عنہ، اپنے ابا جان سے مرفوعًا روایت کرتے ہیں: «أَحَبُّ الضَّحَايَا إِلَى الله، أَعْلَاهَا وَأَسْمَنُهَا»[3] "اللہ تعالی کو سب سے زیادہ، موٹی تازی، اور بلند قامت، یا عمدہ قسم کی قربانی محبوب ہے"۔

قربانی واجب ہونے کی شرائط

"قربانی واجب ہونے کی شرائط یہ ہیں: (۱) اسلام یعنی غیر مسلم پر قربانی واجب نہیں، (۲) اِقامت یعنی مقیم ہونا، لہذا مسافر پر واجب نہیں، (۳) تونگری یعنی مالکِ نصاب ہونا، یہاں مالداری سے مراد وہی ہے جس سے صدقۂ فطر واجب ہوتا ہے، وہ مراد نہیں جس سے زکات واجب ہوتی ہے۔ یعنی قربانی واجب ہونے کے لیے، مال کا

---

(۱) "سنن ابن ماجه" باب ثواب الأضحية، ر: ۳۱۲۷، صـ۵۳۵.

(۲) "سنن الترمذي" باب [خَيرُ الأُضْحِيةِ الكَبْشُ] ر: ۱۵۱۷، صـ۳۶۸.

(۳) "التلخيص الحبير" كتاب الضحايا، مدخل، تحت ر: ۱۹۶۶، ٤/ ۳۵۰.

مالِ نامی ہونا شرط نہیں "[1]، نیز اس مال پر سال گزرنا بھی کوئی ضروری نہیں۔

(۴) حُریت یعنی آزاد ہونا، جو آزاد نہ ہو اُس پر قربانی واجب نہیں؛ کہ غلام کے پاس مال ہی نہیں، لہٰذا عباداتِ مالیہ اُس پر واجب نہیں۔ مرد ہونا اس کے لیے شرط نہیں، عورتوں پر واجب ہوتی ہے جس طرح مَردوں پر واجب ہوتی ہے، اس کے لیے بالغ ہونا شرط ہے: کہ نہ خود نابالغ پر واجب ہے، اور نہ اُس کی طرف سے اُس کے باپ پر واجب ہے "[2]۔

قربانی کے جانور کی اقسام

"قربانی کے جانور تین ۳ قسم کے ہیں: (۱) اونٹ، (۲) گائے، (۳) بکری۔ ہر قسم میں اُس کی جتنی اَنواع ہیں سب داخل ہیں، نَر اور مادہ، خصّی (وہ جانور جس کے خصیے نکال دیے گئے ہوں) اور غیر خصی، سب کا ایک حکم ہے، یعنی سب کی قربانی ہوسکتی ہے۔ بھینس گائے میں شمار ہے، اس کی بھی قربانی ہوسکتی ہے۔ بھیڑ اور دُنبہ، بکری میں داخل ہیں، ان کی بھی قربانی ہوسکتی ہے۔

قربانی کے جانوروں کی عمریں

قربانی کے جانور کی عمر یہ ہونی چاہیے: (۱) اونٹ پانچ ۵ سال، (۲) گائے دو ۲ سال، (۳) بکری ایک سال کی۔ اس سے عمر کم ہو تو قربانی جائز نہیں، زیادہ ہو تو جائز، بلکہ افضل ہے۔ ہاں صرف دُنبہ یا بھیڑ کا چھ ۶ مہینے کا بچہ، اگر اتنا فربہ ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو، تو اُس کی قربانی بھی جائز ہے۔

---

(۱) "بہارِ شریعت" صدقۂ فطر کا بیان، حصّہ ۵، ۹۳۵/۱۔

(۲) ایضاً، قربانی کا بیان، مسائلِ فقہیہ، حصّہ ۱۵، ۳۳۲/۳، ملتقطاً۔

قربانی کے شرکاء

قربانی کے سب شرکاء کی نیّت تقرُّبِ الٰہی (یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا) ہو، یعنی کسی کا ارادہ گوشت حاصل کرنے کا نہ ہو۔ اور یہ ضروری نہیں کہ وہ تقرُّب ایک ہی طرح کا ہو، یعنی ضروری نہیں کہ سارے شریک قربانی ہی کرنا چاہتے ہوں، بلکہ ایک بڑے جانور (اونٹ یا گائے) میں قربانی اور عقیقہ کی بھی شرکت ہو سکتی ہے؛ کیونکہ عقیقہ بھی تقرُّبِ الٰہی کی ایک صورت ہے۔

جانور ذبح کرنے کے چند ضروری آداب

جانور ذَبح کرنے سے پہلے چُھری کو اچھی طرح تیز کر لیا جائے، اور ذَبح کے بعد جب تک جانور ٹھنڈا نہ ہو جائے، اُس کے تمام اَعضاء سے رُوح نکل نہ جائے، اُس وقت تک اس کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹیں، نہ چمڑا اُتاریں۔

بہتر یہ ہے کہ اگر اچھی طرح ذَبح کرنا جانتا ہو، تو اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے کرے، اور اگر اچھی طرح ذبح کرنا نہیں جانتا، تو دوسرے کو حکم دے کہ وہ ذبح کرے، مگر اس صورت میں بہتر یہ ہے، کہ وقتِ قربانی خود بھی حاضر ہو۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے حضرت سیّدہ فاطمہ زَہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: «قُوْمِي إِلَى أُضْحِيَّتِكَ فَاشْهَدِيهَا؛ فَإِنَّهُ يُغْفَرُ لَكِ عِنْدَ أَوَّلِ قَطْرَةٍ تَقْطُرُ مِنْ دَمِهَا، كُلُّ ذَنْبٍ عَمِلْتِيهِ» "اُٹھ کر اپنی قربانی کے پاس آؤ؛ کہ اُس کے خون کے پہلے ہی قطرہ میں، جو کچھ ہو چکا سب کی مغفرت ہو جائے گی"، اس پر حضرت سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یانبی اللہ! یہ آپ کی آل کے لیے خاص

ہے؟ یا آپ کی آل کے لیے بھی ہے اور عام مسلمین کے لیے بھی؟ فرمایا: «لَا، بَلْ لِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً»[1] "نہیں، بلکہ تمام مسلمین کے لیے عام ہے"۔

قربانی کی کھال اور اُس کی جھول وغیرہ کا حکم

قربانی کا چمڑا، اُس کی جھول (قربانی کے جانوروں پر ڈالا گیا کپڑا) رسّی، اور اُس کے گلے میں ڈلا ہوا ہار، ان سب چیزوں کو صدقہ کردے۔ قربانی کے چمڑے کو خود بھی اپنے کام میں لاسکتا ہے، یعنی اُس کو باقی رکھتے ہوئے، اپنے کسی کام میں لاسکتا ہے"[2]۔ لیکن اگر اسے بیچے گا تو پھر اس مال کو صدقہ کرے، خود اپنے خرچ میں نہیں لاسکتا۔

ذبح کا طریقہ

قربانی سے پہلے جانور کو چارہ پانی دیں، یعنی بھوکا پیاسا ذبح نہ کریں۔ ایک جانور کے سامنے دوسرے کو ذبح نہ کریں۔ اور پہلے سے چُھری تیز کرلیں، ایسا نہ ہو کہ جانور گرانے کے بعد اُس کے سامنے چُھری تیز کی جائے۔ جانور کو بائیں پہلو پر اس طرح لٹائیں، کہ قبلہ کو اُس کا منہ ہو، اور اپنا داہنا پاؤں اُس کے پہلو پر رکھ کر، تیز چُھری سے جلد ذبح کردیا جائے، اور ذبح سے پہلے یہ دعا پڑھی جائے: "إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفاً وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لله رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، لا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ، اَللّٰهُمَّ لَكَ وَمِنْكَ، بِسْمِ الله اَللهُ أَكْبَرُ".

"میں نے اپنا منہ اُس کی طرف کیا، جس نے آسمان اور زمین بنائے، خاص اسی کا ہوکر، اور میں مشرکوں میں سے نہیں، یقیناً میری نماز، میری قربانیاں، میرا جینا

---

(۱) "مستدرك الحاكم" كتاب الأضاحي، ر: ٧٥٢٤، ٤/ ٢٤٧.

(۲) "بہارِ شریعت" قربانی کا بیان، مسائلِ فقہیہ، حصّہ ۱۵، ۳/۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۳-۳۴۵، ملتقطاً۔

اور میرا مرنا، سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جو سارے جہان کا رب ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے یہی حکم ہوا ہے، اور میں مسلمان ہوں۔ الٰہی! یہ (قربانی) بھی تیری ہی توفیق سے ہے، اور تیرے ہی لیے ہے۔ اللہ کے نام سے، اور اللہ سب سے بڑا ہے" اسے پڑھ کر ذبح کر دے۔

قربانی اگر اپنی طرف سے ہو تو ذبح کے بعد یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّي، كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِيْلِكَ إِبْرَاهِيْمَ عليه السلام، وَحَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ عليه الصلاة والسلام. "اے اللہ تُو مجھ سے (اس قربانی کو) قبول فرما! جیسے تُو نے اپنے خلیل ابراہیم اور اپنے حبیب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبول فرمائی"[1]۔

اس طرح ذبح کرے کہ جانور کی چاروں ۴ رگیں کٹ جائیں، یا کم سے کم تین ۳ رگیں کٹ جائیں۔ اس سے زیادہ نہ کاٹیں کہ چھری پیچھے گردن کے مُہرہ تک پہنچ جائے؛ کہ اس سے جانور کو بلا وجہ تکلیف ہوتی ہے۔

اور اگر دوسرے کی طرف سے ذبح کرتا ہے، تو "مِنِّي" کی جگہ "مِن" کے بعد اُس کا نام لے، جس کی طرف سے ہے[2]۔

گوشت کی تقسیم

قربانی کا جانور اگر مشترک ہے، جیسے گائے یا اونٹ، تو وزن سے گوشت تقسیم کیا جائے، صرف اندازے سے تقسیم نہ کریں۔ پھر اس گوشت کے تین ۳ حصے کر کے، ایک حصہ فقراء پر تصدُّق (خیرات) کرے، ایک حصہ دوست واَحباب کے

(۱) "بہارِ شریعت" قربانی کا بیان، مسائلِ فقہیہ، حصّہ ۱۵، ۳/۳۵۲، ملتقطاً۔

(۲) ایضاً، ۳/۳۵۳، ملتقطاً۔

یہاں بھیجے، اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لیے رکھے، اور اس میں سے خود بھی کچھ کھالے، اور اگر اہل وعِیال زیادہ ہوں، تو تہائی سے زیادہ، بلکہ کُل گوشت بھی گھر کے استعمال میں لاسکتا ہے[۱]۔

قربانی کا چمڑا اپنے کام میں بھی لاسکتا ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی نیک کام کے لیے دے دے، مثلاً مسجد یا دینی مدرسہ کو دے دے، یا کسی فقیر کو دے دے۔ بعض جگہ یہ چمڑا امام مسجد کو دیا جاتا ہے، اگر امام کی تنخواہ میں نہ دیا جاتا ہو، بلکہ اِعانت (مدد) کے طور پر ہو تو حرج نہیں۔ "البحر الرائق" میں مذکور ہے کہ قربانی کرنے والا، بقرعید کے دن سب سے پہلے قربانی کا گوشت کھائے، اس سے پہلے کوئی دوسری چیز نہ کھائے، یہ مستحب ہے، اس کے خلاف کرے جب بھی حرج نہیں"[۲]۔

دعا

اے اللہ! ہم میں جو صاحبِ نصاب ہیں، انہیں اپنے مال سے بہترین جانور قربان کرنے کی توفیق عطا فرما، ہر نیک کام میں اِخلاص کی دَولت عطا فرما، تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرما، بخل وکنجوسی سے محفوظ فرما، خوشدلی سے غریبوں محتاجوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

(۱) "بہارِ شریعت" قربانی کا بیان، مسائلِ فقہیہ، حصّہ ۱۵، ۳/۳۵۳، ملتقطاً۔
(۲) ایضاً۔

حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام

(جمعۃ المبارک ۹ ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ - ۳۱/۷/۲۰۲۰ء)

الحمد لله ربّ العالمين، والصّلاةُ والسّلامُ على خاتمِ الأنبياءِ والمرسَلين، وعلى آلِهِ وصحبِهِ أجمعين، أمّا بعد: فأعوذُ باللهِ مِن الشّيطانِ الرّجيم، بسمِ الله الرّحمنِ الرّحيم.

حضور پُرنور، شافعِ یومِ نُشور ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام سے دُرود وسلام کا نذرانہ پیش کیجیے! اللّهمّ صلِّ وسلِّم وبارِك على سيِّدِنا ومولانا وحبيبِنا محمّدٍ وعلى آلِهِ وصَحبِهِ أجمعين.

حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی ولادت

"حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت، سرزمینِ اہواز میں بمقامِ سوس ہوئی، پھر آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے والد آپ کو بابِل مُلکِ نمرُود میں لے آئے"[1]۔

حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی آزمائش

عزیزانِ گرامی قدر! اللہ تعالی اپنے برگزیدہ بندوں کو، امتحانات اور آزمائشوں سے گزار کر، کامیابی اور کامرانی سے سرفراز فرماتا ہے، ارشادِ باری تعالی ہے: ﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾[2] "جب ابراہیم کو اس کے رب تعالی نے کچھ باتوں سے آزمایا، تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں"۔

---

(۱) "خزائن العرفان" پ۱، البقرۃ، زیرِ آیت: ۱۲۴، ص۳۴۔

(۲) پ۱، البقرة: ۱۲٤.

میرے محترم بھائیو! "جو باتیں اللہ تعالیٰ نے حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام پر آزمائش کے لیے واجب کی تھیں، ان میں مفسرین کے چند اقوال ہیں: حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ وہ مَناسکِ حج ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: اس سے وہ دس ۱۰ چیزیں مراد ہیں، جو اَگلی آیات میں مذکور ہیں، حضرت سیّدنا ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول یہ ہے کہ وہ دس ۱۰ چیزیں یہ ہیں:

(۱) مونچھیں کتروانا، (۲) کلّی کرنا، (۳) ناک میں صفائی کے لیے پانی استعمال کرنا، (۴) مسواک کرنا، (۵) سر میں مانگ نکالنا، (۶) ناخن ترشوانا، (۷) بغل کے بال دُور کرنا، (۸) مُوئے زیرِ ناف کی صفائی، (۹) ختنہ کرانا، (۱۰) اور پانی سے استنجاء کرنا۔ یہ سب چیزیں حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام پر واجب تھیں، اور ہم پر اِن میں سے بعض واجب ہیں، بعض سنّت"[1]۔

حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام ملکِ نمرُود بابِل میں پرورش پاکر، جب سنِ بلوغ کو پہنچے تو اس پر اللہ جلّ جلالہ نے فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْۤ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ۝ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ۝ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًی یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ

(۱) "خزائن العرفان" پ۱، البقرۃ، زیرِ آیت: ۱۲۴، ص۳۴۔

اِبۡرٰهِيۡمُ ؕ﴿۶۰﴾ قَالُوۡا فَاۡتُوۡا بِهٖ عَلٰٓى اَعۡيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡهَدُوۡنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوۡۤا ءَاَنۡتَ فَعَلۡتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ؕ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلۡ فَعَلَهٗ ‌ۖ كَبِيۡرُهُمۡ هٰذَا فَسۡـئَلُوۡهُمۡ اِنۡ كَانُوۡا يَنۡطِقُوۡنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوۡۤا اِلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ فَقَالُوۡۤا اِنَّكُمۡ اَنۡتُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۙ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوۡا عَلٰى رُءُوۡسِهِمۡ‌ۚ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَا هٰٓؤُلَۤاءِ يَنۡطِقُوۡنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنۡفَعُكُمۡ شَيۡـئًا وَّلَا يَضُرُّكُمۡ ؕ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمۡ وَلِمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ‌ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوۡا حَرِّقُوۡهُ وَانۡصُرُوۡۤا اٰلِهَتَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ فٰعِلِيۡنَ ﴿۶۸﴾ قُلۡنَا يٰنَارُ كُوۡنِىۡ بَرۡدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ ۙ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوۡا بِهٖ كَيۡدًا فَجَعَلۡنٰهُمُ الۡاَخۡسَرِيۡنَ ۚ﴿۷۰﴾(۱).

"ہم نے ابراہیم کو (ان کی ابتدائی عمر میں بالغ ہونے سے) پہلے ہی سے، اس کی نیک راہ عطا کر دی، اور ہم اس سے خبر دار تھے (کہ وہ ہدایت و نبوّت کے اہل ہیں)۔ جب اس نے اپنے باپ اور قوم سے کہا کہ یہ مُورتیں (یعنی بُت جو درندوں پرندوں اور انسانوں کی صورتوں کے بنے ہوئے ہیں) کیا ہیں؟ جن کے آگے تم آسن مارے ہو (اور ان کی عبادت میں مشغول ہو)۔ بولے: ہم نے اپنے باپ دادا کو اِن کی پوجا کرتے پایا (تو ہم بھی ان کی اقتداء میں ویسا ہی کرنے لگے)۔ کہا: یقیناً تم اور تمہارے باپ دادا سب کھلی گمراہی میں ہو! بولے: کیا تم ہمارے پاس حق لائے ہو یا یونہی کھیلتے ہو؟ کہا: بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا، جس نے انہیں پیدا کیا، اور میں اس پر گواہوں میں سے ایک گواہ ہوں۔ اور مجھے اللہ کی قسم ہے! میں تمہارے بُتوں کا بُرا چاہوں گا، بعد اس کے کہ تم پیٹھ دے کر (اپنے میلے کو) پھر جاؤ۔ تو اُن سب کو (یعنی بُتوں کو توڑ کر) چُورا کر دیا، مگر ایک کو جو اُن سب کا بڑا تھا (چھوڑ دیا، اور ہتھوڑا اس کے

---

(۱) پ۱۷، الأنبياء: ۵۱-۷۰.

کاندھے پر رکھ دیا) کہ شاید وہ اس سے کچھ پوچھیں (کہ ان چھوٹے بُتوں کا کیا حال ہے؟) بولے: کس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا؟ یقیناً وہ ظالم ہے! ان میں سے کچھ بولے کہ ہم نے ایک جوان کو انہیں بُرا کہتے سنا، جسے ابراہیم کہتے ہیں۔ (یہ خبر نمرُودِ جبّار اور اس کے اُمراء کو پہنچی تو) بولے: تو اسے لوگوں کے سامنے لاؤ! شاید وہ گواہی دیں (کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کا فعل ہے) بولے: اے ابراہیم! کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا؟ (آپ نے اس کا تو کچھ جواب نہ دیا، اور شانِ مُناظرانہ سے تعریض کے طور پر ایک عجیب وغریب حجت قائم کی) فرمایا: بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہو گا (اس غصہ سے کہ اس کے ہوتے تم اس کے چھوٹوں کو پوجتے ہو!) اگر بولتے ہوں تو ان سے پوچھو! (وہ خود بتائیں کہ ان کے ساتھ یہ کس نے کیا؟) تو اپنے جی کی طرف پلٹے (اور سمجھے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حق پر ہیں) اور بولے: یقیناً تمہیں ستم گار ہو (جو ایسے مجبوروں اور بے اختیاروں کو پوجتے ہو)۔ پھر اپنے سروں کے بل اَوندھائے گئے، کہ تمہیں خوب معلوم ہے یہ بولتے نہیں! کہا: تو کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو؟ جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے! اُف ہے تم پر اور ان بُتوں پر! جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو! تو کیا تمہیں عقل نہیں؟ بولے: ان کو جَلادو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کرنا ہے! ہم نے فرمایا: اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی ہو جا! اور انہوں نے اس کا بُرا چاہا، تو ہم نے انہیں سب سے بڑھ کر زیاں کار کر دیا"۔ کہ حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو بُت پرستی سے روکا، اور نہ ماننے پر اُن کے بُتوں کو توڑ دیا، جس سے معلوم ہوا کہ بُت پرستی کا خاتمہ کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب، اور اس کے حکم سے اس کے پسندیدہ بندوں کا ہمیشہ سے کام رہا ہے، حالانکہ اس کے بدلے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں

ڈالا گیا، مگر اللہ تعالی نے اس آگ کو گلزار بناکر اس سے نَجات دی، اور کافروں کو ان کے بادشاہ نمرُود سمیت ہلاک وبرباد کردیا!۔

حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی ایک عمدہ صفت

میرے بزرگو ودوستو! حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام ملکِ شام سے جب مکہ مکرّمہ پہنچے، تو اپنی زَوجۂ محترمہ حضرت سیّدہ ہاجرہ، اور بچے حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام کو، کچھ تھوڑے سے اَسبابِ زندگی کے ساتھ یہاں ٹھہراکر، نیز اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسا کرتے ہوئے واپس چلے، اور کیوں نہ ہو؟ کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسا اور توکُّل، حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کا شِعار اور صالحین کا طریقہ ہے۔

حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی ایک عمدہ صفت بیان کرتے ہوئے، خالقِ کائنات جلّ جلالہ نے ارشاد فرمایا: ﴿اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾[1] "جب اس سے اس کے رب تعالی نے فرمایا کہ گردن رکھ! تو عرض کی کہ میں نے گردن رکھی، اُس کے لیے جو سارے جہان کا رب ہے"۔

اللہ کے پیارے اللہ کے حکم پر راضی رہتے ہیں، ان حضرات کا اپنے رب تعالیٰ پر کامل بھروسا اور اعتماد ہوتا ہے، انہی میں حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کی زَوجہ حضرت سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالی عنہا بھی ہیں، کہ بحکمِ الٰہی حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام اپنی زوجہ اور دودھ پیتے بیٹے، دونوں کو بیت اللہ شریف کے قریب، صفا ومروہ کے پاس تھوڑی کھجوریں اور تھوڑا سا پانی دے کر، ایسے وقت چھوڑ گئے کہ جب مکۂ مکرمہ میں نہ گزر اوقات کی کوئی چیز تھی، نہ کوئی آبادی تھی، لیکن حضرت سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جس

(١) پ١، البقرة: ١٣١.

اعتماد و بھروسے کا مظاہرہ کیا، اس کا بیان کچھ یوں ہے:

حضرت سیّدنا ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: «وَلَيْسَ بِمَكَّةَ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ، وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ، فَوَضَعَهُمَا هُنَالِكَ، وَوَضَعَ عِنْدَهُمَا جِرَاباً فِيْهِ تَمْرٌ وَسِقَاءً فِيْهِ مَاءٌ، ثُمَّ قَفَّى إِبْرَاهِيْمُ مُنْطَلِقاً، فَتَبِعَتْهُ أُمُّ إِسْمَاعِيْلَ فَقَالَتْ: يَا إِبْرَاهِيْمُ! أَيْنَ تَذْهَبُ وَتَتْرُكُنَا بِهَذَا الْوَادِي، الَّذِيْ لَيْسَ فِيْهِ إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ! فَقَالَتْ لَهُ ذَلِكَ مِرَاراً، وَجَعَلَ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهَا، فَقَالَتْ لَهُ: آللهُ الَّذِيْ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَتْ: إِذَنْ لَا يُضَيِّعُنَا».

"جس وقت حضرت سیّدنا ابراہیم نے انہیں مکہ مکرمہ میں چھوڑا، اس وقت وہاں ایک انسان بھی نہیں تھا، نہ وہاں پانی تھا، ان کے پاس ایک ٹوکری رکھی جس میں کھجوریں تھیں، اور ایک مشکیزہ رکھا جس میں پانی تھا، پھر حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام واپس لَوٹنے لگے، تو حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی والدہ حضرت سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کا پیچھا کیا اور کہنے لگیں: اے ابراہیم! آپ ایسی وادی میں ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہیں، جہاں کوئی ایک بھی انسان نہیں، نہ کوئی چیز ہے! یہ الفاظ انہوں نے کئی بار دہرائے، مگر حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کی طرف مڑ کر نہیں دیکھا، نہ کوئی جواب دیا، اس پر حضرت سیّدہ ہاجرہ نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: جی ہاں، مجھے اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا ہے، تب حضرت سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں، کہ اگر ایسا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع ہونے نہیں دے گا!"۔

حضرت سیّدہ ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اعتماد و بھروسا پہاڑ کی طرح مضبوط تھا، ربّ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہنے کی برکت سے انہیں زمزم شریف نصیب ہوا، آپ نے وہ زمزم پی کر

بچے کو دودھ پلایا، تب ان سے فرشتوں نے کہا: «لاَ تَخَافِي الضَّيْعَةَ؛ فَإِنَّ هَاهُنَا بَيْتَ اللهِ يَبْنِيهِ هَذَا الْغُلاَمُ وَأَبُوْهُ، وَإِنَّ اللهَ لَا يُضِيعُ أَهْلَهُ»[۱] "ضائع ہونے کا اندیشہ نہ کرو، یہاں بیت اللہ ہے، جسے یہ بچہ اور اس کے والد تعمیر کریں گے، اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ اس مقدّس مقام کے باشندوں کو ضائع نہیں فرمائے گا!"۔ عرصۂ دراز کے بعد حضرت سیّدنا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر فرمائی، آج ہر طرف سے لوگ جُوق در جُوق حرمین شریفین حاضر ہوتے ہیں، اور وہاں سے برکتیں حاصل کرتے ہیں۔

مکۂ مکرّمہ کے لیے دعا

عزیز ہم وطنو! حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اس جنگل بیابان میں، بحکمِ الٰہی اپنی زَوجہ اور دودھ پیتے بچے کو چھوڑ کر، بارگاہِ الٰہی عزّوجلّ میں دعا کی، ارشادِ گرامی ہے: ﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾[۲] "جب عرض کی ابراہیم نے، کہ اے رب میرے! اس شہر کو اَمان والا کر دے، اور اس کے رہنے والے، جو اُن میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائیں، انہیں طرح طرح کے پھلوں سے روزی دے"۔ "حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اس دعا میں مؤمنین کو خاص فرمایا، اور یہی شانِ ادب تھی، اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور آپ کی دعا قبول فرمائی"[۳]۔

(۱) "صحيح البخاري" كتابُ أحادِيث الأَنبياء، ر: ٣٣٦٤، صـ٥٦١.

(۲) پ١، البقَرة: ١٢٦.

(۳) "خزائن العرفان" پ۱، البقرۃ، زیرِ آیت: ۱۲۶، ص۳۵۔

کعبۂ معظّمہ کی تعمیر

پھر جب حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام ایک عرصہ کے بعد واپس تشریف لائے، اور حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام بھی اس قابل ہوئے کہ ان کا ہاتھ بٹا سکیں، تب اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خانۂ کعبہ کی تعمیر فرمائی۔ خالقِ کائنات جلّ جلالہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ﴾[1] "جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی نیویں اٹھاتے تھے، یہ کہتے ہوئے کہ اے رب ہمارے! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرما!"۔

یاد رہے کہ پہلی بار کعبۂ معظّمہ کی بنیاد، حضرت سیّدنا آدم علیہ الصلوۃ والسلام نے رکھی، اور بعد طوفانِ نُوح پھر حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے اسی بنیاد پر تعمیر فرمائی۔ یہ تعمیر خاص آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے دستِ مبارک سے ہوئی، اس کے لیے پتھر اٹھا کر لانے کی خدمت وسعادت حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کو میسر آئی، دونوں حضرات نے اس وقت یہ دعا کی کہ "یارب ہماری یہ طاعت وخدمت قبول فرما!"[2]۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے گھر (مسجد) کی تعمیر کرنا، اللہ کے خلیل حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی سنّتِ عظیمہ، اور اس سلسلے میں تعاوُن کرنا ذبیح اللہ حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی سنّتِ کریمہ ہے۔

حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی دعا

میرے بزرگو ودوستو! اللہ جلّ جلالہ نے اولادِ آدم میں، حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کو بزرگی وبڑائی عطا فرمائی، اولادِ اسماعیل میں بنی کنانہ کو بلندی دی، اور بنی کنانہ

---

(١) پ١، البقرة: ١٢٧.

(٢) "خزائن العرفان" پ۱، البقرۃ، زیرِ آیت: ۱۲۷، ص۳۵۔

میں قبیلۂ قریش کو بڑا بلند درجہ عطا فرمایا، پھر قریش سے بنی ہاشم کو چُنا، اور بنی ہاشم سے حضرت سیدنا محمدِ مصطفی احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند فرمایا، اور ان کے لیے عربی زبان کو پسند فرمایا؛ تاکہ اسی پیاری اور پسندیدہ زبان میں، وہ اپنی التجائیں بارگاہِ الٰہی میں کیا کریں۔

حضرت سیّدنا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے بارگاہِ الٰہی میں جس پیارے انداز سے دعا کی، اس کا ذکر قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں اس طرح آیا: ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا﴾(۱) "اے ہمارے رب! ہمیں تیرے حضور گردن رکھنے والا کر، اور ہماری اولاد میں سے ایک اُمت تیری فرمانبردار کر! اور ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا! اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رُجوع فرما!"۔ "وہ حضراتِ مقدّس اللہ تعالیٰ کے مُطیع ومخلص بندے تھے، پھر بھی یہ دعا اس لیے کی، کہ اطاعت واِخلاص میں اَور زیادہ کمال کی طلب رکھتے ہیں؛ کہ ان حضرات کا ذَوقِ طاعت سَیر نہیں ہوتا، سبحان اللہ!۔

حضرت سیّدنا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام معصوم ہیں، آپ کی طرف سے تو یہ تواضُع ہے، اور اللہ والوں کے لیے تعلیم ہے؛ کہ یہ مقامِ قبولیتِ دعا ہے، اور یہاں دعا وتوبہ سنّتِ ابراہیمی ہے"(۲)۔

وہیں پر یہ دعا بھی کی: ﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ﴾(۳) "اے ہمارے رب! ان میں

(۱) پ۱، البقَرة: ۱۲۸.

(۲) "خزائن العرفان" پ۱، البقرة، زیرِ آیت: ۱۲۸، ص۳۵۔

(۳) پ۱، البقَرة: ۱۲۹.

ایک رسول انہیں میں سے بھیج، جو اِن پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے، اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے، اور انہیں خوب ستھرا فرما دے"۔ "یعنی حضرت سیّدنا ابراہیم و حضرت سیّدنا اسماعیل علیہما السلام کی ذرّیت میں۔

یہ دعا سیّدِ الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تھی، یعنی کعبہ معظمہ کی تعمیر کی عظیم خدمت بجا لانے، اور توبہ واستغفار کرنے کے بعد، حضرت سیّدنا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے یہ دعا کی کہ "یا رب! اپنے محبوب نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہماری نسل میں ظاہر فرما، اور یہ شرف ہمیں عنایت کر!"۔ یہ دعا قبول ہوئی، اور ان دونوں صاحبوں کی (مشترک) نسل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی نبی نہیں ہوا، یعنی اولادِ حضرت سیّدنا اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام میں، بلکہ دیگر انبیاء (حضرت ابراہیم کے دوسرے صاحبزادے) حضرت سیّدنا اِسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل سے ہیں"[1]۔

صحابیٔ رسول حضرت سیّدنا عِرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: «إِنِّي عَبْدُ الله، وَخَاتَمُ النَّبِيِّيْن وَأَبِي مُنْجَدِلٌ فِيْ طِينَتِه، وَسَأُخْبِرُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ: أَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسٰى، وَرُؤْيَا أُمِّي آمِنَةَ الَّتِي رَأَتْ» "میں اس وقت سے اللہ کا بندہ اور آخری نبی ہوں، جبکہ ہم سب کے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی مٹی سے تخلیق کیے جا رہے تھے۔ اور میری یہ بات دھیان سے سن لو! کہ میں اپنے باپ حضرتِ ابراہیم کی دعا ہوں، حضرتِ عیسیٰ کی بِشارت ہوں، اور اپنی والدہ حضرت آمنہ کا خواب ہوں جو انہوں نے دیکھا"۔

حضرت سیّدنا عِرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، کہ جس طرح گزشتہ انبیاء کی

---

(۱) "خزائن العرفان" پ۱، البقرۃ، زیرِ آیت: ۱۲۹، ص۳۵۔

ماؤں نے خواب دیکھا، رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے بھی، آپ ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے وقت، ایک ایسا نُور دیکھا جس کی بدَولت ملکِ شام کے محلّات اُن پر روشن ہوگئے۔ پھر صحابیٔ رسول نے سورۂ اَحزاب کی یہ آیات تلاوت فرمائیں: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ۝ وَّدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا﴾[1] "اے غیب کی خبر دینے والے! یقیناً ہم نے آپ کو حاضر گواہ، اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا، اللہ کے حکم سے اُس کی طرف بلانے والا، اور چمکا دینے والا آفتاب بنا کر بھیجا!"۔

حضرت سیّدنا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کو پاکیزگی کی تاکید

عزیزانِ محترم! طہارت، نَجاست، غَلاظت اور ناپاکی کی ضد ہے، اور اس کا معنی پاکیزگی ہے۔ پاکیزگی اہلِ ایمان کا طریقہ اور اللہ تعالی کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندوں کی علامت ہے۔ اللہ تعالی نے اپنے بلند رُتبہ انبیائے کِرام علیہم الصلاۃ والسلام اور صالحینِ عظام رحمۃ اللہ علیہم کو دیگر اَحکام کے ساتھ ساتھ، خاص طور پر پاکیزگی کی تلقین بھی فرمائی۔

حضرت سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام اور اُن کے شہزادے حضرت سیّدنا اِسماعیل ذبیح اللہ علیہ الصلاۃ والسلام سے خطاب کرتے ہوئے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿وَعَهِدْنَآ إِلٰٓى إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعِيْلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾[2] "ہم نے ابراہیم واسماعیل کو تاکید فرمائی، کہ طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رُکوع وسجود کرنے والوں کے لیے، میرا گھر خوب پاک صاف کریں!"۔

---

(١) "مستدرَك الحاكم" تفسير سورة الأحزاب، ر: ٣٥٦٦، ٤/ ١٣٣٩.

(٢) پ١، البقرة: ١٢٥.

مُردوں کوزندہ کرنا

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، جس نے سارے جہان بنائے، انہیں ایک دن فنا کرکے پھر سے مُردوں کو زندہ فرمائے گا۔ اُس نے بارہا اپنے بندوں کو اس کا مُشاہدہ بھی کرایا، کہ وہ یہ کام کس طرح انجام دے گا۔ مفسرینِ کرام نے لکھا ہے کہ سمندر کے کنارے ایک آدمی مرا پڑا تھا، صبح و شام سمندر کی لہروں کے اُتار چڑھاؤ میں، جب پانی چڑھتا تو مچھلیاں اس لاش کو کھاتیں، جب اُتر جاتا تو جنگل کے درندے کھاتے، جب درندے جاتے تو پرند کھاتے، حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ ملاحظہ فرمایا، تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام کو شَوق ہوا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں، کہ مُردے کس طرح زندہ کیے جائیں گے ؟! آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ یارب! مجھے یقین ہے کہ تو مُردوں کو زندہ فرمائے گا، اور ان کے اَجزاء دریائی جانوروں اور درندوں کے پیٹ، اور پرندوں کے پوٹوں سے جمع فرمائے گا، لیکن میں یہ عجیب منظر دیکھنے کی آرزُو رکھتا ہوں!۔

مفسرینِ کرام کا ایک قول یہ بھی ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنا خلیل بنایا، تو ملک الموت علیہ الصلوۃ والسلام حضرت رب العزّت سے اجازت لے کر آپ علیہ الصلوۃ والسلام کو یہ بِشارت سنانے آئے، کہ اللہ تعالی نے آپ علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنا خلیل بنایا ہے! آپ نے بِشارت سن کر اللہ کی حمد کی، اور ملک الموت سے فرمایا کہ اس خُلّت کی علامت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی: یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا قبول فرمائے، اور آپ کے سوال پر مُردے زندہ کرے! تب آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے دعا کی[1] جسے اللہ تعالی یوں بیان فرماتا ہے: ﴿وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىۡ كَيۡفَ تُحۡىِ

(۱) "تفسیر الخازِن" پ۳، البقرۃ، تحت الآیۃ: ۲۶۰، ۱/ ۱۹۶، ۱۹۷، ملتقطاً.

الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَ لٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ﴾[1] "جب ابراہیم نے عرض کی، کہ اے میرے رب! مجھے دکھادے تُو کیسے مُردے جِلائے گا؟ فرمایا: کیا تمہیں یقین نہیں؟ عرض کی: یقین کیوں نہیں! مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے! فرمایا: تواچھا چار ۴ پرندے لے کر اپنے ساتھ ہلالو (پال لو)! پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو، پھر انہیں بُلاؤ! وہ تمہارے پاس چلے آئیں گے پاؤں سے دَوڑتے"۔

"حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے چار ۴ پرندلیے: مور، مرغ، کبوتر، کوّا، انہیں بحکمِ الٰہی ذبح کیا، ان کے پَر اکھاڑے اور قیمہ کرکے، ان کے اجزاء باہم خلط کر دیے، اور اس مجموعہ کے کئی حصے کیے، ایک ایک حصہ ایک ایک پہاڑ پر رکھا، اور سر سب کے اپنے پاس محفوظ رکھے، پھر فرمایا: چلے آؤ! حکمِ الٰہی سے یہ فرماتے ہی وہ اَجزاء اُڑے، اور ہر ہر جانور کے اَجزاء علیحدہ علیحدہ ہو کر اپنی ترتیب سے جمع ہوئے، اور پرندوں کی شکلیں بن کر اپنے پاؤں سے دَوڑتے حاضر ہوئے، اور اپنے اپنے سروں سے مل کر بعینہٖ پہلے کی طرح مکمل ہو کر اُڑ گئے، سبحان اللہ!"[2]۔

حضرت سیّدنا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی سیرتِ طیّبہ کے ان حسین وجمیل گوشوں میں، ہم اہلِ ایمان کے لیے علم وعمل کے کئی رَہنما اُصول وضوابط موجود ہیں، جنہیں اپنا کر ہم بھی قربِ الٰہی کی اعلیٰ منزل تک رَسائی حاصل کرسکتے ہیں!۔

---

(١) پ٣، البقرة: ٢٦٠.

(٢) "تفسیر خزائن العرفان" پ٣، البقرۃ، زیرِ آیت: ۲۶۰، ۷۹۔

دعا

اے اللہ! ہمیں اپنے پسندیدہ بندوں، بالخصوص حضرت سیّدنا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی سیرتِ طیّبہ پر عمل کی توفیق عطا فرما، ان کی طرح ہر وقت اپنی رضا کے حصول کی کوشش، اور اپنے ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کرنے کی سعادت عطا فرما۔ ہر نیک کام میں اِخلاص کی دَولت سے نواز دے، تمام فرائض وواجبات کی ادائیگی بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرما، آمین یا ربّ العالمین!۔

واعظ الجمعہ

تحسینِ خطابت

(۲۰۱۷ء)

تالیف

ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی حفظہ اللہ تعالیٰ

دار أهل السنة
لتحقيق الكتب والطباعة والنشر

واعظ الجمعہ

تحسینِ خطابت

(۲۰۱۸ء)

تالیف

ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمن تحسینی حفظہ اللہ تعالیٰ

دار أهل السنة

لتحقيق الكتب والطباعة والنشر